جلد دویم

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

بعہد شاہجہان و اورنگزیب

جسکو اول جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر [illegible] سی
ایس آئی ترجمان ہز ایکسلنسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے ترجمہ
کیا۔ اور پھر ان کی فرمائش سے جناب مشیر الدولہ مستند الملک خلیفہ
محمد حسین صاحب میر منشی ریاست پٹیالہ نے از سر نو تصحیح کر باضافہ مفید
حاشیوں کے بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید
محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم ریاست موصوف کے چھپوا کر
بغرض فائدہ عام مشتہر کیا

[illegible] محمد حسین مرادآبادی

سنہ ۱۸۸۶ء

مطبع ریاض ہند امرتسر میں چھپی

مصنف کا خط نام مانسیور دی لا موتی لی واژ

فہرست مضامین متعلق حواشی

تمت

جلد دویم

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر از عہد شاہجہان و اورنگ زیب

یعنی ڈاکٹر موصوف کے چند خطوط متضمن حالات ہندوستان

ہر کہ عاقل بود از خوبی عنواں داند + کہ دریں نامہ چہ اسرار نکو خواہد بود

مصنف کا پہلا خط بنام مانسٹیور دی مرویلیس[1] مقام دہلی مورخہ دہم سن ۱۶۶۴ سولہ سو چوسٹھ عیسوی متضمن حالات سفر اورنگ زیب بجانب کشمیر جنت نظیر

[illegible]

صاحب من! جب سے اورنگ زیب کا مزاج اُن بصحت ہوا ہے اُسی وقت سے یہہ خبر برابر مشہور ہو رہی تھی کہ بادشاہ بغرض تبدیل آب و ہوا اور آیندہ گرمی سے بچنے کے لئے جسکے باعث عود مرض کا اندیشہ تھا لاہور اور

* [illegible]

1 Monsieur de Merveilles [illegible]

کشمیر کی سیر کا عزم رکھتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سے عقل مندوں کو اس بات کے یقین کرنے میں تامل تھا کہ جس حالت میں کہ اسکا باپ آگرہ کے قلعہ میں مقید ہے وہ ایسا دور و دراز سفر کرنے کی جرأت کسطرح کریگا!

> اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث روشن آرا بیگم کی خواہش تھی۔

لیکن بہر حال مصلحت کے خیالات مصالح سلطنت پر غالب آئے! اور زیادہ تر روشن آرا بیگم کی ترغیب و تحریص اسکا باعث ہوئی جو بہت دنوں سے اس امر کی آرزو مند تھی کہ بسبب اپنے محلات کی ہوا کے زیادہ صاف ہوا سے تفریح حاصل کرے اور اس اپنے اقتدار کے زمانہ میں شاہانہ کروفر سے فوج کے ساتھ جائے جیسے کہ اسکی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے عہد میں گئی تھی۔

> اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر سنہ سولہ سو چونسٹھ عیسوی کو بہت سے سامان کے ساتھ دہلی سے لاہور کا کوچ کرنا۔

الغرض بادشاہ نے اس مہینے کی چھٹی تاریخ تین بجے دن کے جو جوتشیوں نے اس لمبے سفر کیواسطے مبارک ساعت و مہورت تجویز کی تھی! کوچ کیا اور شالامار باغ میں جو پای تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جاکر قیام فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اس غرض سے توقف فرمایا کہ اس لمبے سفر کے سامان کیواسطے جو ڈیڑھ برس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور مہلت ملے۔ اور آج ہم سنتے ہیں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ خیام شاہی لاہور کی سڑک پر لگائے جائیں اور یہ کہ دو مقام کرنیکے بعد پھر کوچ میں آئندہ زیادہ توقف نہ ہوگا۔

> اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں ہمراہی فوج سلطانی کی تعداد

اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ صرف وہی پینتیس ہزار سوار ہی نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقررہ ہمیشہ اسکے ہمرکاب رہتے

ہیں اور نہ صرف وہ معمولی پیادہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ بھاری توپخانہ اور ہمرکاب توپخانہ بھی ساتھ رہتا ہے۔

ہمرکاب توپ خانہ اور اسکی وجہ تسمیہ۔

اس توپ خانہ کو ہمرکاب توپخانہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات خاص سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ بھاری توپ خانہ وقت بہ جہت راہ کے نشیب و فراز وغیرہ کے باعث لشکر شاہی سے علیحدہ ہو کر پیچھے سے سہولت کے ساتھ آیا کرتا ہے۔

بھاری توپخانہ

بھاری توپخانہ میں بیشتر توپیں ہوتی ہیں جنمیں زیادہ پیتل کی ہیں اور اکثر ایسی بھاری ہیں کہ بیلوں کی بیس بیس جوڑیاں ان کے کھینچنے کیواسطے ضرور ہیں اور بعضی تو ایسی بھاری ہیں کہ جب راہ ناہموار ہو یا کہ چڑھائی کا موقع ہو تو معمولی بیلوں کی مدد کے واسطے ہاتھی درکار ہوتے ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پہیوں کو اپنے سر اور سونڈ سے دھکیلیں۔

ہمرکاب توپخانہ کا بیان

ہمرکاب توپخانہ میں پچاس یا ساٹھ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی ہیں! اور سب پیتل کی ہیں! اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خوبصورت اور خوش رنگ تخت پر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جسپر زینت کیواسطے چند سرخ جھنڈیاں لگاتے ہیں چنانچہ اسکا ذکر مینے کسی اور مقام پر بھی کیا ہے۔ ہر توپ کو دو خوبصورت گھوڑے کھینچتے ہیں۔ جنکو ایک گولنداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جوڑی کے ساتھ ایک تیسرا گھوڑا کوتل ہوتا ہے جسکو ایک اور سپاہی لیکر چلتا ہے۔ یہ میدانی توپیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قائم کیجائیں اور اتنی پہلے پہنچ جائیں کہ بادشاہ کے لشکرگاہ میں پہنچتے ہی سلامی اتار سکیں۔

فوج دہلی کی حرکت سے لوگوں کا یہ شبہ ہونا کہ کشمیر کی جگہ ہم قندھار کی مہم پر چلے ہیں۔

یہ بادشاہی لشکر اور ہمرکاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے جس سے لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ہم کشمیر جانے کی جگہ قندھار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور ہندوستان اور ملک ازبک کے مابین ایک نہایت کارآمد مقام ہے۔ قندھار ایک خوش نما اور زرخیز ملک کا دارالحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہ ہے اور اس وجہ سے اُس پر قبضہ حاصل کرنے کو بادشاہان ایران اور ہندوستان کے باہم بڑے بڑے سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اس عظیم الشان فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھ ہی منشا اور مقصد ہو مگر یہ ایک متنفس کو جو اُس سے علاقہ رکھتا ہے اب دہلی سے روانہ ہونے میں جلدی کرنا ضروریات سے ہے اگرچہ اُسکے ضروری امور کیسے ہی مقتضی اس بات کے ہوں کہ کچھ توقف کرے پس اگر میں اپنے جانے میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا مجھے مشکل ہو جائیگا۔

نواب دانشمند خاں کے علمی شوق کا ایک خصوصی ذکر

علاوہ بریں ہمارا نواب دانشمند خاں میرا نہایت منتظر ہے کیونکہ ہمارا آقا جو وزیر معاملات متعلق ممالک غیر اور سوار فوج کا میر بخشی ہے اپنے منصب کے اہم کاموں سے اُسکو صبح کیوقت تو فرصت نہیں ملتی اس وجہ سے وہ اپنے سہپر کے وقت کو جو کتب حکمیہ کے مطالعہ کے لئے مختص کیا ہوا ہے ضایع کرنا نہیں چاہتا۔ اُسکو علم ہیئت اور جغرافیہ اور تشریح کا خاص شوق ہے۔ اور وہ گیسینڈی[1] اور ڈِس کارٹس[2] کی تصانیف کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔

---

1 Gassendi — گ س ن ڈ ی — ۱

2 Descartes — ڈ س ک ا ر ٹ س — ۲

مصنف کی تنخواہ اور اُن چیزوں کا بیان جو سفر کشمیر میں اُسے ضروری سمجھکر ساتھ لیں۔

پس اپنے ذاتی امور کا بندوبست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ ہونگا اور چلنے سے پہلے مجھے اِس قدر اسباب و سامان درست کر لینا چاہیئے جسقدر کہ رسالہ کے ایک ذیعزت عہدہ دار کو درکار ہے - کیونکہ میری تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہے اور اسلئے ضرور ہے کہ دو اچھے ترکی گھوڑے مع ایک سائیس کے میرے پاس ہوں - اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی مع ایک شتربان کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ایک باورچی اور ایک خدمتگار ہونا چاہیئے جو ملک کے دستور کے موافق پانی کی صراحی لیکر گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے - مینے ضروری اور آرام کی اور بھی سب چیزیں ساتھ کے لئے تیار کر لی ہیں - مثلاً ایک درمیانہ خیمہ ایک قالین اور ایک ہلکی سفری چارپائی جو چار ہلکے اور مضبوط بانسوں سے بنتی ہے اور ایک تکیہ اور دو لحاف جنمیں سے ایک کو دوہرا کرکے توشک کا کام لیا جاتا ہے - اور ایک گول چرمی سفرہ کھانا کھانے کے واسطے اور چند رنگین رومال اور تین چھوٹے تھیلے باورچی خانہ کے ظروف اور گلی ظروف وغیرہ کے واسطے جو یہہ سب ایک بڑے تھیلے میں رکھے جاتے ہیں اور یہہ بڑا تھیلا پھر ایک ٹاٹ کے بڑے شلیتہ میں جسکے دو حصے ہوتے ہیں اور جسمیں تسمے لگے ہوے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے - علاوہ بریں شلیتہ میں آٹا دال وغیرہ کھانے کی چیزیں مع آقا اور ملازموں کے بستر اور کپڑوں وغیرہ کے رکھی جاتی ہیں - مینے احتیاطاً اپنے چھ روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کچھ میٹھے بسکٹ بھی جنکو چاشنی اور نیبو کے عرق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لئے ہیں اسکے سوا باریک کپڑے کی ایک تھیلی

مع ایک آہنی قلابے کے جسمیں لگا کر دہی کو جمایا جاتا ہے میں نے یادگار کے ساتھ رکھ لی ہے - کیونکہ اس ملک میں میوہ کا شربت اور دہی نہایت مفرح چیز ہے - یہہ سب چیزیں جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شلیتہ میں باندھ دی گئی ہیں جو حسب معمول ایسا بیڈھنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی مشکل سے اونٹ پر لاد سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لادنے والوں کو صرف اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شلیتہ کا ایک سرا زمین سے اُٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر الٹ دیں - ایسے لمبے سفر میں اگر آرام چاہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی فالتو نہیں ہے - کیونکہ ایسے ملک میں ہمکو فرانس کے سے اِنّ[1] یعنی مسافر خانوں اور آرام و آسایش کے سامان کی ہمسری کی اُمید نہیں ہے اور ہماری جہاں سرا صرف ہمارا وہی ڈیرہ ہے جسکو عرب اور تاتاریوں کیطرح ہمکو ایک منزل سے اُٹھا کر اور دوسری منزل پر لیجا کر روزمرہ لگانا چاہیئے - اور ہم اپنی حاجت روائی لوٹ کھسوٹ سے بھی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدّی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے -

شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی اور اس سے نارو کی بیماری کے پیدا ہونے کا ذکر -

اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف اتنی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کیطرف کوچ کرتے ہیں دوسرے یہہ کہ معمولی برسات کی بارشیں ہو چکی ہیں اور موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کیواسطے یہی موسم مناسب ہے کیونکہ جاڑے کے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد بھی

[1] Inn   مسٹ اِنّ

ایسی نہیں رہی کہ جسکی برداشت نہو سکے - اور میں اس خیال سے بھی خوش ہوں
کہ اب مجھکو دہلی کے بازار کی روٹی کھانے کی آفت اٹھانی نہ پڑے گی جو اکثر
خراب پکائی جاتی ہے اور گرد و غبار سے صاف نہیں ہوتی اور اب یہہ بھی
امید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جسکا میلا پن مجھسے بیان
نہیں ہو سکتا - کیونکہ ہر انسان و حیوان بیدھڑک وہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور
پانی کو انواع و اقسام کے میل کچیل کا مخزن بنائے رکھتے ہیں اس پانی سے بہت
عسیر العلاج تپیں پیدا ہوتی ہیں اور پنڈلی میں کیڑے یعنی نارو سے پیدا ہو جاتے
ہیں جنمیں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے اور آیندہ بڑے بڑے اندیشے
ہوتے ہیں - اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جائے تو یہہ کیڑے جلد دفع ہو جاتے
ہیں - اگرچہ کبھی کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے
ہیں یہہ کیڑے اکثر عرض و طول میں چکارے کے تارے تانت کے موافق ہوتے
ہیں اور جن پر بے تکلف نس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے - ان کے نکالنے میں بڑی
احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر
یہہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روز مرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جائے

> سفر دہلی کے ہمراہ معمولی پانی کی جگہ گنگا جل استعمال کرنا -

میرے لئے یہہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس
قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہونگا کیونکہ
ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی
اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کیوقت مجھے عنایت ہوا کرے
کیونکہ اور امراے دربار کیطرح ہمارے نواب نے بھی اپنے ساتھ کے لئے

رنگ کا بل کے بہت سے ذرات لدو لئے ہیں۔

صراحی پانی کے بجوں ہما پانی ٹھنڈا رکھنےکی ترکیب اور فائدہ ۔

پانی کی صراحی ایک ٹین کا برتن ہے جسپر سرخ کپڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے اور اسکو ایک خدمتگار ہاتھ میں لیکر اپنے آقا کے گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے اسمیں عموماً ایک سیر پانی آتا ہے لیکن مینے اپنی صراحی قصداً دو سیر کی بنوائی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یہہ تدبیر میرے لیے بہت مفید ہوگی۔ اس صراحی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے بشرطیکہ وہ کپڑا جو اُسپر منڈھا ہوا ہوتا ہے تر رہے اور صراحی بردار اُسے ہلا ہلا کر ہوا دیتا رہے یا اُسے ایک ہوادار جگہہ میں جیسا کہ یہاں عموماً معمول ہے زمین سے اونچی ایک تپائی پر رکھا جاوے تاکہ زمین کی گرمی صراحی کو نہ لگے۔ پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلانا یا ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کیواسطے ازبس ضرور ہے گویا کہ یہہ نمی جس سے کپڑا تر ہے اُن چھوٹے چھوٹے آتشی اجزا (فائری پارٹی کلز)[1] کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہوجاتا ہے صراحی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے معہذا اُن شورے کے اجزا (نائٹرس پارٹی کلز)[2] اور اور اجزا کو جو اس کپڑے اور ظرف کے اندر گھس کر پانی میں سکون کا اثر پیدا کرکے اُسکو ٹھنڈا کردیتے ہیں نہیں روکتی جسطرح شیشے میں سے روشنی تو اندر آجاتی ہے مگر پانی نہیں آسکتا اور یہ امر شیشہ کی بناوٹ اور اُسکے اجزا کی خاصیت اور اُس فرق کیوجہ سے سے

---

* اصل کتاب میں بجاے حست کے ذیل لکھا ہے س۔م۔ت

---

1 ف اوری پ ار ٹی ک ل ز Ferryparticles

2 ن ائ ٹ رس پ ار ٹی ک ل ز Nitrous particles

جو پانی اور روشنی کی لطافت میں ہے۔

یہہ صراحی کہیں باہر جانیکے وقت کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مٹکوں میں جو مسامدار مٹی سے بناے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور اُن پر تر کپڑا لپیٹتے ہیں اور اگر یہہ مٹکے ہوا میں رکھے جائیں تو انکا پانی اِن صراحیوں سے بھی زیادہ خنک ہوتا ہے۔

شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب۔

بڑے اُمرا خواہ شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ استعمال کرتے ہیں اور اُسکی ترکیب یہہ ہے کہ پانی یا جو چیز سرد کرنی منظور ہو جست کی صراحی میں جسکی گردن لمبی اور پیٹ گول انگریزی بوتل کا سا ہوتا ہے ڈال کر اسکو سات یا آٹھ منٹ تک اُس پانی میں ہلاتے ہیں جسمیں تین چار مٹھی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور صراحی کے اندر کی چیز نہایت سرد ہو جاتی ہے اور کسیطرح ناگوار یا مضر نہیں ہوتی جیساکہ مجھے پہلے خیال ہوا تھا مگر ابتدا ءً کبھی کبھی کچھ تلیین کا اثر کرتی ہے۔ لیکن معلوم نہیں بجاے ان خیالوں کے کہ تمام سفر سر پر کھڑی ہے اور اس مُلک کی جلتی بلتی دھوپ

* جب کوئی سیال جسم مثلاً پانی مٹی کے ایک ایسے برتن میں جو مسامدار ہو رکھا جاوے اور ہوا چلتی ہو تو پانی کے ہوا میں برتن کے مسامات میں سے بھاپ بنکر اُڑ جاتے ہیں اور اس بھاپ کے ساتھ حرارت بھی جو پانی میں صرف رہتی ہے نکل جاتی ہے تو اُس برتن میں پانی ٹھیک ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سطح جس پر رکھا ہے اور یہ تاثیر اُس وقت اور بھی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے کہ برتن کو دھوپ میں رکھا جاوے اور اس کے باہر کی سطح کو جس سے بھاپ خارج ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر کپڑا لپیٹ کر جب اگلے زمانے کے علم کیمیا کے علماء کا یہ قیاس تھا کہ کوئی نہایت لطیف شے جسکے انہوں نے مختلف نام رکھے ہوئے تھے اس عمل کے وقت برتن کے مسامات سے خارج ہوتی ہے ہر چند حال کے علماء اُسے کو کیلورک[1] یعنی جوہر حرارت کہتے ہیں ۱۲ مترجم انگریزی

1 Caloric — ک ے ل و رک

میں جو کسی موسم میں بھی کامل ایذا سے خالی نہیں ہے بہ مشقت چلنا پڑیگا اور ہر روز اسباب کسطرح لادا اور اتارا جائیگا اور نوکروں کو ہمیشہ یہہ دکھ کرنے کو کہا جائیگا اور کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اکھاڑنا ہوگا اور کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً جبکہ ایسی بے ٹھکانے اور خانہ بدوشی کی گزران یقیناً ڈیڑھ برس تک جسکی بابت حکم مل چکا ہے کرنی پڑیگی میں یہہ علمی جھگڑے کیوں لے بیٹھا۔

لو یار اب خدا حافظ! میں اپنا وعدہ پورا کرونگا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا ہوں گا۔ اور چونکہ فوج اس موقع پر زرم نرم کوچ کریگی کیونکہ کچھ اضطراب اور کسی دشمن کا فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے جیساکہ بادشاہان ہند کا معمول ہے کوچ ہونگے اسلئے میں سب دلچسپ واقعات لکھتا ہونگا تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپکی خدمت میں بھیجوں۔

مصنف کا دوسرا خط بنام مانشیور دی مرویلس مورخہ

۲۵ فروری ۱۶۶۵ء بمقام لاہور

دہلی اور لاہور کے فاصلے اور نیز بکھیڑوں کی غرض سے دربار چھتا کے کوس سے کم اور نہایت آہستہ آہستہ کوچ کرتا ہے۔

صاحب من! یہہ کوچ فی الواقع آہستہ اور باشان و شوکت طور کا ہے۔ جسے ہم یہاں اعلیٰ حضرت کا سفر کہتے ہیں۔ لاہور دہلی سے قریب سوا سو لیگ* یا پندرہ منزل کے ہے۔ مگر ہمکو لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے کے لگے۔

* یعنی تخمیناً (۲۰۰) میل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ لیکر شارع عام سے علیحدہ رستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ عمدہ موقعے ہاتھ آئیں اور دریائے جمنا کا پانی آسانی سے ملتا رہے۔ چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کی خاطر اصولی شارع عام سے دائیں طرف کو روانہ ہوئے اور جسطرح بادشاہ نے بلحاظ آرام و آسایش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریائے جمنا کے کنارے کوچ ہوتا رہا۔ اور ایسی لمبی لمبی گھاس ہیں جسمیں سوار بھی نظر نہ آتے تھے بندوق کا اور سب قسم کے شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور سب طرح کا شکار بکثرت ملا۔ اور اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوئے ہیں اور مجھکو اپنے صرف اوقات کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ طرح طرح کے حالات جنکی طرف میرا دل دہلی چھوڑنے کے وقت سے متوجہ رہا ہے قلمبند کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ میں بہت جلد آپکو کشمیر کی سیر کراؤنگا۔ اور آپکو ایک ایسا ملک دیکھاؤنگا جو دنیا میں ایک نہایت خوشنما قطعہ* ہے۔

---

* تاکہ اس مضمون کی زیادہ تشریح ہو جائے اس سفر کا حال عالمگیرنامہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے۔ اسمیں لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا اور بعض مصالح ملک داری کے لحاظ سے بھی پنجاب کا جانا ضروری تھا اسلئے غرہ جمادی الاولی ۱۰۷۳ھ ایک ہزار ستر تہتری کو کہ اسکے جلوس کا سال پنجم اور "روز جشن وزن قمری" یعنی عمر کے دن کا دن تقریب سالگرہ آغاز سال چہل و ہفتم بحساب شمسی اور روز شروع سال چہل و ششم کا قمری تھا دارالخلافہ شاہجہان آباد سے بعمارات فیض باغ اعز آباد میں جسکو ایکی اور [illegible] تعلقہ [illegible] نصب ہوئے اور شاہ جہاں [illegible] الاول کو مطابق ۲ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ بیس بیت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہو کر باغ مذکور میں ڈیرہ کیا۔ کہتے ہیں کہ یہاں سے کوچ کر کے چند روز اُن شکار گاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسر کئے اور پھر قصبہ سونی پت یعنی سونپت کی راہ سے ہو کر کرنال پہنچا۔ یہاں سے تا شمل [illegible] سیر سامان کوچ ملک [illegible] آسیب کو [illegible] سے [illegible] [illegible] شکار [illegible] اور وہاں سے [illegible]

بادشاہی سیر و شکار میں خیمے اور سامان باربرداری کی تعداد

جب کبھی بادشاہ بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ سفر کرتا ہے تو اُسکے ذاتی آرام و آسایش کے لئے دوہرا سامان خیموں ڈیروں وغیرہ کا ہمراہ ہوتا ہے چنانچہ اِن میں سے ایک پورا سامان ہمیشہ ایک دن آگے جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو منزل پر پہنچتے ہی سب طرح سے سجا سجایا اور تیار ملے اور اسیواسطے اسکو پیش خانہ (پیش خیمہ) کہتے ہیں یہ دونوں پیش خانے قریباً ایک ہی سے ہیں۔ اور ایک پیش خانے کے اُٹھا لیجانے کیواسطے ساٹھ سے ستر ہاتھی دو سو اونٹ سو خچر اور سو حمال درکار ہوتے ہیں۔ بھاری اسباب تو ہاتھیوں پر لادا جاتا ہے جیسے بڑے بڑے ڈیرے اور انکی بھاری بھاری چوبیں جو باعث درازی اور وزن کے تین ٹکڑوں کی ہوتی ہیں اور چھوٹے ڈیرے اونٹوں پر لادے جاتے ہیں اور باورچی خانہ کا سامان خچروں پر۔ اور ہلکی اور زیادہ قیمتی چیزیں حمال لیجاتے ہیں۔ جیسے چینی کے برتن جو بادشاہی دسترخوان پر لگائے جاتے ہیں اور روغنی یا ملمع کے پاؤں کے پلنگ اور وہ قیمتی خرگاہ جسکا ذکر ہم بعد ازیں کرینگے۔

کو قصبہ خضرآباد میں (جو جمنا کے دہنے کنارے پر واقع ضلع انبالہ تحصیل جگادھری کے متعلق ہے) دریا کے پار اُترے اور راجی خضرآباد کے شکار کے بعد ۲۳ تاریخ کو انبالہ میں ڈیرہ کیا۔ ۲۸ مئی کو سرہند پہنچ کر دریائے ستلج پر پہنچے کشتیوں کا پُل بندھا تھا۔ اسلئے دوسرے دن اُس پار ڈیرہ ہوا جو بادشاہی "قراولوں" یعنی شکاریوں نے جھنڈو کے رودبک کے جنگلوں میں دو شیر دیکھے تھے اسلئے بادشاہ سوار ہوئے اور دونوں کو بندوق سے شکار کیا۔ اسکے بعد ۲۹ کو راجی تلونڈی میں ڈیرہ کیا (اس تکلیف اور سرگردانی جو شیر کے شکار میں کل اہل لشکر کو اس سفر میں اٹھانی پڑی تھی اُسکا ذکر ڈاکٹر برنیئر نے آگے بہت تفصیل سے کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہی جگہ ابن بطوطہ اور تلونڈی کے تھی) بعد ازیں دریائے "بیاہ" یعنی بیاس کو بعضوں نے بذریعہ کشتی کے اور بعضوں نے پایاب عبور کیا اور فتح آباد میں مقام ہوا۔

خیام شاہی کے لئے جس جگہ سے اور جس قدر جگہ تجویز کیجاتی ہے جسپر قریب سے شاہی ڈیوڑھی دیوان عام و خاص اور خلوت خانہ وغیرہ لگائی جاتے ہیں اسکا ذکر

پیش خانے کے منزل پر پہنچتے ہی میر سامان ایک عمدہ موقع خیام شاہی کے واسطے تجویز اور انتخاب کرتا ہے اور کمال توجہ کے ساتھ حتی الامکان اسمیں کوشش کرتا ہے کہ تمام لشکر گاہ نسبت اور قرینہ کے ساتھ ہو۔

اور ایک مربع قطعہ جسکی چاروں طرفیں تین تین سو معمولی قدم کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہیں داغ بیل لگاکر محدود کر دیا جاتا ہے اور سو سیلدار دو تین اسکو صاف و ہموار کرکے اسکی سطح کو چبوترے کے طور پر ذرا بلند کر دیتے ہیں پھر اس کے گرداگرد قناتیں جنکی بلندی سات یا آٹھ فرانسیسی فٹ کے برابر ہوتی ہے گھیر دیجاتی ہیں جنکے کھڑے کرنے کی ترکیب یہہ ہے کہ میخیں گاڑھ کر انکی رسیوں کو ان سے باندھ دیا جاتا ہے اور ہر دس قدم کے فاصلہ پر دو دو چوبیں جنکے نیچے کے سرے زمین پر جمے ہوئے ہوتے ہیں تماشے کیواسطے دونوں طرف اس طور پر کھڑی کیجاتی ہیں کہ ایک چوب دوسری کے سہارے ہوتی ہے - یہہ قناتیں ایک مضبوط کپڑے کی بنائی جاتی ہیں اور اسپر ہندوستانی چھینٹ سے نقش و نگار اور پھول وغیرہ

دوسری جب کو لاہور پہنچکر باغ میں قفس میں (جوشاہجہاں کیوقت میں شالامار کشمیر کی طرز پر تعمیر ہوا تھا اور جسے ہمارے زمانہ میں عموماً شالامار کہتے ہیں) ڈیرہ کیا اور جو کہ شہر اور قلعہ لاہور میں داخلہ کی ساعت دنوں جب غرۂ ماہ کسی وقت دو پہر سے پہلے ہیں تھی اسلئے تاریخ مقررہ تک اس باغ میں بطور مقام رہا- واضح ہو کہ جمنا کی وہ نہر جو اسکے بائیں کنارے سے دہلی کو گئی ہے اور جسکو نہر ممن شرقی کہتے ہیں شاہجہاں سے پہلے ہے بنایت عمدہ حالت میں جاری تھیں اور سمجھا گیا ہے فرقت ملتفت بیہ کہتے تھے فی ما ملتفت پر کوئی ستی ہیں ہے - البتہ کچھ مقدمہ جسکو لوگ بادشاہی محل کہتے ہیں اسمیں فیض آباد موضع کھارا کر جسکے باہم تھیا جابیل کا نام ہے اور جہاں سے کر رامیں اس نہر کا سد واقع ہو اُن علاقوں کا پتہ بتاتے ہیں- فیض آباد ضلع سہارنپور کے متعلق اور خضرآباد کے مقابل جمنا پر ایک مختصر سا قصبہ ہے - ۲ - مس-م-ج

بنا ئے ہوئے ہوتے ہیں۔

بادشاہی ڈیوڑھی جہاں مربع قلعہ کے ایک ضلع کے عین وسط میں رکھی جاتی ہے بہت عالیشان و پرتکلف ہوتی ہے اور اسکی قناتوں کے اندر نقش و نگار نسبت اُن قناتوں کے جن سے اِس قلعہ کی باقی طرفیں گھیری جاتی ہیں زیادہ خوشنما اور عجیب اور قیمتی ہوتی ہیں۔

خیمہ موسوم عام و خاص اور بادشاہ کے دونوں وقت دربار کرنے کا ذکر۔

وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیرہ جو خیمہ گاہ شاہی میں لگایا جاتا ہے اُسکو عام و خاص کہتے ہیں۔ جہاں بادشاہ اور اُمرا نو بجے صبح کے جمع ہو کر اُمور سلطنت پر غور اور انصاف و عدالت کیا کرتے ہیں! ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفر میں روزمرہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جنمیں کبھی ناغہ نہیں ہوتا اور یہہ دستور ایک فرض واجب اور منجملہ آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جسکی بجاآوری میں بہت ہی کم فروگذاشت ہوتی ہے۔

خیمہ موسوم غسلخانہ کا ذکر

دوسرا ڈیرہ جو ذرا چھوٹا اور اندر کیطرف کو کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے اُسکو غسل خانہ کہا جاتا ہے یہاں سب اُمرا شام کے وقت مجرے کے لئے اُسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں جیسے کہ خاص دلی میں۔

شام کے دربار کے لئے مشعلوں کے ساتھ امرا کے آنے جانے کا ذکر اور مشعل بنانے کی ترکیب

اِس شام کے دربار سے اُمرا کو بہت بے آرامی اور تکلیف ہوتی ہے لیکن جب وہ خیمہ گاہ شاہی کے طول طویل بندروں میں سے مشعلیں ساتھ لئے ہوئے غسل خانہ کیطرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیروں کو واپس آتے ہیں

فونڈ سے اندھیری رات میں یہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہ مشعلیں ہمارے وطن فرانس کی طرح موم سے نہیں بنتیں لیکن بہت دیر تک جلتی ہیں اور صرف اس طرح سے تیار کی جاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اسکے اندر گودڑ کا ایک موٹا فتیلہ لگایا ہوا ہوتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جسپر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تیل کی کپی سے جو مشعلچی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور جسکا گلا تنگ اور لمبا لوہے یا پیتل کا بنا ہوا ہوتا ہے تیل ڈالتے اور بوقت ضرورت اُس گودڑ کو بدلتے رہتے ہیں۔

خیمہ صورت خلوت خانہ کا ذکر

اِن دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کو ہٹکر ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جسکو خلوتخانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے اُمرا اور وزرا کے کوئی شخص دخل نہیں پاتا اور سلطنت کے اُمور اہم اور خاص کے سرانجام کے لیئے یہی جگہہ ہے۔

بادشاہ کے خاص الخاص خیموں کا ذکر۔

خلوت خانہ سے اور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے ہوتے ہیں جنکے گرداگرد ذرا چھوٹی قناتیں جو قدِ آدم سے زیادہ نہیں ہوتیں لگی رہتی ہیں ان قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب مچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جسپر صدہا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی شجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالر انپر ٹکی ہوئی ہوتی ہے۔

بیگمات اور محل سرای متعلقہ مستورات کے خیموں کا ذکر

اِن شاہی خیموں کے متصل بیگمات اور اور معزز خاتونوں اور محل کی بڑی بڑی نوکروں چاکروں کے

ڈیرے لگتے ہیں۔ یہہ ڈیرے بھی تکلف قناتوں سے گھرے ہوے ہوتے ہیں اور ان کے بیچ میں ادنیٰ درجہ کی عورتوں یعنی سہیلیوں اور خانہ زادوں اصیلوں اور ملازم عورتوں اور متعلقات محلسرا کے ڈیرے ہوتے ہیں اور یہہ ڈیرے ان عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قرینہ کے ساتھ لگائی جاتے ہیں عام خاص اور پانچ چھ اور خیمے سب ڈیروں سے بُلند ہوتے ہیں جس سے دو مطلب ہیں۔ ایک یہہ کہ گرمی سے حفاظت ہو۔ دوسرے یہہ کہ دُور سے پہچانیں جاسکیں ! ان کے باہر کی جانب کا کپڑا خصوصاً اور سخت سُرخ رنگ کا ہوتا ہے جسپر سجاوٹ کے لئے بڑی بڑی رنگا رنگ کی پٹیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں (جس سے مصنف کی مُراد غالباً پٹاپٹی کا کام ہے) لیکن اندر کی جانب خوبصورت مچھلی پٹن کی چھینٹ ہوتی ہے جو مخصوص اسی کام کیواسطے بنائی جاتی ہے جسپر عمدہ اور بڑھیا رنگ کے ریشمی مشجر لگے ہوے اور اُسپر ریشم یا سُرخ وسفید زری کا کارچوبی یا چکن کا کام مع نہایت نفیس اور باریک جھالر کے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اسمیں تین چار انچ موٹے روئی کے گدیلوں کا فرش ہوتا ہے اور اُن پر تکلف قالین اور زربفت کی مربع مسندیں آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھنے کے لیے بچھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان خیموں کی چوبیں مُلمع یا عمدہ روغن کاری کی ہوتی ہیں۔

اور ان دونوں ڈیروں میں جنمیں بادشاہ مع اُمرا و ارکانِ دولت رونق بخش ہوکر نظم و نسق اُمور مملکت کیا کرتا ہے بادشاہ کے لئے ایک نہایت ہی تکلف اور آراستہ مرتفع جگہہ ہوتی ہے جسپر ایک مخملی یا ریشمی مشجر کے وسیع

[۲] جیسے صورت عام خاص کی [illegible] اور قنات وغیرہ کا سامان۔

شامیانہ کے تلے بیٹھکر بادشاہ لوگوں کا سلام مجرا لیتا اور عرض حال سُنتا ہی

خرگاہ کا بیان

اور ڈیروں میں بھی ایسے ہی شامیانے ہوتے ہیں مگر اُن میں خرگاہیں ہوتی ہیں جو مثل ایک چھوٹی سی کوٹھری کے ہیں اور اُن کے چھوٹے چھوٹے دروازوں میں چاندی کے قفل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ سمجھنے کے لئے یہہ تصور کر لینا چاہیئے کہ گویا ہمارے ملک فرانس کا لپیٹ جانے والا ایک مربع چھپر کھٹ ہے۔ جو بمقدار دو چھپر کھٹوں کے بلندی میں ہے مگر چھت اُسکی چورس نہیں ہے بلکہ گنبد کیطرح کی ہے۔ لیکن خرگاہ اور چھپر کھٹ میں بڑا فرق یہہ ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہہ بہت سے پتلے اور سُبک باہر کی جانب مُلمع یا روغن کئے ہوسے تختے لگے ہوسے ہوتے ہیں اور زیبائش کیواسطے گردا گرد ریشم اور زردی کی جھالر لگی ہوئی اور اندر کیطرف قرمزی رنگ کا بیشقیمت مشجر یا زربفت منڈھا ہوا ہوتا ہے۔

اِن حالات کے لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اِس مربع قطعہ کے اندر جو جو اُمور قابل بیان بلحاظ تھے مینے اُنمیں سے کوئی نہیں چھوڑا۔

✦ اس جگہ لفظ چھپر کھٹ ہندوستانی مذاق کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے مگر اصل کتاب میں لفظ (سکرین) ہے جسکے معنی چھپر کھٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ یا پردہ کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں اکثر ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوے کڑی کے ایسے چوکٹھے دیکھنے میں آتے ہیں جو تہہ کئے جا سکتے ہیں اور جنکو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہہ پر کھڑا کر کے دیوار یا پردہ کا کام لیا جاتا ہے تو اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً مصنف نے کسی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو تشبیہ دی ہے۔ م۔ ح

ع　سکرین　Screen

شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف بنے ہوائی کوتل گھوڑوں کے کھڑے رہنے اور ہر رکاب توپخانہ کی توپوں کا ذکر۔

اب اس مربع قلعہ کے باہر کی جانب کے منظر کا ذکر کرتے ہوئے پہلے میں ان دو خوبصورت ڈیروں کا ذکر کرتا ہوں جو شاہی ڈیوڑھی کے دونوں جانب ہوتے ہیں یہاں پر چند عمدہ کوتل گھوڑے کسے کسائے اور نہایت بتکلف ساز و سامان سے سجے سجائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کے وقت فوراً کام آسکیں لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت اور تکلف دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف ہر رکاب توپخانہ کی پچاس ساٹھ توپیں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں ایک قاعدہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں داخل ہوتا ہے اطلاع اہل لشکر کے لئے انہیں سے سلامی دی جاتی ہے۔

خیمہ صورت نقارخانہ کا ذکر

بادشاہی ڈیوڑھی کے سامنے بقدر مناسب ممکن ایک وسیع صحن جس میں کوئی خیمہ وغیرہ بالکل نہیں لگایا جاتا ہمیشہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس صحن کی انتہا پر ایک بڑا خیمہ کھڑا رہتا ہے جسکو نقارخانہ کہتے ہیں کیونکہ وہیں جگہ نقارے اور قرنائیں رہتی ہیں۔

[illegible] چوکی خانہ کا ذکر

اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جسکو چوکی خانہ کہتے ہیں۔ یہاں امرا نوبت بنوبت ہفتہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے پہرہ دیتے ہیں مگر اکثر امرا ایسا کرتے ہیں کہ [illegible] ایک خیمہ بھی چوکی خانہ کے متصل لگوا کر آسائش [illegible] [illegible]

مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر

اس طرح سے مربع قطعہ کی باقیماندہ تینوں جانب کچھ تھوڑا سا فاصلہ چھوڑ کر بعض عہدہ داروں اور ایسے کارخانوں کے خیمے لگائے جاتے ہیں جنسے خاص خاص قسم کے شاہی امور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص دقت مثل تنگی مقام وغیرہ مانع نہ ہو تو یہ خیمے ہمیشہ ایک ہی ترتیب اور قرینہ سے لگا کرتے ہیں۔ ان ڈیروں کے جدا جدا نام اور لقب ہیں لیکن ان ناموں کا تلفظ مشکل ہے اور چونکہ میرا مدعا نہیں ہے کہ میں آپکو ہندوستانی زبان کی تعلیم دوں پس یہہ کافی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب بیان کردوں۔ یعنی ان میں سے ایک ڈیرے میں تو بادشاہی ہتھیار رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زین اور جڑاؤ سازو وغیرہ اور تیسرے میں کمخواب اور زربفت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ کیطرف سے اکثر خلعت میں دیجاتی ہیں۔ اور چار علحدہ علحدہ خیمے واسطے گنگا جل اور شورے کے جس سے پانی ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے میووں اور حلووں اور مٹھائیوں اور پان وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ پان ایک قسم کا پتا ہے جو کچھ خاص مصالحے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایات والطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جسکے چبانے سے مونہہ سے خوشبو آتی ہے اور لب سرخ ہو جاتے ہیں۔ پندرہ سولہ ڈیرے اور ہوتے ہیں جو باورچی خانہ اور اُسکے متعلقہ اشیا کے کام آتے ہیں اور ان سب کے وسط میں بہت سے عہدہ داروں اور خواجہ سراؤں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خاصے گھوڑوں کے واسطے چھ ڈیرے اور ہیں جو نہایت لمبے لمبے ہوتے ہیں۔ انکے علاوہ اور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی

سواریکے ہاتھیوں اور شکاری چیتوں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں یعنی شان و شوکت بھی اور سواری کیوقت شکار بھی اور شکاری کتوں اور چیتوں کے لئے جو ہرن اور نیل گاے کو پکڑتے ہیں۔ اور شیروں اور گینڈوں کے لئے جو شوکت دیکھانے کے لئے ہمراہ رہے جاتے ہیں اور بنگالی بھینسوں* کے لئے جو شیر پر حملہ کرتے ہیں اور پلے ہوے ہرنوں کے لئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑاے جاتے ہیں۔

خیام شاہی کے مفہوم میں وہ خیمے بھی داخل ہیں جو مربع قلعہ کا دفاع وغیرہ سے متعلق ہیں

لفظ خیمہ گاہ شاہی کے سمجھنے کے لئے یہی خیال نہ کر لینا چاہیئے کہ جو خیمے اُس مربع قلعہ کے اندر ہیں صرف انہیں سے یہہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے خیمہ جات جنکا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں وہ بھی خیمہ گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس تمام شاہی خیمہ گاہ کے لئے یہہ امر ضروریات سے ہے کہ حتی الامکان اُسکا موقع ہمیشہ سپاہ کے وسط میں ہو۔

خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب دلکش منظر کا بیان

اب آپ بآسانی سمجھ لینگے کہ یہہ شاہی بارگاہ کس شان و شوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہہ عظیم الشان سرخ خیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قرب و جوار کی کسی بلندی سے دیکھائی دیتا ہے تو دلپر اُسکی شان و عظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ لشکرگاہ کا میدان بقدر کافی کشادہ اور اس قسم کا ہوکہ بلا روک ٹوک سپاہ کے سب دستے اپنی اپنی معمولی ترتیب اور قرینہ سے

* ان بھینسوں سے جنگلی بھینسے جنکو ارنا بھینسہ کہتے ہیں مراد ہیں ۱۲ س-م-ح

اُنہیں اُتر سکیں۔

لشکر کے مناروں اور اُنکی شناخت کے ذریعوں کا ذکر

جیساکہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے سب سے اول میر سامان کو یہہ فکر کرنی پڑتی ہے کہ پیش خانہ شاہی کیواسطے ایک معقول موقع انتخاب کرے۔ اور سب خیموں سے خیمہ عام و خاص بلند موقع پر لگایا جاوے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اُترنیکا انتظام اور ترتیب اسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہے۔ پھر وہ شاہی بازاروں کی جہاں سے تمام فوج کو رسد ملتی ہے داغ بیلیں لگواتا ہے۔ بڑا بازار ایک بڑی وسیع سڑک کی شکل پر کبھی عام و خاص کے دائیں اور کبھی بائیں سطور سے لگایا جاتا ہے کہ کُل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہے ہمیشہ اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ جس طرف سے کہ اگلی منزل کے راستہ پر پڑے۔ دوسرے بادشاہی بازار جو عرض و طول میں ایسے نہیں ہوتے اور جنکے رستے اسی بڑے بازار میں سے ہوتے ہیں بلدگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بازار میں امتیاز اور شناخت کیواسطے ایک ایک نہایت بلند جھنڈا جسمیں سرخ پھریرا اور سرے پر شورا گاے کی دُم لگی ہوتی ہے تین تین سو قدم کے فاصلہ پر نصب ہوتا ہے۔

اُمرا کے خیمہ گاہوں اور اُن کے ترتیب وغیرہ کا ذکر۔

اِسکے بعد میر سامان اُمرا کی خیمہ گاہوں کے لئے جگہہ تقسیم کرتا ہے تاکہ ہمیشہ ایک ہی قرینہ اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے اپنے اپنے

معمولی فاصلہ پر ہو خواہ دائیں ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی معمولی جگہ کو جو اُسکے لئے مقرر ہے یا اُس جگہ کو جو قبل از شروع سفر کسی شخص کی درخواست پر اُسکے واسطے مخصوص ہو چکی ہو بدل نہ سکے۔

جو تعریف کہ میں نے اُس بڑے مربع قطعہ کی کی ہے اکثر صورتوں میں وہی تعریف اُمرا اور راجگان کی خیمہ گاہ پر بھی صادق آتی ہے۔ یہ لوگ بھی عموماً اُسی طرح دو دو پیش خانے رکھتے ہیں اور اُنکی خیمہ گاہیں بھی اُسی طور پر قناتوں سے جو اُنکے اور اُن کے زنانوں کے بڑے خیموں کے گرداگرد لگائی جاتی ہیں گھر کر مربع شکل کی ہو جاتی ہیں اور اُن کی اِن مربع صورت کی خیمہ گاہوں کے باہر بدستور اُن کے سرداروں اور سواروں کے ڈیرے کھڑے ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک بازار بھی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے جسمیں اُن کی فوج کے دوکاندار اور بھیر کے لوگ چھوٹی چھوٹی پالیں وغیرہ لگا کر گھاس دانہ چاول گھی وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اسطرح پر اُمرا کے لشکروں میں بادشاہی بازاروں سے جنمیں کُل سامان اور اجناس اکثر مثل پایہ تخت کے میسر آسکتی ہیں کسی شے کی خریداری کی چنداں احتیاج نہیں پڑتی ہر ایک بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک جھنڈا مع علیحدہ علیحدہ رنگ کے پھریروں کے جو بلندی میں بادشاہی بازاروں کے جھنڈوں کے برابر ہوتے ہیں استادہ رہتا ہے تاکہ ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ دور ہی سے جدا جدا معلوم ہو جاوے

اگرچہ بڑے اُمرا اور بڑے بڑے راجے اونچے اونچے ڈیرے رکھنا اپنا فخر جانتے ہیں مگر یہ

اُمرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیموں کے رکھنے اور خیمہ شاہی کیطرف پشت کر کے اپنے خیمے لگوانے کی ممانعت کا ذکر۔

ضرور ہے کہ وہ اس قدر اونچے نہ ہوں کہ بادشاہ کی نظر اُنپر پہونچ جاوے اور وہ ان کے گرا دینے کا حکم دیدے جیسا کہ اسنے ہمارے اسی سفر میں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی ضرور ہے کہ ان کے خیموں کی بیرونی جانب بھی تمام سرخ نہ ہو کیونکہ یہ رنگ صرف بادشاہی ڈیروں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تعظیم اور ادب کے خیال سے یہ بھی واجب ہے کہ امرا کے خیموں کے منہ عموماً عام خاص اور قیام شاہی کی طرف کو رہیں۔ (یعنی پشت وغیرہ اس طرف نہ ہونے پاوے)

چھوٹے درجے کے امرا اور اہل لشکر کے خیموں وغیرہ کے قرینہ کا ذکر۔

باقی زمین جو مابین خیام شاہی اور امرا کی خیمے گاہوں اور بازار کے ہوتی ہے اسمیں چھوٹے درجے کے امیروں اور منصب داروں اور اہل توپخانہ اور ہر قسم کے تاجروں اور دکان داروں اور ملکی عہدہ داروں اور اور اشخاص کے خیمے نصب ہوتے ہیں جو اپنی غرض اور مطالب مختلفہ کی وجہ سے لشکر کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں بیحد و شمار خیمے ہوتے ہیں اور زمین کا ایک بہت ہی بڑا قطع اُنکے کھڑے ہونے کے لئے درکار ہوتا ہے۔

[illegible] کا بیان۔

گو کل اشخاص موجودہ لشکر کی تعداد اور وسعت زمین خیمہ گاہ کی نسبت بعض [illegible] سیاحوں نے بہت مبالغے کئے ہیں مگر اصل یہ ہے [illegible] لشکر کا قیام [illegible]

معینہ کے موافق کُل خیمہ جات بخوبی فراغت سے نصب ہو سکیں تب بھی میرے قیاس میں لشکر کا کُل دَور چھ سات میل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ لشکرگاہ کے اندر زمین کے بعض قطعات اکثر یونہی خالی اور بے مصرف پڑے رہتے ہیں۔ البتہ مجھے اس جگہہ یہہ بات بھی ظاہر کردینی واجب ہے کہ بھاری توپخانہ جسکو ہمیشہ بہت جگہہ درکار ہوتی ہے عموماً کُل لشکر سے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے۔

بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور و غل کا ذکر

علی ہذا القیاس جو عجیب انتشار اور شور و غل اس لشکر میں ہوا کرتا ہے اور جو کسی نووارد شخص کو حیرانی میں ڈالتا ہے اُسکے بیان میں بھی بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر تھوڑی سی بھی واقفیت اس امر کی ہو کہ اس لشکر میں خیمے کس تفریق و ترتیب سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی سی دقت کے ساتھ ہر جگہہ جہاں ضرورت ہو پہنچ سکیں گے۔

لشکر کے مختلف الوضع جھنڈوں اور نشانوں کے رہنما ہونے کا ذکر۔

خیام شاہی اور ہر ایک امیر کے مختلف الوضع خیمے اور نشان اور وہ سوزہ گاے کی دُم والے جھنڈے جو بادشاہی بازاروں میں لگتے ہیں۔ اور جو سب بہت دُور سے نظر آتے ہیں۔ چند روز کے تجربہ کے بعد ایسے راہبر ہو جاتے ہیں کہ بھٹکنے نہیں دیتے۔

منزل پر پہنچنے کے وقت فرودگاہ کے پہچاننے میں جو کبھی کبھی دقت پیش آتی ہے اُسکا ذکر

مگر واقعی باوجود اِن سب احتیاطوں اور علامات کے بھی کبھی کبھی ڈیرے کے پہچاننے اور

ملنے میں ایک نہایت خلط ملط اور دقت ہوتی ہے خصوصاً فجر کو جب فوج
اپنی فرودگاہ پر آتی ہے اور ہر متنفس بڑی سرگرمی سے اپنی خیمہ گاہ کی
تلاش اور ڈیرہ کرنے کے بندوبست میں مشغول ہوتا ہے اور گرد و غبار کے
مارے یہ سب نشان اور علامتیں بالکل چھپ جاتی ہیں اور بارگاہ شاہی
اور مختلف بازاروں اور اُمرا کے خیموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے
۔ علاوہ بریں وہ خیمے جو نصب کئے جانے کے لئے پھیلائے ہوئے
یا نیم استادہ ہوتے ہیں اکثر رستہ ملنے میں حارج ہوتے ہیں اور نیز وہ
طول طویل رسیاں جو کم درجہ اُمرا اور منصب دار جنکے پاس پیش خیمے نہیں
ہوتے اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور بغرض انسداد آمد و رفت عوام اور
اس مراد سے (بصورتیکہ اُن کے قبائل ساتھ ہوں) کہ اُن کے قریب
کوئی غیر شخص ڈیرہ نہ کر سکے بندھوا دیتے ہیں بڑی سدّ راہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ
اُنکے نوکر چاکروں کی ایک فوج ہاتھوں میں ڈنڈے لئے نگہبانی
کے لئے کھڑی رہتی ہے جو ان رسیوں کو نہ تو سرکانے ہی دیتے ہیں
اور نہ نیچا کرنے دیتے ہیں اور لامحالہ اُلٹے پاؤں پھرنا پڑتا ہے اور اس
عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بےفائدہ سعی ہوتی رہے دوسری
طرف کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اب اُونٹ لدے کھڑے ہیں اور اُن کے نکال لیجانے کی
بجز اسکے کوئی سبیل نہیں ہے کہ اُن نوکر چاکروں کو دھمکائیے بھی اور منت
سماجت بھی کیجئے اور سمجھائیے بوجھائیے ساتھ کبھی ایسا غصہ دکھلائیے کر

گویا تم اُن کو ابھی پیٹ ڈالوگے مگر کسیکو ہاتھ تک لگانا نہیں چاہیئے۔ اور دونوں طرف کے نوکروں چاکروں کے باہم اوّل ایک سخت قال و مقال پیدا کرکے پھر اُن کو یہہ ڈرا دینا چاہیئے کہ اِس حرکت کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اور اِس طرح پر اُن کے باہم صلح کراکر وقت کو غنیمت جانیئے اور اپنے اونٹ نکال لیجایئے۔

شام کیوقت دھوئیں کی کثرت سے یہہ مراد ہوجانے میں جو دقت پیش آتی ہے اُس کا ذکر۔

شام کیوقت جب کسی کام کے لئے کچھ دور جانا پڑتا ہے تو حقیقت میں کمال دقت ہوتی ہے کیونکہ اسوقت عوام الناس اپنا اپنا کھانا پکاتے ہیں اور اکثر اُپلے اور اُونٹوں کی مینگنیاں اور گیلی لکڑیاں جلاتے ہیں اور اِن کے بیحد و شمار چولھوں کا دھواں خصوصاً جبکہ ہوا کم ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل تیرہ و تار ہوجاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی تین چار بار اس دھوئیں کے سمندر میں پھنس گیا تھا اور ہر چند راستہ دریافت کرتا تھا مگر نہیں ملتا تھا اور اگرچہ اِدھر اُدھر بہت سا چکر آتا پھرا مگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ دھوئیں کے موقوف ہونے اور چاند کے نکلنے تک ایک جگہہ توقف کرنا پڑا اور پھر ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اکاس دیئے تک پہنچا اور مع اکاس دیا اور اُسکے فوائد کا ذکر۔ اپنے گھوڑے اور سائیس کے اُسی کے نیچے رات بسر کی۔ یہہ اکاس دیا جہاز کے ایک بڑے مستول کی مانند مگر نہایت نازک اور پتلا ہوتا ہے جسکے اُتارتے وقت الگ الگ تین ٹکڑے ہوجاتے ہیں یہہ بارگاہ شاہی کی طرف نقارخانہ کے قریب لگایا جاتا ہے۔ اور

رات کیوقت اسکی چوٹی پر ایک قندیل لٹکتی رہتی ہے - یہہ نہایت ہی مفید چیز ہے - کیونکہ اس دھواں دھار تاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہہ دیکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چوروں سے امن میں رات کاٹ لیتے ہیں یا وہاں پہچکر پھر اپنے ڈیرے کا ڈھونڈ ڈھانڈکر پتا لگا لیتے ہیں -

لفظ اکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہوسکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہہ قندیل دور سے ستارہ سا چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے

دوخاصی لشکر میں چوری کے انسداد کا جو بندوبست ہے اُس کا ذکر -

انسداد دزدی کیواسطے ہر ایک امیر اپنے اپنے خیمہ پر چوکیدار رکھتا ہے جو رات کو برابر ڈیرے کے آس پاس گشت کرتے "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اسکے علاوہ تمام فوج کے گرد اگرد پانسو پانسو قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ جلاتے رکھتے اور "خبردار خبردار" پکارتے رہتے ہیں - اس احتیاط کے علاوہ کوتوال ہر ایک طرف اپنے برقنداز بھیجتا ہے جو خاص کر بازاروں کی زیادہ تر خبرگیری کرتے اور شور و غل کے علاوہ نرسنگا بھی بجاتے رہتے ہیں - مگر باوجود ان سب احتیاطوں اور خبرداریوں کے چوری اکثر ہوتی رہتی ہے اسلئے مقتضائے احتیاط یہہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیئے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیداری پر زیادہ بھروسہ نرکھنا چاہیئے اور رات کو اوّل وقت کچھ آرام کر لینا چاہیئے تاکہ باقی ماندہ رات کو حفاظت کیواسطے گنجایش ہو

بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان

اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے جو اُسنے اس موقع پر اختیار کئے تھے بیان کرتا ہوں

تخت رواں کا ذکر

اکثر اوقات بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتا ہے۔ جسکو کہار اُٹھاتے ہیں۔ یہ تخت ایک قسم کا مکلّف چوبیں بنگلہ ہوتا ہے جسکے روغن کاری اور مُلمع کے ستون اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش وغیرہ کے وقت بند کیجاتی ہیں اس تخت کے چاروں ڈنڈے جو کہاروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سُرخ بانات یا کمخواب سے منڈھے ہوئے اور زری اور ریشم کی نہایت کامدار جھالر سے آراستہ اور سجے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک ڈنڈے کو دو مضبوط اور خوش پوشاک کہار لگے رہتے ہیں جنکی بدلی کے واسطے نوبت بہ نوبت اور آٹھ کہار موجود رہتے ہیں۔

کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب موسم موافق اور قابل شکار کے ہو اور کبھی ہاتھی پر میگھ ڈنبر یا ہودے میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے جو نہایت ہی شان دار اور باشوکت سواری ہے۔ کیونکہ اُسکی جھول ایسی عمدہ اور ساز و سامان اس قدر قیمتی اور مرصع اور زرق برق کا ہوتا ہے کہ اُسکی زیبایش پر کوئی چیز فوق نہیں لیجا سکتی۔

ہاتھی کے میگھ ڈنبر اور ہودے کا بیان

میگھ ڈنبر روغنکاری اور مُلمع کا ایک چھوٹا سا چوبی بنگلہ مربع شکل کا سمجھنا چاہیئے۔ اور ہودا بیضوی شکل کی ایک نشست ہے جسکے سنہری اور نہایت منقش ستونوں پر ایک نہایت مکلّف شامیانہ ہوتا ہے۔

کوچ کے وقت امرا اور راجے بادشاہ کے ساتھ جس طرح سے چلتے ہیں اس کا بیان

ہر ایک کوچ میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے اُمرا اور راجے ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اُسکے پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اس طرح ملے جُلے چلتے ہیں جنمیں چنداں لحاظ کسی قاعدہ کا نہیں ہوتا۔ کوچ کے روز علی الصباح سب اُمرا باستثنار اُن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا اُن کا عُہدہ ہی مقتضی اس استثنار کا ہو خیمہ عام و خاص میں جمع ہوتے ہیں اور اس کوچ سے اُمرا کو بہت کوفت اور ماندگی ہوتی ہے خصوصاً شکار کے دن کیونکہ اُنکو اس حالت میں اکثر اوقات سہ پہر یعنی تین بجے تک برابر دُھوپ اور گرد میں عام سپاہیوں کی مانند حیران ہونا پڑتا ہے۔

امرا بادشاہ سے علیحدہ جس طرح سے منزل طے کرتے ہیں اُسکا بیان۔

مگر یہہ آسایش پسند اُمرا جب بادشاہ کے ہمرکاب نہیں ہوتے تو اور ہی طرح سفر کرتے ہیں اور نہ تو اُن کو دُھوپ ہی ستاتی ہے اور نہ گرد ہی بلکہ حسب پسند طبع بند یا کُھلی پالکی میں ایسے جاتے ہیں جیسے پلنگ پر لیٹے ہوئے اور بلا دقت آرام سے سوتے ہوئے اپنے خیمہ میں جا پہنچتے ہیں جہاں اُن کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیار ملتی ہے۔ کیونکہ یہہ سب سامان رات کو کھانا کھانے کے بعد فوراً آگے کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔

سواری کے وقت جو گرز بردار امرا اور بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں اُن کا ذکر ــــــ

سواری کی حالت میں ان اُمرا کے گرد و پیش بہت سے سوار جنکو گرز بردار کہتے ہیں اور

جن کے پاس چاندی کا گرز ہوتا ہے سب طرح سے ساز و سامان سے درست موجود رہتے ہیں۔

بہت سے گرز بردار بادشاہ کے بھی ہمرکاب ہوتے ہیں جو آگے آگے دائیں اور بائیں پیدلوں کے ایک بڑے جمگھٹ کے ساتھ چلتے ہیں گرز بردار چیدہ اور وجیہ جوان ہوتے ہیں اور احکام اور فرامین شاہی وغیرہ اُن کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے عصا ہوتے ہیں اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف رہے۔

راجاؤں کی سواریوں کے بعد توز[*] چلتا ہے نیز بہت سی شہنائیں اور نقارے بھی ساتھ ہو کر چلتے ہیں۔ اس توز میں جیساکہ میں نے پہلے بیان کیا ہے چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الوضع چیزیں بھی جو ایک چاندی کی لمبی چوب پر

راجاؤں کی سواریوں کے بعد توز چلتا ہے بہ ترتیب چلتا نیز نقاریاں

---

* توز (ق و ز) یعنی ہتھیار ترکی لفظ ہے اور اس سے بادشاہی سلح خانہ مراد ہے۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے یہ آئین باندھا تھا کہ مختلف قسم کے سلاحات مثلاً تلوار، تیر، خنجر، کمان، تبر، گرز وغیرہ جیسے کہ اسوقت مروج تھے روز مرہ ایک مقررہ تعداد کے موافق منصبداروں اور احدیوں کی ایک جماعت کو اس مطلب کو سپرد رہتے تھے کہ بادشاہ سفر اور حضر میں جسوقت چاہتے اُن میں سے کوئی ہتھیار لیکر خواہ خود استعمال کرے خواہ بہم وقت کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو عنایت کر دے اور سفر کے وقت جب یہ سلح خانہ چلتا تھا تو شان و شوکت دکھانے کے لئے سامان جلوس شاہی یعنی نشانوں اور ماہی مراتب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھ مل جل کر چلتا تھا گو در اصل یہ کارخانے توز سے علیحدہ تھے۔

س - م - ح

منصب کی ہوئی ہوتی ہیں شامل ہو کر چلتی ہیں۔ جنمیں سے بعض تو عجیب عجیب جانوروں کی صورت کی ہیں بعض ہاتھ کے پنجہ اور ترازو اور مچھلی وغیرہ اور بعض اور بعید الفہم اشیا کی شباہت کی۔

قورق کے رو منصب داروں کا جو غول آتا ہے اس کا بیان۔

اس کے پیچھے ایک بڑا غول منصب داروں یعنی کم درجہ کے اُمرا کا آتا ہے جو ہتھیار سجائے عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں یہ لوگ اُن اُمرا سے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان منصب داروں کے علاوہ جنکو اپنے پہرہ کی وجہ سے علی الصباح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمرکابی کے لئے جمع ہونا ضرور ہے اور بھی بہت سے منصب دار اس غرض سے شریک جلوس سواری ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ کی زیر نظر رہکر کچھ ترقی حاصل کریں۔

بیگمات کی سواری کی چیزوں اور انکی زیب و زینت کا بیان۔

شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی سواریوں میں چلتی ہیں جنمیں سے کسی کو تو چوڈول پسند ہے جسکو کہار اُٹھاتے ہیں اور تخت رواں سا ہوتا ہے اور جسپر ملمع اور روغنکاری کا کام بنا ہوا ہوتا ہے اور رنگارنگ کے ریشمین خوشنما گھٹاٹوپ پڑے ہوئے اور زری کی جھالریں اور خوبصورت پھندنے وغیرہ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض عمدہ عمدہ پالکیوں میں جو چوڈولوں کی طرح خوب سجائی ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاہزادیاں بڑی بڑی تختوں میں جو دو مضبوط اونٹوں یا دو چھوٹے ہاتھیوں کے بیچ میں معلق ہوتے

ہیں چلتی ہیں۔ چنانچہ مینے کبھی کبھی روشن آرا بیگم کو محمل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہہ بھی دیکھا ہے کہ محمل کے آگے کی جانب جو کھلی ہوئی تھی ایک نوجوان خوش لباس لونڈی بیٹھی ہوئی گرد اور مکھیوں کے دور کرنے کے لیئے بیگم صاحبہ کو مورچھل کر رہی تھی۔ بیگمیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جنکے بڑے بڑے چاندی کے گھنٹے پڑے ہوئے اور بڑی قیمتی ساز و سامان سے سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جنکی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور وہ ... آرائشی چیزیں جو جھول وغیرہ میں لٹکائی جاتی ہیں نہایت عمدہ زردوزی کام کی ہوتی ہیں۔ یہہ حسین اور ممتاز بیگمیں اپنی میگھڈنبروں میں بیٹھی ہوئی یوں دیکھائی دیتی ہیں گویا ہوا میں پریاں اُڑی جاتی ہیں اور ہر ایک میگھڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگھڈنبر کے ہر ایک خانہ پر ریشمین جالی کا غلاف پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور چوڈول اور تخت رواں کی شان و شوکت اور زرق برق میں کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور بیگمات کی سواریوں کا تجمل اسقدر عجیب ہے کہ اس سفر میں یہہ تماشا میرے لئے بدرجہ غایت کشش دلی کا باعث رہا ہے اور اُسکی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے

روشن آرا بیگم کی سواری کے جلوس کا ذکر۔

چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول دیجئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری سے

زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئیگا۔ یہہ بیگم پیگو کے ایک بہت بڑے عمدہ اور بڑے قد آور ہاتھی پر ایسے میگڈنبر میں سوار ہوتی ہے جسکی سنہری اور لاجوردی رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے اُسکے ہاتھی کے پیچھے پانچ چھ اور ہاتھی چلتے ہیں جنپر اُسکے محل کی معزز عورتیں ہوتی ہیں۔ اور اُن کے میگڈنبر بھی شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم کے میگڈنبر جیسے بلکہ قریبا ویسے ہی ہوتے ہیں۔ شہزادی کے قریب بڑے بڑے اور خاص خاص خواجہ سرا بھاری بھاری پوشاکیں پہنے ہوے نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں چھڑیاں لئے ہوے چلتے ہیں اور اُسکے ہاتھی کے اردگرد ایک رسالہ کشمیری اور تاتاری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے بناؤ سنگار کئے ہوے خوبصورت اور بادپا گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں ان کے علاوہ اور بہت سے خواجہ سرا گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ ایک بڑی بھیڑ پیدل ملازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی بڑی چھڑیاں لئے ہوے شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دور آگے اِس مُراد سے چلتے ہیں کہ راستہ کو صاف اور کھلا رکھیں اور ہر ایک شخص کو جو سامنے آجاے ہٹاتے جائیں۔

بڑی بیگم اور اور بیگموں کی سواریوں کا ذکر۔

روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی بڑی بیگم کی سواری نمودار ہوتی ہے اور قریبًا یہی سب تکلفات اُنمیں بھی ہوتے ہیں۔ غرضکہ اِسی طرح پندرہ سولہ بڑی بڑی بیگمیں شان و شوکت اور دھوم دھام کے ساتھ جو اُن کے مرتبہ اور

مشاہرہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گذرتی ہیں۔

بیگمات کی سواریوں کی شان و شوکت اور دلچسپی کا ذکر

اُن ستائیس شتر ہاتھیوں کا وہ تول تول کر قدم رکھنا اور میگڈنبروں کی وہ چمک دمک اور نہایت خوش لباس اور بے شمار ہمراہیوں اور خدم و حشم کا انبوہ کثیر واقع میں دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان و شوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہو اور اگر میں ان سب دلفریب سامانوں کو فلسفیانہ بے اعتنائی کی نظر سے نہ دیکھتا تو بیشک میں بھی انہیں ہندستانی کیشروں کی مانند جو استعارے کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر میگڈنبروں میں بیٹھی ہوئی خلایق کی نظروں سے پوشیدہ جارہی ہیں اپنے خیالات کی بلند پروازی کا مغلوب ہوجاتا۔

دقت استطاعت بیگموں کی سواری کے نزدیک جانے کے باب میں ہے انکا اور ایک ایسے گہرے ہوئے معاملہ کا ذکر

اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ کوئی متنفس اِن بیگمات کے نزدیک جاسکے اور گویا محال ہے کہ وہ انسان کو نظر آسکیں پس وای برحال اُس سوار کے جو کسی اتفاق سے بیگمات کی سواری کے نزدیک جانکلے کیونکہ یہ شخص خواہ کیسا ہی ذی رتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ لوگ ایسے موقع پر بڑے شوق سے اُسکی خوب ہی گت بناتے ہیں۔ چنانچہ میں ایسی جلدی نہیں بھول سکتا کہ ایکبار میں بھی اِس بلا میں پھنس گیا تھا اور ہزار دقت و مشکل اُس بیرحمانہ سلوک سے نجات پائی تھی جسمیں بہت سے سوار پھنس چکے

تھے۔ میں نے یہ ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو ایک خوب مقابلہ کیے بغیر میں اُن سے مار نہیں کھانے کا۔ پس میں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جاندار تھا اور اِس طرح پر اِس قابل ہو گیا کہ تیغ بکف اُن حملہ آوروں کی بھیڑ کو چیر کر نکل گیا اور ایک تیز رو ندی میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پار اُتر گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام فوج میں یہ بات ایک مثل کیطرح مشہور ہے کہ تین موقعوں سے نہایت بچنا اور احتیاط کرنا واجب ہے۔ اوّل خاصے اور کوتل گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دولتیاں اور سنگین حساب ہیں۔ دویم شکارگاہ میں جا داخل ہونے سے۔ سویم بیگمات شاہی کی سواری کے قریب جا رہنے سے۔! اور ایران میں تو یہ تیسری صورت سب سے بری ہے۔ کیونکہ میں سنتا ہوں کہ اگر وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے فاصلہ پر بھی نظر پڑ جائے کہ جہاں سے بیگمات تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اُس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہ ضرور ہے کہ جس شہر اور گانو میں ہو کر بیگمات کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے مقام ومسکن کو چھوڑ کر بہت فاصلہ پر بھاگ جائیں۔

بادشاہ کے شکار کھیلنے کے طریقہ کا ذکر۔

اب میں کچھ بادشاہ کے شکار کا بیان کرتا ہوں۔ میری سمجھ میں کبھی نہ آتا تھا کہ شہنشاہ مغلیہ ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے ساتھ کسطرح شکار کھیل سکتا ہے۔ لیکن بلاشک ایک خاص صورت ہے جسکے سبب سے دو لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ فوج کے

ساتھ شکار کھیل سکتا ہے۔ چنانچہ وہ صورت یہ ہے کہ آگرہ اور دہلی کے
نواح میں دریاے جمنا کے کنارے کنارے کوہستان تک اور اُس
شاہراہ کے دونوں جانب جو لاہور کو جاتا ہے زمین کا ایک بڑا حصہ بنجر پڑا
ہوا ہے جو جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف الاقسام گھاس سے جو
دو دو گز اونچی ہے ڈھکا رہتا ہے۔ اور اِن سب زمینوں کی بڑی نگرانی
سے محافظت کیجاتی ہے۔ اور سواے تیتر بٹیر اور خرگوش کے جنکو
ہندوستانی لوگ جال سے پکڑتے ہیں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو
شکارگاہ میں کسی قسم کے شکار کو جو احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے
بیشمار ہیں نہیں چھیڑ سکتا۔ جب کبھی بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جسکے
ضلع کے قریب ہوکر لشکر شاہی کا گذر ہو حاضر ہوکر میر شکار شاہی کو اپنے
علاقہ کے مختلف القسم شکاروں کے حالات اور اُس جگہ کے احوال سے
جہاں شکار بافراط موجود ہو مطلع کرتا ہے اور انکے اطلاع دینے پر شکارگاہ
کے ناکوں اور خاص خاص موقعوں پر پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں
تاکہ وہ قطعے جو منتخب کیے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں۔ یہ قطعات
کبھی کبھی دس دس میل کے وسعت میں ہوتے ہیں اور اُس شکارگاہ
سے کہ جہاں بادشاہ شکار کھیلا چاہتا ہے اہل لشکر کوچ کے وقت دہنے
یا بائیں کو اس طرح پر بچکر چلتے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی دقت کے
صرف اُس قدر اُمرا اور لوگوں کے ساتھ جنکو اجازت دیگئی ہو شکارگاہ کے
اندر بلا حرج مرج داخل ہوکر بخوبی و اطمینان تمام انواع و اقسام کے شکاروں

سے جیسا جیسا کہ موقع اور حالت ہو محظوظ و مسرور ہوتا ہے۔

چیتے وغیرہ سے شکار کا ذکر

اب میں اول یہہ بیان کرتا ہوں کہ سدھائے ہوئے چیتوں سے ہرن کا شکار کسطرح کیا جاتا ہے مجھکو یاد ہے کہ مینے کسی اور موقع پر آپکو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سینگ والے ہرن بکثرت ہیں جو ہمارے ملک کے اُس قسم کے ہرن سے جسکو فان[1] کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں اور اُن کی ڈاریں ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ چھ ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اور ایک نر ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنے رنگ سے بآسانی پہچانا جاتا ہے۔

اب شکار کا طریقہ سُنیے کہ ہرنوں کی ڈار کے نظر پڑتے ہی ایک چیتے کو جو ایک چھوٹی سی گاڑی پر زنجیر سے بندھا رہتا ہے وہ ڈار دکھلا دیتے ہیں اور یہہ سیانا اور مکار جانور فوراً اُسکی طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ ایک بڑی احتیاط سے اُنکے اِرد گرد چھپ چھپ کر اور دبک دبک کر چلتا ہے اور اِس طریق سے بے معلوم ایسا نزدیک جا پہنچتا ہے کہ پانچ ہی چھ جستوں میں جنکی بعید القیاس سرعت اِس جانور میں مشہور ہے اُن کے پکڑ لینے کا قابو بخوبی حاصل کر لیتا ہے اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب ہوتا ہے تو معاً شکار کے خون اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ اور اگر وار خالی جاتا ہے (چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے) تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے! فی الواقع اس امر میں کوشش کرنا کہ سیدھی

---

[1] فان Fawn

اور دا ہی دوڑ میں چیتا ہرن کو پکڑے بغائدہ ہے کیونکہ ہرن چیتے سو بہت تیز رو اور دُور دم ہوتا ہے ! چیتے بان کو اُسکے پھر پکڑ کر گاڑی پر بٹھا دینے میں کچھ دقت نہیں اُٹھانی پڑتی چنانچہ آہستگی سے اُسکے پاس جاکر جھکاتا اور دو ایک گوشت کے ٹکڑے آگے ڈالکر اور آنکھیں بند کر کے زنجیر سے باندھ دیتا ہے -

اِسی سفر میں ایک چیتے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور حیرت افزا تماشا دکھلایا یعنی ایک روز جو ہرنوں کی ایک ڈار فوج کے درمیان ہوکر نکل بھاگی جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے تو اتفاقاً دو چیتوں کے بہت ہی قریب ہوکر نکلی جو حسب معمول گاڑیوں پر زنجیروں سے بندھے ہوے تھے - ان میں سے ایک نے جسکی آنکھیں بند نہ تھیں ایک ایسی تیز جھپٹ کی کہ زنجیر توڑ کر ہرنوں کے پیچھے دوڑ پڑا - لیکن کسیکو پکڑ نہ سکا لوگوں کی دَوڑ دھوپ اور تعاقب سے مجبور ہوکر یہہ ہرنوں کی ڈار جو پھر پیچھے کو ہٹی اور ایک ہرن اُسی چیتے کے پھر قریب ہوکر نکلا تو اُسنے باوجودیکہ بہت سے گھوڑے اور اونٹ بیچ میں حائل تھے جھپٹ کر اُسکو پکڑ لیا اور اس سے یہہ عام مقولہ کہ " چیتا اپنے شکار پر جو اوّل دفعہ کی جھپٹ سے بچ جاے پھر نہیں دوڑتا " غلط ثابت ہو گیا -

نیل گاے کے شکار کرنیکا طریقہ بہت دلچسپ نہیں ہے - اِن کو بڑے بڑے وسیع جالوں میں گھیر کر بتدریج اِن کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جسوقت اُسکی وسعت بہت کم رہجاتی ہے تو بادشاہ اُمرا اور شکاریوں کو ساتھ لیکر اُسمیں داخل ہوتا ہے اور اُنکو تیر اور برچھی اور تلوار اور قرابین سے

مار لیتے ہیں اور کبھی کبھی یہہ جانور اسقدر مارے جاتے ہیں کہ بادشاہ اُن کا گوشت تحفے کے طور پر سب اُمرا کے لیے بھیجتا ہے۔

کونجوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابلِ دید طریقہ ہے اور اُن کی اُس جرأت کے دیکھنے سے جو وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھاتی ہیں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سُست پروازی کی وجہ سے جو پھرتی کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں پھر سکتیں دشمنوں سے جنکی تعداد دمبدم بڑھائی جاتی ہے مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن ان سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بجز خاص اجازت کے جو کسی امیر کو دیجاے بادشاہ اور شہزادوں کے سوا اِس شکار میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اِسکے شکار کے لئے سب سے پہلے یہہ ترکیب کیجاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر فلاں جگہہ اکثر سوتا ہے تو واں گدھا باندھ دیتے ہیں جس بدنصیب کو شیر پھاڑ کھاتا ہے اور چونکہ یہہ اُسکے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اسکے کہ کسی بیل یا بھیڑ بکری یا کسی چرواہے کو ستاے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی پیکر پھر اپنی اُسی آرامگاہ پر آجاتا ہے اور اگلی فجر تک پڑا سویا کرتا ہے چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک یہی حکمت اُسکے ایک ہی جگہہ پر مائل رہنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اور گدھا جسکے حلق میں بہت سی افیوں ٹھونس دیجاتی ہے

اُسی موقع پر جہاں بقدر گدھے قربانی ہوچکے تھے باندھ دیتے ہیں اور یہہ آخری دعوت بیشک اس مُراد سے ہوتی ہے کہ شیر کھاپیکر شکم کی نیند سوجاوے - اس کے بعد یہہ تدبیر کیجاتی ہے کہ قرب وجوار کے گنواروں کو جمع کرکے بڑے بڑے وسیع جال جو خاص اسی کام کے واسطے بنائے ہوئے ہوتے ہیں تنوا دیئے جاتے ہیں اور جیسا کہ نیل گایوں کے شکار میں کیا جاتا ہے اِن کو بتدریج کھینچ کھینچکر اُنکے دائرہ کی وسعت کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جب سب سامان اِس طرح تیار ہوجاتا ہے تو بادشاہ ایک ہاتھی پر جسپر فولادی پاکھر پڑی ہوئی ہوتی ہے مع میر شکار اور چند فیل نشین امیروں اور بہت سے گُرز بردار سواروں اور پیدل شکاریوں کے جنکے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہوتی ہیں جلدی سے جال کے باہر کی طرف ٹھہر کر شیر پر ایک بڑی بندوق سے فیر کرتا ہے - اَب شیر جو اپنی عادت معہودہ کے موافق زخم کھاکر ہاتھی پر جھپٹتا ہے تو جال میں اوجھ کر رہجاتا ہے اور بادشاہ پیہم گولیاں مارکر اُسکو مارلیتا ہے -

اسی سفر کے ایک شکار میں ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بپھرا ہوا شیر جال پر سے کود کر ایک سوار پر جاپڑا اور اُسکے گھوڑے کو مارڈالا اور اس طرح پر کچھ دیر کے لئے جان بچاکر بھاگ گیا مگر شکاریوں نے تلاش اور پیروی کرکے ڈھونڈھ ہی لیا اور پھر جال سے جاگھیرا ! شیر کے بھاگ جانیکی اِس واردات سے تمام فوج کو نہایت دقت اور پریشانی اُٹھانی پڑی یہانتک کہ ہم تین چار روز تک برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگردان رہے جسمیں

پہاڑوں سے ندیاں اور نالے آکر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس سے جسمیں اونٹ تک چھپ جائیں ڈھکا ہوا تھا کچھ بازاروں کا بند وبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی بھی نزدیک نتھی پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی میں کسی طرح کچھ اپنی گرسنگی رفع کر سکے ! کیا اب میں آپکو اس نالایق مقام میں غیر ضروری توقف کا اصلی سبب بھی بتا دوں ؟ لو بتائے دیتا ہوں - آپکو خوب جان لینا چاہیئے کہ جب بادشاہ ایک شیر مارتا ہے تو یہاں اسکو بڑی مبارک فال سمجھا جاتا ہے اور اسکے برعکس اگر شیر بچ جاوے تو بیحد و نہایت بدشگونی اور سلطنت کیواسطے بڑی بدفالی خیال کیجاتی ہے اسلئے شیر کے شکار کا انجام حسب دلخواہ ہوتا ہے تو اس مبارک تقریب میں بڑے اہتمام اور تکلفات عمل میں لائے جاتی ہیں چنانچہ بادشاہ ایک عام دربار کرتا ہے جسمیں سب امرا حاضر ہوتے ہیں اور مارا ہوا شیر بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اسکی لاش بڑی احتیاط سے ناپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے اسکا امتحان اور ملاحظہ ختم ہو لیتا ہے تو باد فاہی دفتر میں لکھکر رکھا جاتا ہی کہ فلاں بادشاہ نے فلاں تاریخ ایک شیر اسقدر لمبا چوڑا اور اسطرح کے قد و قامت اور جلد و پوست کا جسکے دانت اسقدر دانت تھے اور جسکے پنجوں کی تعداد ایسی اور ایسی تھی شکار کیا -

شکار کی اس کیفیت کے ساتھ مجھکو چند لفظ اُس افیون کی بابت

بھی جو گتے کو کھلائی جاتی ہے اضافہ کرنے واجب ہیں چنانچہ ایک ذی رتبہ میر شکار نے مجھسے کہا کہ یہہ تو صرف حمقا اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے - اصل یہہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو یہہ شکم سیری ہی اُسکی گہری نیند کا باعث ہو جاتی ہے -

پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلوں کا ذکر

مینے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر عموماً پل نہیں ہیں اور ان دریاؤں سے فوج نے بذریعہ دوہرے پلوں کے جو کشتیوں سے کسیقدر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے عبور کیا - ان پلوں کے باہم دو تین سو قدم کا فاصلہ رکھا جاتا ہے اور اُن کے سطح پر مٹی اور بھوس ملاکر ڈالدیا جاتا ہے تاکہ چوپایوں کے پانوں نہ پھسلیں مگر ان دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پیل کا موقع ہوتا ہے نہ صرف اسوجہ سے کہ وہاں ایک سخت بھیڑ بھاڑ اور بڑے ہنگامے اور چپقلش کی جگہہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ اِس باعث سے کہ ان کے دونوں سروں کی سلامی اور گذر گاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اِس وجہ سے راستہ ایسا ٹوٹا پھوٹا ہوتا ہے اور اُسمیں اتنے گڑھے پڑے ہوے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لدے ہوے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو اُنہیں گرے پھنسے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گذر کرنا پڑتا ہے اور اگر کل فوج کو ایک ہی دن میں پار اُترنا پڑتا ہے تو یہہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے - لیکن بادشاہ یہہ تدبیر کرتا ہے کہ

دریا کے وار ایک میل کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے کھڑے کروا کر ایک دو دن وہاں ہی ٹھہرے رہنے کی تکلیف گوارا کرتا ہے اور پھر اسی طرح دریا کے پار جاکر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کر جاتے ہیں۔

بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے بہم پہنچانے کے طریقہ کا ذکر

لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور بہیر سمیت ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے کیونکہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ! مگر بہرحال میں بھروسے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کے اس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ جانور یعنی گھوڑے خچر اور ہاتھی اور ان کے علاوہ اونٹ بھی پچاس ہزار سے کم نہ ہوں گے اور قریباً اسیقدر بیل اور ٹٹو جن پر غریب بازاری لوگ خانہ بدوشوں کیطرح اپنے اہل وعیال اور غلہ وغیرہ اجناس لادے ہوئے لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اب اہل فوج کے نوکر چاکر بھی ضرور ہے کہ بیشمار ہوں کیونکہ بغیر ان کی مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہوسکتی۔ مثلاً میرا درجہ صرف ایک دو اسپے سوار کی مانند ہے اور اسپر بھی تین نوکروں سے کم میں میری گذر نہیں ہوسکتی۔ اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ کل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی کے اندر ہوگی۔ بعض کا یہ قیاس ہے کہ یہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض لوگ اس تعداد کو مبالغہ سمجھتے ہیں! لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح

تعداد بغیر مردم شماری کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ میں اتنا دعویٰ ضرور کر سکتا ہوں کہ فوج کا ہجوم اور انبوہ حد اور قیاس سے باہر ہے اور دہلی کی تمام خلقت حقیقتاً لشکر میں جمع ہے۔ کیونکہ ان کے کام کاج اور گزران بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور ان کے لئے اسکے سوا کچھ چارہ نہیں ہے کہ یا لشکر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے مرا کریں! کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اس کیفیت کو پڑھکر مجھسے یہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ اسقدر انسانوں اور حیوانوں کے لئے کوچ کی حالت میں خوراک اور چارا کسطرح بہم پہنچتا ہوگا؟ اس کا مختصر اور سب سے بہتر جواب یہہ ہے کہ ہندوستانیوں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھ ہزار ہی ایسے ہونگے جو گوشت کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کھچڑی ہی پر قانع ہیں۔ جو چاولوں کے ساتھ مونگ یا ماش وغیرہ ملاکر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی اسمیں ڈال لیتے ہیں اور یہہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اونٹ بہانتک سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اُٹھا سکتے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے اور تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہر کوچ کے بعد جنگل میں چرنے کو چھوڑ دئے جاتے ہیں اور ہر قسم کا گھاس پھوس اور جھاڑی وغیرہ اُن کے چارے کا کام دیتی ہے۔

یہہ امر بھی بالضرور لحاظ کے لایق ہے کہ وہ اہل بازار جو دہلی میں سب قسم کے اجناس وغیرہ بیچا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی ان اشیا کی بہم رسانی

کے ذمہ وار ہوتے ہیں اور انہیں کی دکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ سفر میں رسد رسانی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں۔ ان بیچاروں کو گھاس اور چارے کے بہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور وہ اس کام کے لئے گانو در گانو پھرتے ہیں مگر جو چیز لاتے ہیں اُسکو فوج میں اچھے داموں بیچنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا عموماً یہ معمول ہے کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام میدانوں اور جنگلوں میں جا بجا موجود ہے زمین میں سے کُھرپے سے کھدلاتے ہیں اور اُسکو جھاڑ کر یا دھوکر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں۔

> بادشاہ کے لشکرگاہ میں داخل ہونیکے متعلق بعض خاص طور کی رسموں کا ذکر

بادشاہ کے حال کے متعلق ایک عجیب بات ابھی لکھنی باقی ہے۔ جسکا بیان کرنا میں بھول ہی گیا تھا اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ لشکرگاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا ہے۔ یعنی ایک دن تو ایک جانب کے اُمرا کے خیموں کے قریب سے گزرتا ہے اور اگلے دن دوسرے طرف کے اُمرا کے ڈیروں کے نزدیک سے۔

آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ یہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ وہ اُمرا جنکو بادشاہ اُنکے ڈیروں کے قریب ہوکر گزرنے کا افتخار بخشتا ہے اُنکو ضرور ہے کہ اپنے اپنے خیموں ہی اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی جسکی تعداد اُن کے حوصلے اور مشاہرے کی موافق بیس سے پچاس تک ہوتی ہے پیش کش کیواسطے ہاتھوں میں لئے ہوئے

بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں! میں اُن شہروں اور قصبوں کا جو دہلی اور لاہور کے راستہ میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مینے اُن میں سے شاید ہی کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہہ تھا کہ ہمارے آقا کا ڈیرہ فوج کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں سے شارع عام نکلتا ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اسلئے ہم لوگونکا یہہ معمول تھا کہ رات کو کوچ کیوقت ستاروں کا خیال رکھکر کھیتوں اور پگڈنڈیوں کے راستہ سے چل پڑتے تھے اور اِس سبب سے اکثر راہ بھول جاتے تھے اور پو پھٹنے تک سیدھا راستہ ملنے میں بہت دشواریاں پیش آتی تھیں اور اِسطرح پر بجاے دس بارہ میل کی مسافت کے جو دونوں پڑاوئیں معمولاً ہوتی ہے پندرہ یا اٹھارہ میل کی منزل دن مقرر طے کرنی پڑتی تھی۔

تیسرا خط بنام مانشیور دی مرویلس جو اُسوقت لاہور سے لکھا گیا جبکہ بادشاہ نے کشمیر کیطرف کوچ کیا۔

پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا بیان۔

صاحب من! یہہ امر بیوجہ نہیں ہے کہ وہ ملک جسکا پاے تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ واقع میں پانچ دریا اُن بڑے پہاڑوں سے جنہوں نے ولایت کشمیر کا

Monsieur de Merrilles

محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اور اس صوبہ کے میدانوں میں بہکر دریائے اٹک میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں خلیج فارس کے دہانے کے قریب سمندر میں جا ملتا ہے۔

میں یہ امر معین نہیں کرسکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو یونانی لوگ بیوسفلا[1] کہتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ الگزینڈر کا نام جس کو اس ملک میں سکندر ابن فیلقوس کہتے ہیں بخوبی معروف و مشہور ہے۔ مگر یہاں کے باشندے اُسکے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے

لاہور کے قریب جو راوی دریا ہے اُس کا ذکر۔

وہ دریا جسکے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے۔ جیسا فرانس میں دریائے لوایر[2] ہے اور ویسے ہی بلند اور سنگین پشتہ کا محتاج ہے جیسا کہ لوار کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس دریا میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی جگہہ کو اکثر بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر پورا نصف میل لاہور سے وہ ہٹ گیا ہے جس سے باشندوں کو کمال بے آرامی اور تکلیف ہوئی ہے

لاہور کی عمارت کا ذکر

لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی اونچی ہیں اور چونکہ بیس برس سے زیادہ ہوئے کہ بادشاہ مع اُمرا و دربار آگرہ یا دہلی میں رہتا ہے اس لئے لاہور کے اکثر مکانات حالت ویرانی

---

[1] بیوس فلا یونانی زبان میں بیل کے سر کو کہتے ہیں اور اس گھوڑے کا یہ نام اس مناسبت سے رکھا تھا کہ اسکے اس شکل کا داغ دیا ہوا تھا اور اسکے مرنے کی وجہ یادگاری کیواسطے ایک شہر اُسکے نام پر بسایا گیا تھا ۱۲ مترجم

1 Bucephala 2. Loir Rever

ہیں میں بلکہ واقع میں بہت سی عمارتیں بالکل منہدم ہوگئی ہیں اور پچھلے چند برسوں کی شدید بارشوں میں بہت سے باشندے بھی مکانات سے دب کر مر چکے ہیں مگر اب تک بھی چار پانچ بازار بہت بڑے بڑے ہیں جنمیں سے دو تین تو طول میں دو میل سے بھی تجاوز ہیں لیکن انمیں اکثر مکانات بالکل ڈھے پڑے ہیں۔ اور چونکہ دریا کا رخ تبدیل ہوتا جاتا ہے اس لئے بادشاہی محل دریا کے کنارے سے دور ہو گئے ہیں اور یہہ شاہی مکانات بھی اگرچہ بہت عمدہ اور عالیشان بنے ہوئے ہیں لیکن محلات شاہی واقع دہلی اور آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں۔

لاہور سے کشمیر کی جانب کوچ کا ارادہ

دو مہینے سے زیادہ ہوئے کہ باتنظار اس امر کے کہ کوہستان کشمیر کی برف پگھل کر رستہ آسانی سے گذر کے لایق ہو جائے ہم لاہور میں مقیم تھے۔ مگر اب کل کو ہمارا کوچ ٹھہر چکا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دو روز ہو چکے ہیں* میں نے کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لایق خیمہ خرید لیا ہے۔ کیونکہ میرے دوستوں نے یہہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے خیمے کو جو بڑا اور بھاری ہے اب آگے نہ لیجانا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے پہاڑوں پر جہاں اونٹ نہیں جا سکتے ہمارے تمام خیموں کیواسطے جگہہ ملنی بہت مشکل ہوگی اور چونکہ اس صورت میں مجھکو اپنی باربرداری کیواسطے مزدور اور قلی درکار ہونگے تو اپنے پہلے خیمے کے ساتھ لیجانے کی

* عالمگیرنامہ میں لکھا ہے کہ ۱۶ ماہ رمضان سن ایکہزار ہفتاد ہجری کو لاہور سے کوچ ہوا تھا۔ ۱۲ مترجم

حالت میں بہت خرچ پڑتا - والسلام -

چوتھا خط بنام مانشیو دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے چوتھی منزل پر لکھا گیا

گرمی کی سخت گرمی اور اسکے سبب کا بیان -

صاحب من ! مجھکو یہہ اُمید تھی کہ جیسی گرمی ابناے باب المندب کے قریب بمقام مخا میں اٹھا چکا ہوں پھر آفتاب کی ایسی سوزاں شعاعیں ہوتے زمین پر کبھی نہ پاؤنگا - لیکن چار روز ہوئے یعنی جب سے کہ فوج نے لاہور سے کوچ کیا ہے وہ میری اُمید بالکل رخصت ہو گئی ہے - ہندوستانی لوگ جو ہی گرم ملک کے باشندے ہیں جبکہ وہ بھی لاہور سے چلتے وقت یہہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تھے کہ بھمبر تک پہنچنے میں (جو کوہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ بارہ دن کا سفر ہے) بڑی ہی تکلیف اٹھانی پڑیگی ! تو اسکے سُننے سے مجھکو ایک تعجب ہوتا تھا - مگر اب فی الواقع یہہ میرا تعجب بالکل رفع ہو گیا ہے اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ گرمی کی شدت سے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی باور نکریگا کہ آج صبحکو جب میں اٹھا تو مجھے بہت ہی تھوڑی اُمید تھی کہ آج کی دُھوپ مجھکو زندہ چھوڑیگی -

یہہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث سے ہے جو ہمارے رستے سے شمال کیطرف ہونے کی وجہ سے شمالی ٹھنڈی ہوا

فرحت بخش ہوا کے ہم تک پہنچنے کے مانع اور سدراہ ہیں ! اور مزید برآں انہیں پہاڑوں کے سبب سے آفتاب کی سوزاں شعاعیں اس قطعۂ ملک پر بسبیل انعکاس پڑکر تمام زمین کو خشک کر دیتی ہیں جسنے دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن یہہ شدید گرمی جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے اُسکی نسبت ایسی فلسفیانہ رائیں لکھنا کیا ضرور ہے۔

پانچواں خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوے چھٹی منزل سے لکھا گیا

> دریاے چناب اور اُسکے پانی کی عمدگی کا ذکر

صاحب من! کل میں ہندوستان کے ایک بڑے دریا سے جسکو "چناب" کہتے ہیں پار اُترا اس دریا کے لطیف اور عمدہ پانی سے جسکو بڑے بڑے اُمرا بجاے گنگا کے پانی کے جو اب تک اُنکے ساتھ تھا اپنے اپنے خرچ کے لیے بھر رہے ہیں ! مجھکو یہہ اُمید ہوتی ہے کہ اس دریا کا منبع جدھر کو ہم جا رہے ہیں ہمیں تحت الثریٰ کو نہیں لیجائیگا بلکہ فی الواقع کشمیر کیطرف رہبر ہوگا۔ جسکی بابت سب لوگ مجھکو تسلی دے رہے ہیں کہ وہاں کی برف اور یخ کی سیر و تماشے سے تم خوش ہو جاوگے۔

ہر روز روز گذشتہ سے زیادہ ناقابل برداشت پیش آتا ہے اور جتنے ہم آگے بڑھتے ہیں اُتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

اگرچہ یہہ بات درست ہے کہ مینے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں جبکہ سب لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے تھے کشتی کے پل سے عبور کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ڈیرے میں گھسا بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے اپنی تکالیف میں کچھ کمی ہوجانے کی توقع تھی ! اور میں نے جس مراد سے یہہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہوگیا ! یعنی یہہ کہ ہم بلا دقت و تشویش پل سے پار ہوگئے۔

جس پریشانی اور دقت سے اس دریا کا عبور کیا اُس کا ذکر

جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوئے میں ایسی پریشانی اور چپقلش میں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاید میری ہوشیاری اور دور اندیشی ہی اس امر کا باعث ہوی کہ میں اس دریا پر کسی تہلکہ میں پڑ جانے سے بچ گیا۔ کیونکہ پل کے دونوں سروں کی سلامی چڑھنے اور اُترنے کے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھی جسکا سبب یہہ تھا کہ یہہ سلامی جسپر چڑھنا اور اُترنا امر ضروری ہے نرم مٹی اور ریت سے بنائی گئی تھی جو بشمار جانوروں کے پانوؤں کے نیچے دریا کے زور کے مارے بہی جاتی تھی اور اسیوجہ سے بڑے بڑے گڈھے پڑ گئے تھے جنمیں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے اور لوگوں کے پانوؤں تلے کچلے جاتے تھے اور اسیطرح یہہ تھا کہ ہر طرف برابر دھکم دھکا اور گھونسم گھانسا ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عموماً یہہ ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو اُمرا کے ہمرکاب ہوتے ہیں ! اپنے آقا اور اُن کے اسباب وغیرہ کے پہنچانے کی

ناظر راستہ میں سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بیباکی سے ڈھمے بازی کرتے ہیں ! اس دریا پر ہمارے نواب کا بھی ایک اونٹ ع کوی کے تنور کے جو اسپر لدا ہوا تھا ضایع ہو گیا ہے - اور اب مجھکو یہہ فکر ہے کہ ہمیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی -

---

چھٹا خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوے آٹھویں منزل سے لکھا گیا

گرمی کی شدت کے رسے بر
حالت میں سفر کا بیان -

مشفق من ! ایک یورپین شخص کا ایسی سخت گرمی کے تحمل پر آمادہ ہو جانا اور ایسی ہولناک اور پر تعب منازل اور سفر کے مخاطروں میں پڑ جانا خود بخود اس سوال کا باعث ہوتا ہے کہ پھر کونسی چیز ہے کہ جسکے سبب سے کوئی شخص خواہی نخواہی ان مصیبتوں کی برداشت کے لئے تیار ہو جائے ؟ افسوس کہ اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے عجائبات کی دید کا شوق جو واجبی حد سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ شوق کیا ہے ایک سخت حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے چنانچہ اس سفر میں میری جان ایک مسلسل اور غیر منقطع خطر کی حالت میں پڑی ہوئی ہے اور کچھ امید ہے تو صرف یہہ ہے کہ شاید اس گمراہی میں کوئی بھلائی اور فائدہ بھی نکل آئے -

جب میں لاہور میں تھا تو رات کو سایہ کے بغیر صحن یا چبوترے پر سونے کے باعث شبنم اور سردی کے سبب سے ایک سخت زکام اور درد اعضا میں مبتلا ہو گیا تھا (حالانکہ دہلی میں اسطرح پر سونے سے کچھ اندیشہ نہیں ہوتا) اور میری صحت حالت خرابی میں تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے تو آٹھ نو روز سے بشدت پسینہ آنیکے سبب سے تمام فاسد رطوبتیں جسم سے خارج ہو گئی ہیں اور میرا مُٹا اور مُرجھایا ہوا جسم گویا ایک چھلنی بنگیا ہے اور سیر بھر پانی جو میں ایک ہی دم میں چڑھا جاتا ہوں بدن کے روئیں روئیں بلکہ انگلیوں کے پوروں تک سے فوراً نکل پڑتا ہے چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آج دس گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا۔ مگر ہماری سب تکالیف اور مصیبتوں میں یہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ بقدر جی چاہے ہم اسیقدر پانی بشرطیکہ صاف اور شیریں ہو بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔

ساتواں خط بنام مانشیور دی مرویلس جو لاہور سے کشمیر کو جاتے ہوئے دسویں منزل سے صبح کیوقت لکھا گیا

گرمی کی شدت کے اسے اپنی زیست سے ناامید ہو جانا

صاحب من! آفتاب ابتک اچھی طرح نکلا بھی نہیں مگر اسپر بھی گرمی کا یہ عالم ہے کہ اُٹھائی نہیں جاتی بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہ حالت ہے کہ پتا تک نہیں ہلتا۔ میرے گھوڑے بالکل تھک گئے ہیں۔ کیونکہ جسدن سے لاہور چھوڑا ہے ان

غریبوں نے ہری گھاس کا تنکا تک نہیں دیکھا ! میرے ہندوستانی نوکروں کو بھی باوجود اپنے کالے اور خشک اور سخت بدن کے آگے قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہمارے چہرے اور پاؤں اور ہاتھوں کی جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سُرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کی طرح چبھتے ہیں ! کل ہمارا ایک غریب سوار جسکے پاس ڈیرہ تھا ایک درخت کے نیچے جسکے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا مُردہ ملا اور مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج دن ہی میں ان میں تمام ہو جاؤنگا ! اور میری ساری اُمیدیں یا تو اُن چار پانچ کاغذی نیبوؤں پر منحصر ہیں جو ابھی باقی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دہی پر جسکو میں پانی اور قند ملا کر ابھی پینے والا ہوں۔

لو اچھا خدا حافظ ! سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہوئی جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔

آٹھواں خط بنام مانشیو ڈی مرویلس جو مقام بھمبر سے جہاں سے کشمیر کے پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہوتی ہے لکھا گیا

بھمبر کیسی جگہ ہے اور وہاں سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور امراء کے نوبت بنوبت کوچ کرنے کا ذکر۔

صاحبِ من ! آخرکار ہم بھمبر میں آ پہنچے جو ایک اونچے اور سیاہ اور جھلسے ہوئے پہاڑ

کے وہن میں ہے اور ہمارا خیمہ ایک خشک پہاڑی ندی کے بہاؤ میں پتھریوں اور جلتی ہوئی ریت پر جسکو ٹھیک آگ کی بھٹی کہنا چاہیئے لگا ہوا ہے۔ اور اگر آج اتفاق سے ایک خوب مینہہ کا چھینٹا نہ پڑجاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار سے میوہ۔ دہی اور مرغ وغیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اِس بیچارے وقایع نگار کا کیا حال ہوجاتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ بالفعل تو ہوا کسیقدر سرد ہوگئی ہے اور میری بھوک بھی کھل گئی ہے اور طاقت میں ترقی معلوم ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو میں نے اپنی بازیافتہ صحت سے کوئی کام لیا ہے تو وہ اِس خط ہی کا لکھنا ہے! اب آیندہ آپ نئی نئی منزلوں اور تکلیفوں کے حالات سے ضرور مطلع کئے جائینگے۔

کل رات کو بادشاہ نے اِس جگہہ کو جہاں دم گھٹا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے اور اسکے ہمراہ روشن آرا بیگم اور محل کی اور بیگمیں اور راجہ رگھناتھ✤ جو وزیر کا کام کرتا ہے۔ اور فاضل خاں میر سامانِ اعلیٰ گئے ہیں! اور شب گزشتہ کو بادشاہی میر شکار بھی مع کئی بڑے بڑے عہدہ داروں متعلقہ کارخانجات خاصہ شریفہ اور چند معزز خاتونوں کے روانہ ہوگیا ہے اور آج رات کو ہماری باری ہے۔ اور ہمارے گروہ میں ہمارے نواب دانشمند خاں کے کُنبے کے لوگوں کے سوا محمد امین خاں خلف مشہور میر جملہ جسکا بہت

✤ اِس بالیاقت بوڑھے ہندو وزیر نے اِسی سفر میں انتقال کیا اور اسکے بعد جو بھی فاضل خاں وزیر ہوا وہ بھی صرف چند روز زندہ رہا مگر اِسی سفر میں بمقام کشمیر چل بسا۔ س-م-ح (عالمگیرنامہ)

کچھ ذکر کیا جا چکا ہے اور میرا معزز دوست دانشمند خاں اور اُسکے دو بیٹے اور بہت سے اُمرا اور راجے اور منصب دار شامل ہیں!

اور امرا بھی جنہیں کشمیر چلنے کا حکم ہے اسیطرح نوبت بہ نوبت روانہ ہونگے تاکہ اس پانچ دن کے مشکل اور کوہستانی راستہ میں جو بھمبر اور کشمیر کے مابین ہے بے آرامی اور ابتری کم ہو جاوے۔

بادشاہ کے واپس تشریف لانے تک بہت سے اُمرا کا حفاظت کے لئے ٹھہرنا ہمرکاب جانے والوں کا ذکر معہ انتظاموں کے

باقی اہل دربار جیسے فدائی خاں۔ میر آتش (افسر اعلیٰ توپخانہ) اور تین چار بڑے بڑے راجے اور بہت سے اُمرا تین چار مہینے تک یعنی جب تک کہ گرمی کا موسم گذر جاوے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں محافظت کیواسطے بہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اسکے قرب وجوار میں مقیم رہینگے۔ جنمیں سے بعض تو اپنے ڈیرے دریای چناب کے کنارے لگا دینگے اور بعض قریب اور گرد نواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جاوینگے۔ اور باقی کو اسی بھمبر کی جلتی ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے پڑے رہنا ہوگا۔

بادشاہ کے ہمرکاب بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جائینگے تاکہ کشمیر کی چھوٹی سی ولایت میں رسد وغیرہ کی طرف سے دقت نہ ہو بیگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونیں جائیں گی جو روشن آرا بیگم کی ہمدم اور سہیلیاں ہیں۔ یا وہ عورتیں جنکا ساتھ ہونا سرانجام خدمات کے لئے ضروری ہے! اُمرا اور فوج کے لوگ بھی جہانتک

ممکن ہے کم ہی ہونگے اور جن اُمرا کو ہمراہی کی اجازت ملی ہے اُنکے ساتھ اُن کے سواروں میں سے فیصدی پچیس سوار سے زیادہ نہونگے لیکن جو ضروری ضروری عہدہ دار اُن کے ذاتی کارخانجات پر مقرر ہیں وہ بہرحال ساتھ جاینگے۔

اِن وعدوں کی بجاآوری میں کوئی بہانہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ ایک امیر پہاڑ کے درّے پر متعین کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی کو شمار کرتا ہے اور بموجب اپنے اختیارات کے منصب داروں کی بھیڑ کو جو کشمیر کی ٹھنڈی اور لطیف ہوا کے مشتاق ہیں اور اُن چھوٹے چھوٹے دُکان داروں اور اہلِ بازار کو جو صرف کھانے کمانے کی خاطر آتے ہیں درے میں داخل ہونے سے روکتا رہتا ہے۔

چند منتخب ہاتھی بڑی زنانی سواریوں اور باربرداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہ جانور بہت بھاری اور بڑے قد و قامت کے ہیں لیکن نہایت ہی جانچ کر قدم رکھتے ہیں اور راستہ کے مشکل اور خطرناک ہونے کی حالت میں اسطرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی جم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اُٹھاتے۔ بادشاہ کے ہمراہ کچھ خچریں بھی ہیں۔ لیکن اُونٹ جو بہت کارآمد ہیں پیچھے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ اُنکی سخت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے واسطے یہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں اور اسلئے اُن کے عوض قلی اور مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے سُنا ہے

اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر میں جو قلی ہمرکاب تھے اُنکی تعداد اور اجرت وغیرہ کا ذکر۔

کہ صرف اکیلے بادشاہ کے واسطے چھ ہزار مزدور مطلوب ہیں تو اس سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ کسقدر مزدور درکار ہونگے۔ چنانچہ مجھے اپنی ذات خاص کے واسطے تین مزدور بہم پہنچانے ضروریات سے ہیں باوجودیکہ میں نے اپنا بڑا خیمہ اور بہت سا اسباب لاہور میں چھوڑ دیا ہے اور ہر شخص نے بلکہ بڑے بڑے امرا اور خود بادشاہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پھر بھی حساب کیا گیا ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار مزدور بھمبر میں جمع ہو چکے ہیں جو کچھ تو کشمیر کے صوبہ دار اور قرب و جوار کے راجاؤں نے بھیجے ہیں اور کچھ اپنی مرضی سے مزدوری کرنے کو چلے آئے ہیں ! اور بادشاہ کے حکم سے شرح اجرت یہہ قرار پائی ہے کہ سوا من یعنی پچاس سیر بوجھ کیواسطے دس روپیہ مزدوری دیجائے ! اور شمار کیا گیا ہے کہ کوئی تیس ہزار مزدور ہر وقت مطلوب ہیں۔ اور جبکہ خیال کیا جاے کہ بادشاہ اور امرا اپنا اپنا اسباب اور سوداگر لوگ اپنی سب قسم کی رسد وغیرہ ایک مہینے پہلے سے برابر بھیجتے رہتے ہیں تو مزدوروں کی یہہ تعداد نہایت ہی زیادہ ہے۔

مصنف کا نواں خط بنام مانشیو ردی مرویلیس جو ہندوستان کے بہشت یعنی کشمیر جنت نظیر سے تین مہینے کے قیام کے بعد لکھا گیا

قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک جھیل ہونے کی روایت کی نسبت مصنف کی راے

صاحب من ! کشمیر کے قدیم راجاؤں کی تاریخ

میں یوں مندرج ہے کہ یہہ تمام ملک اگلے زمانہ میں ایک بڑی جھیل تھا۔ جسکے پانی کو ایک بڈھے رشی نے جسکا نام کاشب تھا اپنی کرامات سے بارہ مُونا کے پہاڑ کو چیر کر نکالدیا۔

یہہ حال اُس کتاب میں مل سکتا ہے کہ جو جہانگیر کے حکم سے کشمیر کی قدیم تاریخوں کا خلاصہ کرکے فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور جسکا میں آج کل ترجمہ کر رہا ہوں۔ بیشک میرا دل بھی اس بات کے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ یہہ طبقہ کسی وقت پانی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ تھسلی* اور اَور ملکوں کی نسبت بھی ایسی ہی روایتیں چلی آتی ہیں۔ لیکن میں آسانی سے یہہ امر باور نہیں کر سکتا کہ یہہ شگاف کسی انسان کا کام ہے۔ کیونکہ یہہ پہاڑ جسمیں سے پانی کا گذر ہوا ہے بہت ہی لمبا چوڑا اور نہایت بلند ہے۔ بلکہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کسی قدرتی خلا میں جو سرنگ کیطرح پہاڑوں میں اکثر ہوتی ہیں کسی سخت بھونچال کے صدمہ سے جو اس ملک میں بہت ہی آتے رہتے ہیں دھس گیا ہے! اگر ہم اُس نواح کے عربوں کے قول کا بھی اعتبار کرلیں تو ماننا پڑیگا کہ باب المندب بھی کسی زمانہ میں اسیطرح بنا تھا کہ تمام شہر اور پہاڑ ایک غار میں دھس کر بڑے بڑے تالاب اور جھیلیں بن گئیں۔

ولایت کشمیر کے عرض و طول کا بیان

بہرحال اب تو کشمیر جھیل نہیں ہے بلکہ ایک خوشنما ملک ہے جسمیں بہت سی متفرق پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں اور جسکا طول قریب

* ملک یونان کے ایک ضلع کا نام ہے۔ (س م ح) تھسے لی۔ بہ زبان انگریزی Thessaly

تیس لیگ یعنی نوے میل انگریزی کے ہے اور عرض دس یا ۱۰ لیگ

کشمیر کے موقع اور حدود کا بیان

ولایت کشمیر آباد ہے شمال کیطرف ملک ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اُسکی سرحد پر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہ قاف سے نیچے چھوٹی اور بڑی تبت کے بادشاہوں اور راجہ گوماں کی عملداریوں میں ہیں۔

کشمیر کے پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے مالا مال ہونے کا ذکر

جو پہاڑ کشمیر کے گرداگرد اور بہت ہی نزدیک ہیں اُنکی بلندی اعتدال کے ساتھ ہے اور سرسبز درختوں سے آراستہ اور چراگاہوں سے مالا مال ہیں جن پر گائیں بھیڑیں بکریاں۔ گھوڑے۔ اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں۔

کشمیر میں سب قسم کے مویشی اور سب طرح کے شکار اور شہد کی مکھیوں کی افراط کا ذکر

اور سب قسم کے شکار مثلاً تیتر۔ خرگوش اور سینگوں والے ہرن اور کستورا ہرن بکثرت موجود ہیں اور شہد کی مکھیاں بھی بافراط ہیں۔

کشمیر میں ہر قسم کے موذی جانوروں کے کمیاب ہونیکا ذکر

اور برخلاف ہندوستان کے یہہ ایک عجیب اور نادر بات سمجھی جا سکتی ہے کہ یہاں موذی جانور مثلاً سانپ۔ ریچھ۔ شیر۔ چیتا وغیرہ کمیاب کیا بلکہ معدوم ہیں اور ان اوصاف کے باعث انکی پہاڑوں کا ... خوشنما اور مضر اور ... ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ گویا انہیں ... اور شہد

* ریگستان میں سینگ والے ہرن کم ہوتے [illegible] کے ... [illegible]

نہریں افراط کے ساتھ جاری ہیں۔ اِن پہاڑوں سے پرلی طرف اور بڑے
بڑے عظیم الشان پہاڑوں کی بلندیاں نظر آتی ہیں جنکی برف سی ڈھکی
ہوئی سفید سفید چوٹیاں معمولی ابر اور بادلوں سے ہمیشہ زیادہ بلند اور اونچی
اور کوہ اولیمپس[1] کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں۔

پہاڑ کے چشموں اور دریاؤں کا بیان　اِن سب پہاڑوں میں سے بیشمار چشمے اور کولیں
بڑے زور شور سے جاری ہیں جو بعض عملی ذریعوں سے چھوٹے چھوٹے
ٹیلوں پر بھی جو اس وادی میں ہیں پہنچا دیجاتی ہیں۔ اور اس طرح سے لوگ اپنے
دھانوں کے کھیت بخوبی سینچ سکتے ہیں! اور یہ سب پانی اس دل چسپ
ملک میں ہزاروں چشمے اور آبشاریں بنکر آخرکار خوبصورت اور کشتیوں کے چلنے
کے لایق ایک ایسا دریا بن جاتا ہے جیسا ہمارے ملک فرانس میں دریائے سین[2]"

* یہ پہاڑیوں کے صوبہ تھسلی[3] اور میسیڈونیا (مقدونیا) کے مابین سرحدی حصار واقع ہے اور مقدونیا
کے میدان سے جو اس کے شمال میں اور تھسلی اور ٹمپ[5] سے جو اس کے جنوب میں ہے نہایت
[illegible] اور اس زمین کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہے اور [illegible]
وغیرہ [illegible] کے جنگلوں سے [illegible] اسکی چوٹیاں [illegible]
چوٹی [illegible] میں منقسم ہو گیا ہے اور اسکی چوٹی ہمیشہ برف کی سفید [illegible]
[illegible] اولیمپس کے اس [illegible] کی وجہ سے قدیم
یونانیوں نے اسکو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کیا تھا اور اُنکا یہ اعتقاد تھا کہ انکا دیوتا جوو[6] جو
جوپیٹر[7] یعنی مشتری کا دوسرا نام ہے۔ اور جسکو اہل ہند کے معتقدات کے مطابق اسجگہ
[illegible] اسی پہاڑ پر [illegible] آسمان [illegible] والے بادلوں سے [illegible]
بجلی کے تیروں کو ادھر ادھر پھینکتا تھا اور وہ [illegible] ولکن نے [illegible]
[illegible] اعتقاد میں [illegible] زمین کی [illegible] دھاتوں کا دیوتا تھا [illegible] بنایا تھا تمام

(1 Olympus اولمپس (2 Seine سین (3 Thessaly (4 [illegible]
(5 Tempe ٹمپ (6 Jove جوو (7 Jupiter جوپیٹر (8 [illegible]

ہے۔ یہہ دریا مدیج اور آہستگی کے ساتھ اِسمک کے گرد اگرد پیچ کھاتا اور یہاں کے شہر پایۂ تخت میں سے ہو کر چپ چاپ بارہ مولا کیطرف خم کھاتا ہوا نکل گیا ہے جہاں اُسکو ذو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخرج ملتا ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک بہت سیدھی ڈھال پر گر کر شہر اٹک کے نزدیک دریاے اباسین سے آملتا ہے۔

کشمیر کی سرسبزی اور کھیتیاں اور ترکاریوں اور میووں کا بیاں

بیشمار نہریں اور آبشاریں جو پہاڑوں سے جاری ہیں وہ اِس وادی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں اور تمامی مُلک سرسبز اور سیر حاصل اور ایک پھولا پھلا باغ معلوم ہوتا ہے اور اس خوشنما اور دلکش سرسبزی کے اندر کہیں تو گانو اور مزرعے دیکھائی دیتے ہیں۔ اور کہیں ہری بھری چراگاہیں اور انگور، دھان، گیہوں، سن، زعفران اور ترکاریوں کے کھیت جنمیں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور کوئیں اور کسی جگہہ آبشاریں اور چشمے جو ایک عجیب اور

ھَبیۃ شِیئا دیوتاؤں کو جمع کر کے سبھا اور جلسہ کیا کرتا تھا اور ایک راستہ سے جو اس آسمانی محل کے دھاتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جسکے دروازہ پر نہایت گاڑھے بادل تختوں کا کام دیتے تھے جب چاہتا تھا اس جہان کے اس طرف چلا جایا کرتا تھا۔ یونان کے قدیم شاعروں نے اس پہاڑ کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اب بھی اپنے سرسبز و ہرے بھرے سایہ دار جنگلوں اور اپنی دھاروں اور گھڑوں اور سفید سفید چمکیلی چوٹیوں کے سبب سے ایسا ہی قابل تعریف ہے فقط ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا - ۱۲ س م ح

دلفریب کیفیت دیکھاتے ہیں - اور زمین کا تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودھوں سے مینا کار نظر آتا ہے - اور ہمارے ملک کے میوہ ں سیب اشپاتی الوچہ خوبانی اور اخروٹ کے درختوں سے جنیں بیشمار پھل لگے ہوئے ہیں لدا ہوا ہے ! خربوزہ تربوز اور اُور ہمارے دیس کی اکثر ترکاریاں مثل چقندر وغیرہ اور ساگ پات اور نباتات جنسے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے عام کھیتوں اور باغوں میں بکثرت ہیں -

کشمیر کے میووں کے فرنگستاں کے میووں سے خوبی میں کم ہونے کی وجہ

یہاں کے پھل ہمارے مُلک کے میووں سے خوبی میں بلاشک کم ہیں اور نہ اُتنی قسم ہی کے ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں کی زمین کا قصور نہیں ہے بلکہ اسکا باعث کاشتکاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل فرانس کیطرح فن زراعت اور درختوں کو پیوند وغیرہ کرنیکے ہنر سے ماہر نہیں ہیں - بہرحال مینے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میوہ سے بکثرت کھاے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ درختوں کی حالت کو ترقی دیں اور انمین غیر ملکوں کے درختوں کے پیوند لگانے کی نسبت ذرا توجہ کریں تو یہاں کے میوے فرنگستان کے میووں کی خوبی کو پہنچ سکتے ہیں -

شہر کشمیر اور اسکی جھیل یعنی ڈل کا بیان -

مُلک کشمیر کے پاے تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور اُسکے گرد کوئی شہر پناہ نہیں ہے اِس کا

طول دو میل سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑھ میل ! شہر کشمیر ایک میدان
میں واقع ہے جسکا فاصلہ پہاڑوں سے قریب چھ میل کے ہے۔ اور یہ
پہاڑ بصورت نصف دائرہ کے نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک شیریں اور
خوشگوار پانی کے "ڈل" کے کنارے جسکا محیط بارہ۱۲ یا پندرہ۱۵ میل سے
کم نہ ہوگا آباد ہے۔ یہ ڈل اُن چشموں اور نالوں سے بنگیا ہے جو
پہاڑوں سے آکر گرتے ہیں ! اور اِس کا پانی بذریعہ ایک نہر کے جس
میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اُس دریا میں جاملتا ہے جو شہر کے
بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اِس دریا پر لکڑی کے دو پل بنے ہوے ہیں
اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں لیکن خوبصورت اور دو منزلے اور
سہ منزلے ہیں۔

عمارات کے لیے اہل کشمیر کے لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب

اگرچہ اِس ملک میں ایک نہایت نفیس رگ*دار
پتھر بافراط موجود ہے اور چند پُرانی عمارتیں
اور ہندوؤں کے بہت سے پُرانے مندر جو یہاں کے کھنڈروں میں موجود
ہیں پتھر ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ لکڑی کو پتھر پر اسواسطے ترجیح
دیتے ہیں کہ ایک تو ارزاں ہے دوسرے یہ کہ پہاڑوں سے بذریعہ اِن
بیشمار ندی نالوں کے بآسانی پہنچ جاتی ہے۔

دریا کے کنارے کے مکانات اور باغوں کا ذکر

اکثر مکانات میں جو دریا کے دونوں کنارے
بنتے چلے گئے ہیں نہایت خوشنما چھوٹے چھوٹے

* اصل کتاب میں لفظ فری سٹون ہے Free Stone ۱۲۔ س م ج [رگ دار]

باغیچے ہیں جو خصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جگہ عیش و نشاط کے
بہت سے جلسے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت دیکھتے ہیں۔

تفریحی کشتیوں کا ذکر

اس شہر کے اکثر مکانوں میں بھی باغ اور ایسی نہریں
ہیں جنمیں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ اور مالک مکان
جب چاہتے ہیں سوار ہو کر ڈل کی سیر کر آتے ہیں۔

ہری پربت اور دیگر مکانوں اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی اور خوشنمائی کا ذکر۔

شہر کے پرلے سرے پر ایک ایسا ٹیلہ نظر آتا ہے
جو بالکل الگ ہے اور اسکی ڈھلانوں پر کئی
خوبصورت مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ ایک ایک
باغ ہے اور اسکی چوٹی کی طرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جسکے ساتھ
عابدوں اور گوشہ نشینوں کے لئے عمدہ عمدہ حجرے بنے ہوئے ہیں!
اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور
ان سب چیزوں کا مجموعہ ایک نہایت ہی دلچسپ منظر ہے۔ اور ان سبز
درختوں اور باغوں کی وجہ سے اسجگہ کا نام اس ملک کی زبان میں ہری پربت*
ہے یعنی سرسبز پہاڑ۔

---

* یہ وجہ تسمیہ خلاف محاورہ ہونے کی وجہ سے غلط ہے کیونکہ سرسبز پہاڑ کو ہری پربت نہیں کہہ سکتے بلکہ ہرا پربت کہنا چاہئے۔ اور وہ وجہ تسمیہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو دیوان کرپا رام صاحب آنجہانی دیوان ریاست جموں و کشمیر مؤلف تاریخ موسومہ گلزار کشمیر نے [illegible] کتاب مطبوعہ [illegible] میں لکھی ہے یعنی یہ کہ چونکہ کشمیری زبان میں ہاری سارک کو کہتے ہیں جو ایک معروف جانور ہے پس اس پہاڑ پر شاریکا دیوی کے مندر کے ہونے کی وجہ سے اسکا یہ نام مشتبہ ہو گیا ہے۔ اور صحیح نام ہاری پربت ہے۔ ۱۲۰ س م ر

پہاڑ موسوم تخت سلیمان کا ذکر

اِس پہاڑ کے مقابل ایک اور پہاڑ نظر آتا ہے اور اُسپر بھی ایک چھوٹی سی مسجد باغ کے بنی ہوئی ہے۔ ! اور ایک اور نہایت ہی قدیم عمارت موجود ہے جو ظاہری علامتوں سے ہندوؤں کا مندر معلوم ہوتی ہے اگرچہ اُسکا نام تخت سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانوں کا یہہ ادعا ہے کہ حضرت سلیمان نے بموقع سیر کشمیر اُسکو تعمیر کیا تھا لیکن مجھے شبہ ہے کہ اُس مشہور بادشاہ* نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس مُلک کو مشرف کیا ہو۔ اور میری رائے میں یہہ لوگ اِس کا کوئی ثبوت نہیں دیسکتے۔

کشمیر کے ڈل کے نہایت سرسبز ٹاپوؤں کا ذکر

کشمیر کے ڈل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش فضا ٹاپو ہیں جو پانی کے اندر بالکل سرسبز اور نہایت ہی خوبصورت اور میوہ دار درختوں سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن میں نہایت خوش اسلوبی سے بہت سی روشیں بنائی ہوئی ہیں۔ جن پر عموماً دونوں جانب سے سفیدے کے درخت جو دو دو قدم کے فاصلہ سے لگائے ہوئے ہیں اور جنکے پتّے بڑے بڑے ہوتے ہیں اپنا سایہ ڈالے ہوئے ہیں۔ اِن درختوں کا موٹاپا اگرچہ اسقدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کولی میں آسکتا ہے مگر اُنچائی میں جہاز کے مستول کی برابر ہیں اور اُنکی چوٹی پر کھجور کیطرح ڈالیوں اور پتّوں کی چھتری ہے۔

ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں اُنکو منظر کی خوشنمائی اور چوبی تاب و ہوا کا ذکر

جو پہاڑ ڈل کے پرلی طرف ہیں اُنکی ڈھلانوں پر

* عیسائی اگرچہ حضرت سلیمان کے مُلہَم اور صاحب وحی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کیطرح اُنکو پیغمبر نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی دانا اور عاقل بادشاہ کہتے ہیں۔ ۱۲ س م ح

بیشمار گنجان مکانات اور پھلواری کے باغیچے بنے ہوئے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش سمجھی جاتی ہے اور موقع نہایت خوشنما اور دلچسپ ہے اور جابجا چشمے اور کولیں جاری ہیں۔ اور یہاں سے ڈل اور اُسکے ٹاپوؤں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔

شالامار باغ کا بیان ان سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شالامار* ہے جو نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اسمیں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی وسیع نہر میں کو ہے جسکے دونوں کناروں پر گھاس جمائی ہوئی ہے اور چنار کے درخت برابر دو رویہ نصب ہیں اور جسکا طول پانسو قدم کا ہے

---

* ڈیک جید صاحب نے اس کا نام شالامار لکھا ہے اور اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شالا اور مار سے مرکب ہے جو معنی خانہ و قوت شہوی کے ہے اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور اسکی سند میں مرزا محمد علی قبول کا یہ شعر لایا ہے ۔ سایہ زلف و رخ یار داده بهشت ز غم [illegible] سبل جمعیتم [illegible] شالامار ساختند۔ لیکن ان معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے کیونکہ شاعر نے اس لفظ کو باغ کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہر ایہ ترکیب قواعد زبان سنسکرت کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو مار شالا ہونا چاہیے تھا۔ جیسے دھرم شالا۔ پاٹ شالا۔ گو شالا وغیرہ! اصل یہ ہے کہ یہ صرف یہ جگہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے بیدمشک والی [illegible] شاہجہاں نے باپ کی فرمائش سے یہ باغ بنایا تھا اور مقام تعمیر کی مناسبت سے اسکا نام شالامار رکھا گیا تھا۔ جسکو شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدل کر فرح بخش نام رکھا جیساکہ تزک جہانگیری و شاہجہاں نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں صاف اور صریح لکھا ہے اور بیان کیا ام صاحب نے اپنی کتاب موسومہ بگلزار کشمیر منقول مورخ شاہجہاں کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ایک حد تک معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے

** و باغ فرح بخش کہ واقع است در موضع معروف شالامار [illegible] بنام فرخندہ انجام سابقہ کی [illegible] در روزہ پنجم ** س۔م۔ج

اور اسی میں سے ہو کر ایک ایسے مکان* میں جو بالتخصیص گرمی کے موسم کے لئے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتے ہیں۔ اس نہر کے علاوہ ایک اور نہر جو اس سے بھی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دوسرے مکان میں جو باغ کے دوسرے سرے پر ہے پہنچاتی ہے! اس دوسری نہر میں بڑے بڑے ریتلے قسم کے پتھروں کا فرش ہے اور اسکے ڈھلواں کنارے بھی اسی پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ اس نہر کے وسط میں ایک بڑی قطار فواروں کی ہے جنکے باہم پندرہ پندرہ قدم کا فاصلہ ہے اور ان کے علاوہ ادھر اُدھر بڑے بڑے گول حوض ہیں جنمیں مختلف شکل و صورت کے فوارے چھوٹتے ہیں۔ یہہ مکان چونکہ مذکورہ بالا نہروں کے وسط میں واقع ہیں اس لئے ان کے ارد گرد پانی بھرا رہتا ہے اور ان کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے بڑے درختوں کی لگی ہوی ہیں! یہہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گرداگرد غلام گردش ہے اور اِن کے دروازے جو چار چار ہیں اُنمیں سے ایک ایک دروازہ تو دونوں طرف نہر پر کھلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے اُن پلوں کے رُخ کو جن پر سے ہو کر انمیں سے کنارے کی زمین پر پہنچ سکتے ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا کمرہ اور چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جنمیں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور منقش کام بنا ہوا ہے اور سب کمروں کی دیواروں پر کچھ کچھ فقرات وغیرہ نہایت

---

* اصل کتاب میں لفظ سمر ہوس ہے (سَم ، ر ، ہ ، و ، ز) Summer House م م ح

خوشخط فارسی قلم میں لکھے ہوئے ہیں ! ان کے چاروں دروازے نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے عجیب اور نایاب بڑے بڑے قطعات کے بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو از بس خوشنما ہیں قائم ہے - یہہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر کے جسکو شاہجہاں نے ڈھوا دیا تھا آئے تھے اور اس وجہ سے انکی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے - میں اس پتھر کی ذات اور قسم کی بابت کچھ بیان نہیں کر سکتا لیکن عقیق اور سب قسم کے سنگ مرمر سے کہیں بڑھکر ہے

کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے

مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا کہ میں کشمیر پر فریفتہ ہوگیا ہوں مگر حقیقت یہہ ہے کہ اسکی سیر سے پہلے اسکی خوبصورتی اور خوشنمائی کی نسبت جسقدر اعلیٰ سے اعلیٰ میرے تخیلات اور تصورات تھے ان سب سے یہہ سبقت اور فوقیت رکھتا ہے اور غالباً تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جسکا طول و عرض اتنا ہی ہو اسکی خوبیوں کو نہیں پہنچتا ! اور حق یہہ ہے کہ ہونا بھی ایسا ہی چاہئے - کیونکہ اگلے زمانہ میں یہہ اعجوبہ روزگار بڑے بڑے اولوالعزم راجاؤں کا تخت گاہ تھا - اور تمام گرد و نواح کے کوہستان بلکہ تاتار اور کل ہندوستان جزیرہ سراندیپ تک اسکی حکومت میں داخل تھا اور یہہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں ہے کہ سلاطین مغلیہ اسکو بہشت ہند (یعنی کشمیر جنت نظیر) کہتے ہیں اور کچھ تعجب نہیں ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اس ملک کی خاطر علی الاتصال ایسا سرگرم رہا کہ آخر یہہ ملک وہاں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ سے کسی کسی

طرح آخر چھین ہی لیا - اور اسکا بیٹا جہانگیر تو اس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لٹو ہوگیا تھا کہ اُسنے کشمیر کو اپنا دل پسند آرام گاہ ہی مقرر کر لیا تھا - اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اِس عظیم الشان سلطنت کا سارا مُلک اگر ہاتھ سے نکل جاوے تو اتنا رنج نہ ہو جتنا کہ کشمیر کا -

ایک مشاعرہ کا ذکر جو کشمیر کی تعریف و توصیف کے باب میں ہوا تھا -

ایک مشاعرہ جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ شعراء کشمیر اور بادشاہی شاعروں کے باہم ہوا تھا میں نے بڑے شوق سے اُسے دیکھا تھا یعنی ہمارے کشمیر پہنچتے ہی اور ملک کے حضور میں شعراء مذکورہ نے کشمیر کی تعریف و توصیف میں قصائد پیش کئے جنکو بادشاہ نے قبول فرما کر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرمائے ! اِن قصائد میں حد سے بڑھکر غلو اور مبالغے کئے گئے تھے - اور مجھکو یاد ہے کہ ایک شاعر نے کشمیر کے گرداگرد کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان کیا تھا کہ " اُن کی عجیب بلندی ہی نے اِن آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اِس مقدس شکل کا بنادیا ہے " ! اور یہہ کہ " خالق کائنات اپنی تمام حکمت اور خوبی ایجاد و صنعت کو اِس ملک کے پیدا کرنے پر ختم اور خرچ کر چکا اور خالق مطلق نے پہاڑوں کا یہہ حصار بناکر اِس ملک کو دشمن کی فوج کے حملے سے محفوظ اور مامون فرمایا اور چونکہ ولایت کشمیر تمام روے زمین کے ملکوں کی ملکہ ہے اسلئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ اپنی کامل امنیت اور چین چان کی حالت میں بغیر کسی اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کر سکے " شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ " جو پہاڑ ذرا دور اور بہت اونچے ہیں اُنکی چوٹیاں سفید اور چمک دار پوشاک سے

آراستہ کی گئی ہیں۔ اور جو چھوٹے چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمکدار ہرے بھرے درختوں سے سجائے گئے ہیں اور یہہ اسلئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملکہ کے سر پر ایسا ہی تاج زیبا ہے جسکے کلغی کے ہیروں کی کرنیں زمرد میں نمودار ہوں"۔ جب ہمارے نواب صاحب نے اِس شاعر کے اِن نتائج طبع کو میری تفریح خاطر کے لیئے مجھے دکھلایا تو مینے کہا کہ" یہہ شاعر اگر اپنے مضمون کو یہانتک اور بڑھا دیتا کہ کوہستان اور ممالک قرب و جوار کو (جنسے چھوٹی تبت اور ریاست راجہ گوماں اور کاشغر اور سری نگر مراد ہے) سرحد کشمیر میں داخل کر دیتا (کیونکہ اکثر دعا کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہہ ملک کشمیر کے باج گزار تھے) اور اس سے بھی بڑھکر اگر وہ یہہ کہتا کہ دریاے گنگا اور سندھ اور چناب اور جمنا جو خوبی اور عظمت میں دریاے جیحوں وغیرہ سے جنکا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں ہیں) مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں تو کچھ مضائقہ تھا اور اسی بنیاد پر وہ یہہ بھی کہہ سکتا تھا کہ باغ عدن بھی کشمیر ہی میں لگایا گیا تھا نہ کہ آرمینیا میں جیسا کہ لوگوں کا عقیدہ ہے ؎

کشمیریوں کے ذہن و ذکا اور ہنر و فن کا ذکر۔

کشمیری لوگ لطافت و ظرافت میں مشہور ہیں اور بہ نسبت اور ہندوستانیوں کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں۔ اور شاعری اور فضائل علمیہ میں بھی ایرانیوں

✦ یہاں وہ سری نگر مراد ہے جہاں سلیمان شکوہ نے پناہ لی تھی۔ ؎ س ۔ م ۔ ح

؎ مترجم کتاب ہٰذا کہتا ہے کہ اس شاعر کا یہہ شعر کہ۔ اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است۔ کشمیر کے حسب حال ہے

سے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہہ لوگ محنتی اور چست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور انکی کاریگری خوبصورت اشیا کے بنانے میں جیسے پالکی پلنگ کے پائے صندوق صندوقچے قلمدان تختچے وغیرہ فی الواقع قابل تعریف ہے۔ اور وہاں کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں بٹتی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ روغن کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جاکر ہر ایک قسم کی لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہو بہو نقل اُتارتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی

کشمیری شال کا ذکر

لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہے اور جسنے خاصکر وہاں کی سوداگری کو چمکا اور کشمیر کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے وہ شال* ہے جسکو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں۔ اور جنکی کثرت کے باعث اُنکے چھوٹے چھوٹے بچوں تک بھی بے شغل نہیں رہتے۔

اِن شالوں کا طول قریب ڈیڈھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اُسکے دونوں پلّوں پر بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اوڑے پر جسکا عرض قریب ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بناے جاتے ہیں مغل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب اِن شالوں کو جاڑوں میں بطور

* آجکل کے زمانہ میں انگریزی سادی کپڑوں کے رواج پاجانے کے سبب سے ہندوستان میں عموماً شال کی پرستش بہت کم ہوگئی ہے اور اگرچہ اب سے دس پندرہ برس پیشتر کشمیر کی عمدہ شالیں فرانس کو بکثرت جاتی تھیں لیکن اب وہاں بھی بعض انقلابوں کی وجہ سے اسکی مانگ بہت کم ہوگئی ہے جس سے کشمیر کے بیچارے شالباف بہت مفلس ہوگئے ہیں ۱۲ س- م- ح

رضائی کے سر سے اوڑھ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنے جسم پر ڈولے رہتے ہیں! شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری اُون کی جو ملک ابشین کی پشم سے زیادہ نفیس و ملائم ہوتی ہے دوسری اُس پشم کی جسکو توزؔ کہا جاتا ہے اور جسکی ملائمت اور نفاست کو نیور یعنی سنگ آبی کی پوستین بھی نہیں پہنچتی اور بڑی تبت میں ایک قسم کی جنگلی بکریوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے۔

کشمیری اُون کے بدلے سے توز کی شالیں زیادہ تر عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہیں چنانچہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو اُمرا کے واسطے فرمائشی تیار ہوئی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آئی تھی۔ اور کشمیری اُون کی شال نہیں کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتی ہیں سنی ہے

شال کو اگر کئی مرتبہ کھول کر ہوا دیجائے تو بہت جلد کیڑا لگ جاتا ہے ہرچند پٹنہ آگرہ اور لاہور میں ایسی شالیں بنانیکے واسطے بڑی بڑی کوششیں

ت لک کشمیری سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ تبت کی طرف سے جو پشم آتی ہے اسکو یہاں کے لوگ توس یا شا کہتے ہیں یہاں اصل توس ہے کے مصنف یا اسا مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق حرف زیڈ یعنی ت کے ساتھ لکھدیا ہے۔ م ت تو ر ا ش ن ا

ملہ ہ سے اس میں تین تا سو روپیہ سے کم قیمت کی شال اچھی۔ بو شستی کے لائق بہت سمجھی جاتی اور پشمینہ شالیں تو ایکہزار سے لیکر دو ہزار روپیہ کی قیمت کی بھی بکتی ہیں گو ہماری معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے بیک بات اٹھ سو تک ہے بس سالت اور موقف کی قیمت میں جسکا ذکر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہ ہوگا کہ اوس وقت ایسا رواج اور ایک کام رواج ہوگا یا سبب ہوگا۔ اوس وقت کی نسبت چاندی کی قیمت گھٹ گئی ہے [illegible] [Spaan] [illegible]

عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی ملائمت اور بافت کی خوبی نصیب نہ ہوئی۔ اور شاید یہہ اُس مُلک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جسکے باعث کشمیری پرزے کو یہہ بے نظیر نفاست حاصل ہے۔ چنانچہ مچھلی پٹن کی چھینٹوں وغیرہ کی اعلیٰ رنگت کو بھی جنکو ہاتھ سے چھاپتے ہیں اور جو ہر شوب میں عمدہ ہی نکلتی آتی ہیں وہاں کے پانی ہی کی خاصیت سے منسوب کرتے ہیں۔

اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان

کشمیری لوگ خوبصورتی اور صباحت کے لیئے اہل فرنگ کیطرح مشہور ہیں اور نہ تو تاتاریوں کیطرح اُنکی ناک چپٹی ہوتی ہے اور نہ سور کی سی بدنما چھوٹی آنکھیں! جو اہل کاشغر اور اکثر بڑی تبت کے رہنے والوں کی علامت ہے۔ خصوصاً عورتیں بہت ہی حسین ہوتی ہیں اور قریباً ہر شخص جو اوّل ہی اوّل سلطنت مُغلیہ میں آکر اُمرار دربار کی ذیل میں داخل ہوتا ہے اسی مُلک سے اپنے لیئے بیوی یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اُسکی اولاد بہ نسبت ہندوستانیوں کے زیادہ گوری ہو اور اہل مغلوں میں محسوب ہو سکے۔ اور جبکہ بازار میں اور دکانوں پر اونے اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے قیاس کی رو سے اونچے گھرانوں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ بھی شک نہیں ہے

مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک طرح سے حسین مستورات کو دیکھنا

قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کی خاطر میں بھی اُسی طور کا فقرہ سا مکر عمل میں لایا تھا جیسے کہ مغل لوگ اکثر تاک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ

بہ نسبت تمام ہندوستان کے اس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ اور فی الواقع نزاکت اور لطافت اندام میں انکی شہرت بجا ہے۔ چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا خصوصاً ایک ایسے ہاتھی کے پیچھے جس پر جھول اور سامان ازبس تکلف پڑا ہوا تھا اور اس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ حسن نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہو جائیگا کیونکہ وہاں کی مستورات ان نقرئی گھنٹوں کی آواز سنتے ہی جو ہاتھی کے دونوں طرف لٹکائے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر باہر نکال نکال کر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

پھر ایک اور مکر اختیار کرنا

پہلے پہل کشمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلاتا رہا مگر آخر کار جب اس سے بھی زیادہ ایک اور عمدہ طریق ان کے دیکھنے کا اس شہر کے ایک مشہور بڈھے ملّا نے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا کرتا تھا مجھے سکھلایا تو میں نے اپنے مدعا کے حصول کے لئے اس پر عمل کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کر میں اسکے ساتھ پندرہ سولہ گھروں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جا سکتا تھا چلا گیا۔ ان سب گھروں میں مجھے اسنے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابھی ایران سے آیا ہے اور بڑا متمول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے اور جوں ہی ہم کسی گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً لڑکے بالوں کو شیرینی تقسیم کرنے لگ جاتا تھا اور اس حکمت سے اس گھر کی سب عورتیں کیا بیاہی کیا کنواری کیا بڈھی کیا جوان نہ صرف مٹھائی لینے کی خاطر بلکہ اس مراد سے بھی کہ میں انکو دیکھ لوں میرے

گرد جمع ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ اس شوق کے پورا کرنے میں میرا بہت سا روپیہ خرچ ہوا مگر اس تدبیر سے مجھے کچھ شک باقی نرہا کہ حقیقتاً کشمیر میں ویسا ہی حسن ہے جیسا کہ تمام فرنگستان میں۔

بھمبر سے کشمیر تک کوہستانی راستے اور عجائبات قدرت کا بیان۔

اب مجھکو صرف اُس سفر کی کیفیت لکھنی رہگئی ہے جو بھمبر سے کشمیر تک کوہستان کے اندر مجھے کرنا پڑا اور مجھے اپنے اِس خط کے شروع ہی میں لکھنا چاہیے تھا۔ اس کیفیت میں کچھ حقایق تو ایسے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب وجوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع تحقیق کرکے بہم پہنچائے ہیں! بس اب بھمبر کے راستہ کا حال سُنئے کہ جونہیں ہم اُس ہولناک دیوار عالم کی دوسری جانب پہنچے جس سے میری مُراد بھمبر کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سے خالی سیاہ پہاڑ ہے تو ہمکو ایک صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ملی اور میں پہلی ہی رات کو اپنے مَیں منطقۂ حارّہ سے منطقۂ معتدلہ میں پاکر متعجب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان سے فرنگستان میں پہنچ گیا ہوں جن پہاڑوں میں سے ہوکر ہمارا گزر ہوا وہ ہر قسم کے فرنگستانی درختوں اور جھاڑیوں سے سبز ہو رہے تھے مگر اُن میں زوفا زیرہ اور ضیمران٭ اور روزمیری[†] قسم کا گلاب نہ تھا۔ اور گویا میں اپنے تئیں آورن[#] کے

٭ ضیمران ایک تم ناز بوکی ہے۔ س۔م۔ح	† Rosemary
# فرانس کے ایک ضلع کا نام ہے۔ س۔م۔ح	# Auvergne

تھا جنہیں صنوبر بلوط وغیرہ کے درخت کثرت سے ہیں
ور ہندوستان کے جلتے بلتے میدانوں میں جنکو ہم ابھی
تھے اور جہاں کوئی شے بھی اس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی
ں فرق معلوم ہوتا تھا اور میری توجہ خصوصاً اُس پہاڑ کیطرف
سے دو دن کی مسافت پر تھا اور جسکی دونوں طرفیں مختلف
ں سے لدی ہوئی تھیں یعنی جو طرف جنوب رویہ اور
جانب ہے اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں
رتے ہیں اور دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف
ں اور نباتات سے بھری ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا
ہندوستان اور فرنگستان دونوں کی ہوا اور طبیعت
ے اور دوسری جانب (باعتبار زیادہ اعتدال کے)
ں کی سی آب و ہوا ہے ! راستہ میں میں اسحال کو دیکھکر
ب ہوا کہ ادھر تو بیشمار درخت کھوہوں اور غاروں میں جہاں
نے کی بھی جرأت نہیں ہوتی نیچے اوپر پڑے ہوئے سڑ گل
ہیں اور اُدھر اسیطرح بیحد درخت اور نئے نئے پودے
ختیار کرنیکے لئے بڑی خوشنمائی سے سرسبزی اور
ں میں لہلہا رہے ہیں ! میں نے بعض جگہ جلے ہوئے
ھے مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن پر بجلی گری تھی یا ایک دوسرے کے سر
نے سے جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز و تند ہوا کے چلنے سے

درختوں میں یہہ حالت اکثر واقع ہوجاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق خشک اور پرانے ہوکر اُن میں خود بخود آگ لگ اُٹھتی تھی

> ایک عجیب آبشار جسکے قریب جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک عالیشان عمارت ہے

خوشنما آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے مابین اکثر بڑے زور و شور سے گرتی ہیں خوبی اور لطف سیر کو نہایت ہی بڑھا دیا ہے۔ خصوصاً ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے مینے اسکو ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہوکر کچھ فاصلے سے دیکھا کہ پانی کا ایک سیلاب ایک لمبے اور تاریک راستہ سے جو برابر درختوں سے ڈھکا ہوا ہے آکر بڑی تیزی کے ساتھ دفعتاً ایک بڑی سیدھی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ کان سُن ہوجاتے ہیں بادشاہ جہانگیر نے اس آبشار کے متصل ایک پہاڑ کو ہموار کراکر اُسپر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرادی ہے تاکہ اہل دربار اس حیرت افزا صنع قدرت کے تماشا کو وہاں سے بآرام بیٹھکر ملاحظہ کر سکیں۔ اس آبشار اور اُن درختوں سے جنکا ذکر اوپر ہوا قدامت اور کہنگی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آفرینش عالم کے ہم سن کہنا شاید بیجا نہیں ہے۔

> پیر پنجال کی چڑھائی میں بیگمات کی سواری کے ہاتھیوں کا گرجانا اور کئی عورتوں کی جان کا تلف ہونا

اس جگہہ ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے ہمارے سیر و تماشے کا لطف بالکل منغص ہوگیا بادشاہ اسوقت پیر پنجال پہاڑ کی چڑھائی پر تھا جو سب پہاڑوں سے اونچا ہے اور جہاں سے ملک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگتا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار چلی آتی ہے جن پر عماریوں اور میگھڈمبروں میں بیگمیں سوار تھیں اس قطار میں کا سب سے اگلا ہاتھی لوگوں کی دانست میں راستہ

کی بلندی اور درازی سے خوف کھا کر پیچھے کو ہٹا اور اُس ہاتھی پر آن گرا جو اُس کے پیچھے آتا تھا اور اسیطرح پندرہ ہاتھیوں کے ایک دوسرے پر گر پڑنے کی نوبت پہنچ گئی۔ اور اب نہ تو وہ گھوم ہی سکتے تھے اور نہ دائیں بائیں حرکت کر سکتے تھے کہ اُس تنگ و ڈھلواں راستے سے اپنے تئیں نکال لیں اور آخر بخود بخود نیچے جا گرے۔ مگر جس مقام پر یہ ہاتھی گرے تھے خوش قسمتی سے وہ جگہ چنداں بلند نہ تھی اسلئے صرف تین یا چار ہی عورتوں کی جان تلف ہوئی۔ لیکن ہاتھیوں میں سے کسی ایک کے بچانے کی بھی کوئی صورت نہ نکلی۔ یہ جانور جب کبھی بھاری بوجھ سے جو اکثر اُسپر لادتے ہیں دبکر بیٹھ جاتا ہے تو پھر اچھے رستہ پر بھی نہیں اُٹھ سکتا پس ایسی خراب جگہ میں کسطرح اُٹھتے۔ چنانچہ جب ہم دو روز بعد پھر اسی راستہ سے گزرے تو ہم نے دیکھا کہ بیچارے کئی ہاتھی ابتک پڑے ہوئے اپنی سونڈیں ہلا رہے تھے۔ اُس فوج کو جو چار دن سے قطار باندھ کر ان پہاڑوں میں کوچ کر رہی تھی اس حادثے کے باعث سخت تکلیف اُٹھانی پڑی کیونکہ اُس روز کا باقی ماندہ دن اور تمام اگلی رات بیگمات کی جان بچانے اور اسباب سنبھالنے میں گزرے اور اتنی دیر تک سپاہ کو مجبوری اسی جگہ ٹھہرنا پڑا اور اس سبب سے ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ گویا بندھا کھڑا رہا۔ کیونکہ بہت سے مقامات ایسے تھے کہ وہاں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ناممکن تھا اور قلی لوگ جن کے پاس خیمے اور رسد تھی وہاں پہنچ نہیں سکتے تھے۔ مگر یہ میری معمولی خوش قسمتی میرے ساتھ تھی۔ میں راستہ سے الگ نکل کر ایک ایسی جگہ جا چڑھا تھا کہ جہاں میں نے

اور میرے گھوڑے نے آرام وقت بسر کیا اور تھوڑی سی روٹی جو میرے نوکر کے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ کھائی۔

ایک بچھو کاٹنے کی عجیب حکایت

مجھکو یاد ہے کہ اسی جگہہ پر پتھروں کے ہلانے جلانے سے ہمکو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جسکو ایک نوجوان مغل نے جو میرے جان پہچان والوں میں سے تھا اُسے اُٹھا کر اپنی مٹھی میں دبالیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا اس نوجوان سوار نے اسکا باعث یہہ بیان کیا کہ میںنے اسپر قرآن کی ایک آیت پڑھکر پھونک دی ہے اور اکثر بچھوؤں پر میں اسیطرح پڑھکر پھونک دیتا ہوں۔ مگر مجھے اُس آیت کے سکھلانیسے انکار کرنے کی اُسنے یہہ وجہ بیان کی کہ اُسکی تاثیر اُس سے منتقل ہوکر میرے میں آجاویگی جیسا کہ بقول اُسکے اُسکے اُستاد کا حال ہوا تھا یعنی جب اُسنے اُس نوجوان کو یہہ عمل سکھلایا تو فوراً اُسکی تاثیر اُستاد کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

پیر پنجال مصنف کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا

جب ہم پیر پنجال پر سے جارہے تھے میں اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ملاحظہ کیا۔

(۱) گرمی و سردی کی دو متضاد کیفیتیں

ایک تو یہہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور سردی کی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوئیں یعنی چڑھائی کے وقت تو دھوپ بہت سخت معلوم ہوتی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوے جاتے تھے لیکن چوٹی پہ پہنچتے ہی ہمنے اپنے تئیں جمی ہوئی برف کے اندر پایا جسکو کاٹ کر لشکر کے گزرنیکواسطے راستہ بنایا گیا تھا جہاں خفیف خفیف برفانی بارش بھی ہو رہی تھی

اور ٹھنڈی ہوا ایسی تندی کے ساتھ چل رہی تھی کہ بیچارے ہندوستانی لوگ جنمیں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں اٹھائی تھی پہلے ہی پہل اُس برف کو دیکھکر بڑی تکلیف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گھبرا کر بھاگ بھی گئے۔

(۲) حیرت دو سو قدم کے فاصلہ میں دو مخالف سمتوں سے ہوا کا چلنا

دوسری یہہ کہ صرف دو ہی سو قدم کی مسافت کے اندر دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی۔ یعنی چڑھائی کے وقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی تھی اور اُترائی کے شروع ہوتے ہی ہماری پشت یعنی جنوب کیطرف سے چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اسکا سبب یہہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بخارات اُٹھکر جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہو کر اُس ہوا کی پیدائش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے اور اُترائی کی دونوں مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہہ معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب ہلکی اور لطیف ہو جاتی ہے تو اوپر کی ثقیل ہوا اُسکی جگہ لینے کو نیچے اُتر آتی ہے اور یہہ اُتار چڑھاؤ ہوا کی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

(۳) ایک عمر رسیدہ درویش کو یہ بتانا کہ پہاڑ پر شور و غل مچانے سے طوفان آتا ہے —

تیسری یہہ کہ اُس پہاڑ کی چوٹی پر ایک عمر رسیدہ درویش دیکھا جو جہانگیر کے وقت سے یہاں رہتا ہے اُسکے مذہب سے لوگوں کو کچھ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہہ بیان کرتے تھے کہ اُس سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں

عجیب عجیب طرح کی گرج - طوفان - برف - اولے اور مینہ پیدا ہو جاتا ہے
اُسکی سفید اور اُلجھی ہوئی داڑھی بہت گھن دار اور لمبی تھی اور چہرے پر
کچھ وحشت اور بد مزاجی کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکھڑپن سے
مانگتا تھا اور لوگوں کو اُن مٹی کے پیالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا
جو ایک بڑے سے پتھر پر اُسنے بطور قطار کے چُنے ہوئے تھے اور ہاتھ
سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نکرو جلد اُتر جاؤ اور جو لوگ کچھ غل مچاتے
تھے اُن سے سخت ناراض ہوتا تھا - مگر جب میں اُس غار میں کہ جہاں وہ بیٹھا تھا
پُہنچا اور مؤدب طور پر اُسکے ہاتھ پر ایک اٹھنّی رکھکر اُسکا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُسنے مجھے
کہا کہ یہاں شور و غل مچانے سے ہوا اور مینہ کا ایسا سخت طوفان پیدا ہو جاتا ہے
جو انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا - اور کہا یہہ اورنگ زیب کی دانائی
ہے جو اُسنے ہماری نصیحت مانکر سپاہ و لشکر کو چُپ چاپ اور تعجیل کے ساتھ
اُتر جانے کا حکم دیا ہے اور اسکا باپ شاہجہاں بھی ایسے ہی حزم و احتیاط
کے ساتھ عمل کیا کرتا تھا - مگر جہانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو ہنسی میں
اُڑا کر باوجود ہماری تاکیدی ممانعت کے نقّارے اور نفیریاں بجانیکا
حکم دیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھرا کہ ہلاک ہوتے ہوتے بچ گیا -

کشمیر کے بعض چشموں وغیرہ کا دلچسپ بیان

اب میں آپکی خدمت میں اُس سیر و سیاحت کا حال
بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میں نے اِس مُلک کے
مختلف حصّوں میں کی ہے - شہر کشمیر میں پہنچتے ہی ہمارے نواب دانشمند خاں
نے مجھکو اِس مُلک کی پرلی حد تک بھیجا جو دارالحکومت سے ہلکی سی تین منزل

ہے تاکہ میں ان عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک اُبلتے چشمے سے منسوب کئے جاتے ہیں میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کیواسطے نواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

چشمہ سوندہ براری کی وجہ تسمیہ اور اسکے دریافت ہونیکے اور اسکے سب کی نسبت کا بیان

عجائبات یہہ ہیں کہ ماہ مئی میں جسوقت برف پگھلنے لگتی ہے پندرہ روز تک یہہ چشمہ فوارہ کیطرح برابر جاری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند ہو جاتا ہے اکثر پون گھنٹہ تک اُس سے متواتر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع حوض کے بھر دینے کو جو دس بارہ فرانسیسی فٹ عمق اور اسیقدر طول و عرض رکھتا ہے کفی سے بھی زیادہ ہے اور جب پندرہ روز گزر جاتے ہیں تو پانی کی آمد اسیقدر کم ہوکر اس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آجاتا ہے اور ایک مہینا گزرنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور متواتر بارشوں میں مثل اور چشموں کے بلاانقطاع اور بلااندازہ جاری رہتا ہے۔ اس حوض کے کنارے پر ہندوں کا ایک مندر ہے جو براری دیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے لوگ اس کو سوندہ براری یعنی آبِ براری کہتے ہیں۔ چنانچہ جاتری لوگ دور دور سے آکر اس مندر پر جمع ہوتے ہیں تاکہ اس معجزنما اور پوتر پانی سے اشنان کریں۔ اس چشمہ کی اصلیت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی

وجہ سے انکا بیان چنداں دلچسپ نہ ہوگا - پانچ چھ روز جو مجھکو یہاں ٹھہرنیکا اتفاق ہوا تو میں اس عجوبگی کا سبب دریافت کرنے میں کوشش کرتا رہا چنانچہ مینے اس پہاڑکو جسکے دامن میں یہہ عجیب چشمہ نکلتا ہے بغور ملاحظہ کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اسکی چوٹی پر پہنچکر قدم بقدم پر تلاش کرنے اور دیکھنے میں کوئی حصہ اُسکا دریافت سے باقی نہ چھوڑا - اُسکا طول شمال سے جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اور پہاڑوں کے بہت قریب ہی مگرتاہم سب سے بالکل جدا ہے - اُسکی ہیئت گدھے کی پیٹھ کے مشابہ ہے اور اگرچہ چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر عرض غایت درجہ سو قدم بھی مشکل سے ہوگا - اسکی ایک طرف شمال رویہ ہے جسپر سبز گھاس کے سوا اور کچھ نہیں ہے مگر صبح کے آٹھ بجے تک مقابل کے پہاڑوں کے حائل ہوجانے کی وجہ سے اُسپر دھوپ نہیں آتی - اور غربی جانب درختوں اور نباتات سے پر ہے - پس یہہ حالات دیکھکر مینے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید حرارت آفتاب اُسکے موقع کی خصوصیت اور اندرونی کیفیتوں سے ملکر اس عجوبگی کو پیدا کرتی ہے اور اس بناپر مینے اپنی یہہ راے قایم کی کہ جاڑے کے موسم میں جبکہ تمام زمین برف سے ڈھک جاتی ہے کچھ پانی اس پہاڑ کے اندرونی حصوں میں رس کر اور منجمد ہوکر اُسیطرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب صبح کے وقت سامنے کی دھوپ سے پہاڑ کا وہ حصہ گرم ہوجاتا ہے جسپر سب سے پہلے دھوپ آتی ہے تو وہ پانی پگھل کر پہاڑ کی دراڑوں میں سے دوپہر کیوقت چشمہ کی جگہہ پھوٹ نکلتا ہے اور جسوقت وہ مقام جو صبح کی دھوپ سے گرم ہوا تھا

آفتاب کے بلند ہو جانے کے باعث سرد ہو جاتا ہے تو اُس جگہ سے پانی کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب دوپہر کے وقت آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُسکے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کے دوسرے حصہ کا پانی پگھلنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج دوسرے راستوں سے انہیں پہلے راستوں میں آجاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بہنے لگتا ہے پھر جب آفتاب کی دھوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی اثر اُس طرف کے منجمد پانی پر ہوتی ہے جو صبح کے وقت پانی نکلنے کا باعث ہے مگر یہ جو پانی چشمہ سے آہستگی کے ساتھ نکلتا ہے اسکا باعث یہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ کے مونہہ سے کسیقدر فاصلہ رکھتا ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ کثرت اشجار کی وجہ سے حرارت آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف کم اثر پذیر ہوتی ہے بانقطارات کی سردی اسکا سبب ہے کہ جسکے باعث پانی کا جریان کسیقدر سست ہو جاتا ہے۔

میرے ان دلایل کو اس بات پر غور کرنے سے تائید پہنچتی ہے کہ پہلے دنوں میں پانی کثرت سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج گھٹکر بالکل بند ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی پہاڑ کی درزوں میں جما ہوا پڑا تھا ابتدا میں زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا۔ علاوہ بریں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ ابتدائی موسم ہی میں کیوں نہ ہو بالکل غیر معین طور کی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو رات یا صبح کی نسبت زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی صبح کو نسبت دوپہر

کے کثیر المقدار ہوتا ہے جسکا سبب ظاہر ہے یعنی یہہ کہ کسی دن گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کسی دن کم اور بعض اوقات ابر کے سبب دھوپ کی حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہو جانا پانی کے بہاو میں کمی اور زیادتی کا باعث ہوتا ہے ۔

اچھ بل نامہ ایک خوش ۔ چشمے اور وہاں کے باغ کا ذکر ۔

سونمرگ برارنی سے واپسی کے وقت میں شاہراہ سے تھوڑا سا چکر کھا کر آیا تھا تاکہ اچھ بل کی بھی سیر کرتا چلوں ! یہہ جگہہ شہر کشمیر کے توابع میں ایک بادشاہی باغ ہے جو سابق میں راجگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہان مغلیہ کی سیرگاہ ہے جو چیز کہ بالتخصیص اس جگہہ کی حسن خوبی کا باعث ہے وہ ایک جوشندہ چشمہ ہے جسکا پانی سیکڑوں چھوٹی چھوٹی نہروں میں منقسم ہو کر اس مکان کے گرد اور کل باغ میں پھرتا ہے اور خالی از لطف نہیں ۔ اس چشمہ سے پانی اس شدت سے اُچھلتا ہے کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ اُسکو دریا کہنا چاہیے نہ کہ چشمہ اور نہایت لطیف اور برف کی مانند سرد ہے ۔ یہہ باغ بہت خوبصورت ہے اُسکی روشیں نہایت اسلوب سے بنی ہوئی ہیں ۔ اور میوہ دار درختوں ۔ مثل سیب ۔ ناشپاتی ۔ الوچہ اور زردآلو سے بھرا ہوا ہے ۔ فوارے مختلف وضع اور شکل کے اور مچھلیوں کے رکھنے کے لئے حوض کثرت سے بنے ہوئے ہیں ۔ اس جگہہ ایک ابشار ایسی بلند ہے کہ گرتے وقت تیس یا چالیس قدم کے طول میں ایک سفید اور خوبصورت چادر کی شکل بنجاتی ہے ۔ اور ایک ایسی عجیب کیفیت

پیدا کرتی ہے جو قیاس سے باہر ہے - خصوصاً رات کیوقت جب اس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صدہا چراغ روشن کر دیے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے -

> ایک اور بادشاہی باغ اور وہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر ---

اچھہ بل سے چلکر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا جو وہ بھی ایسا ہی آراستہ ہے اور اس باغ کے حوض کی مچھلیاں آدمیوں سے ایسی مانوس ہیں کہ بلانے یا روٹی کا ٹکڑا ڈالنے سے نزدیک آجاتی ہیں - اور بڑی بڑی مچھلیوں کے جبڑوں میں سونے کے بالے پڑے ہوئے ہیں جنپر کچھ لکھا ہوا ہے - کہتے ہیں کہ یہہ بالے نورمحل (نورجہاں بیگم) نے جو اورنگ زیب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہنائے تھے -

> بارہ مولا کی بابت کے بعض معجزہ بیہودہ کے سنائے جانے کی غلط فہمی اور ایک ایسے ہی اور بیہودہ اعتقاد کا ذکر ---

جب میں نے واپس آکر سونده برازی کے حالات دانشمند خاں سے بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اکو سنکر خوش ہوئے - پھر انہوں نے مجھے ایک اور طرف جانے کی فرمایش کی تاکہ میں بھی اس عجیب امر کی تصدیق کروں جسکو اور لوگوں کی طرح وہ بھی فی الحقیقت کرامت سمجھتے تھے اور ان کے گمان میں وہ ایسی کرامت تھی کہ میں اسے دیکھکر مسلمان ہو جاؤنگا - انہوں نے فرمایا کہ آپ ذرا بارہ مولا تک ہو آیئے جسکا فاصلہ سونده برازی سے کچھ زیادہ نہیں ہے - وہاں ایک مقبرہ ہے جسمیں ایک مشہور پیر کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں مگر ان کی کرامت سے ابتک بیمار اور ناتوان

لوگوں کو شفا ہوتی ہے۔ اور مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو خدا یا آپ دنیا میں مگر اُس بزرگ کی کرامت سے ایک اور کرشمہ ظہور میں آتا ہے۔ جسکو دیکھکر ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مقدس سل پڑی ہے جسکو نہایت طاقت ور آدمی بھی زمین سے نہیں اُٹھا سکتا لیکن گیارہ آدمی اُس ولی کے حق میں کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھکر اپنی اُنگلیوں کے سرے سے ایسی آسانی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اُٹھا لیا۔ مینے اس دوسرے سفر کی تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کر لیا اور اپنے دونوں پہلے رفیقوں کے ساتھ چلدیا۔

بارہ مولا کو مینے ایک فرحت بخش جگہہ پایا۔ اور اگرچہ مقبرہ تو کچھ بہت بڑی لاگت کا مکان نہ تھا مگر اُس پیر کی قبر البتہ تکلف سے آراستہ تھی۔ اور اُسکے چاروں طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار ہیں۔ اُس مقبرہ کے متصل ایک باورچیخانہ ہے جہاں مجھکو بڑی بڑی دیگیں گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے مینے فوراً تاڑ لیا کہ بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانیکے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور یہی انکی شفا کے لئے کرامات کا حکم رکھتی ہیں۔ مقبرہ کے دوسری جانب ایک باغ اور مجاور لوگوں کے حجرے ہیں جنھوں نے اپنے پیر کی مقدس کرامتوں کے اظہار کو اپنی گزران کے لئے ایک بخشش حیلہ بنا رکھا ہے اور اُسکی کرامتیں اور محامد اور مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے بدقسمت ہوں پس جبتک

میں بارہ مولا میں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُسکے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اب اُس بھاری سل کا حال سُنیئے جو مجھے مسلمان بناتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُسکے گرد حلقہ باندھ لیا مگر اُنکی نیچی نیچی قباؤں اور مشق کی ہوئی بلا فصل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اُٹھاتے تھے بڑی دقت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے اُنکی سب مکاری اور ہیرا پھیری معلوم ہوگئی اور اگرچہ یہہ لوگ بڑی شدومد سے ادعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی انگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک پر ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہوگیا کہ سارا زور لگائے بدون وہ زمین سے نہیں اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہہ بھی معلوم ہوگیا کہ مجاوروں نے اس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی اُنگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے انگوٹھے بھی لگائے تھے۔ مگر با اینہمہ میں بھی اُن کے اور اس کے طرفداروں کے ساتھ جو "کرامت کرامت" پکار رہے تھے ہم آواز اور ہم آہنگ ہوگیا۔ پھر میں نے اُنکو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدت مندانہ صورت بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایکدفعہ اس مقدس پتھر کے اُٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کروں۔ یہہ لوگ پہلے تو متامل ہوئے مگر جب میں نے ایک روپیہ اور نذر کیا اور کرامت کی سچائی کی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہ دیدی۔ کیونکہ

اُنکو یقیناً یہہ اُمید تھی کہ دس آدمی کچھ زیادہ زور لگاکر اس پتھر کو اُٹھا لینگے خواہ میں اپنی اُنگلی کی صرف ایک پور لگا نیکے سوا اُسکے اُٹھا دینے میں کچھ زیادہ مدد نہ دوں۔ اور اُنکو یہہ بھی توقع تھی کہ ایسی چالاکی کے ساتھ اُسکے اُٹھا لینے کا انتظام کرینگے کہ مجھکو اُنکا فریب معلوم نہ ہو سکے گا۔ مگر جب اُنکو یہہ معلوم ہوا کہ پتھر جسکو میں بجز اپنی اُنگلی کی پور کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا برابر میری طرف جھکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت نادم ہوے اور بالآخر میں نے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی اُنگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بزور تھامنا مناسب سمجھا اور ہم سب اسکو بڑی مشکل کے ساتھ اُسکی معمولی بلندی تک لے گئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بُری نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے مثلاً یہہ کہ یہہ شخص پتھر کے اُٹھانے کے مخاطرہ میں پڑنیکے باعث خود پتھر بن جانے کی سزا کے لایق ہے تو میں نے مناسب جانکر پھر" لفظ کرامت کرامت " پکارنے میں اُنکا شریک ہو جانا پسند کیا اور ایک تیسرا روپیہ اُنکی طرف اُوچھالکر اس ازدحام سے جھٹ پٹ آنکھ بچاکر نکل آیا۔ اور اگرچہ صبح سے مینے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا مگر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر پیر صاحب اور اُنکی کرامت کو ابدالآباد تک وہیں چھوڑ آیا۔ اسجگہہ کی آمد و رفت سے یہہ فائدہ البتہ ہوا کہ اُن مشہور چٹانوں کو دیکھ لیا جنکے بیچ میں سے گرکر تمام ولایت کشمیر کی نہروں اور جھیلوں کا پانی ایک دریا بنکر نکلتا ہے۔ اور جسکا اشارہ میں اِس خط کے شروع میں کر چکا ہوں۔

ایک جھیل کے اندر ایک حجرے کی علامت کی نسبت لوگوں کے اس بیہودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے

میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہوکر ایک بڑی جھیل کیطرف چلا گیا جو معمولی شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر تھی - اس جھیل میں مچھلیوں اور خصوصاً مارماہی کی بڑی کثرت ہے اور مرغابیاں اور راج ہنس اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں اس جگہہ شکار کھیلنے اکثر آتا ہے اور اسوقت پرندوں کی اس جگہہ نہایت کثرت ہوتی ہے اس جھیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک باغیچہ اور حجرہ ہے جسکو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے اور جو فقیر یہاں رہتا ہے مدت العمر اسیمیں بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا - اُن ہزاروں مہمل اور بیہودہ حکایات سے جو اس حجرہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک معتبر روایت کے کہ کشمیر کے راجگان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند بیکار اور مضبوط شہتیروں کو باہم جوڑکر اُن پر ایک حجرہ تعمیر کردایا تھا میں اپنے اس خط کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا ! وہ دریا جو بارہ مولا کو جاتا ہے اس جھیل کے وسط میں ہوکر گذرتا ہے -

ایک چشمہ کا جو دورے سے آتا ہے اور [illegible] کے اس طبع پر [illegible] کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال

اس جھیل سے چلکر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جسکو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے -

یہہ چشمہ بلبلے کی شکل میں آہستگی کے ساتھ اوبلتا اور پھر تند زور سے تھوڑا سا بلند ہوجاتا ہے ، اسکے پانی میں کسیقدر صاف اور شفاف ریگ ملی ہوی نظر آتی ہے جو کچھ زور سے پانی کے اوپر کو چڑھکر پھر

نیچے چلی جاتی ہے - اور اسکے بعد دو ایک لمحہ تک پانی کا جوش کھاتا ہوا
ایک کا اوپر کو چڑھنا تھم جاتا ہے اور پھر بدستور سابق پانی زور کرتا ہے اور
ایک اوپر کو چڑھکر نیچے بیٹھ جاتی ہے - اور اس چشمہ کا یہہ حرکت اور سکون
طرح کے غیر معین نظام میں جاری رہتا ہے ! سب سے زیادہ عجیب
اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شور خواہ
نے سے ہو خواہ زمین پر پاؤں مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے
جیسا کہ مینے ابھی بیان کیا اُسکے اُبلنے اور بہنے کا باعث ہو جاتا ہے گر
مینے دریافت کرلیا کہ اسمین نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پاؤں مارنے
سے بلکہ اسکی حرکت اور سکون کا حال خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سا رہتا ہے
اور چونکہ مینے اسکے اصل باعث کی نسبت بخوبی غور نہیں کی اسلئے آپکی
خدمت میں کوئی قابل اطمینان تشریح نہیں لکھ سکتا مگر شاید یہہ سبب ہو کہ ریت اپنی
ثقل طبعی کے باعث اُس کم زور چشمہ کے تنگ مجرا میں عود کرکے پانی کے
اچھلنے میں روک پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ
جمع ہو جاتا ہے تو ریت کے ہٹانے اور راستہ کے کھولنے کے لیئے
پھر زور کرتا ہے یا بظن غالب شاید یہہ ہو کہ جو ہوا اسکے مجرا میں بھری
ہوئی ہوتی ہے وہ لمحہ بلمحہ اوپر کو چڑھتی ہے جیسے کہ عموماً فواروں
میں یہہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے -

جھیل کا ذکر جسمیں سب کے ... بڑی کرتے پڑی رہتے ہیں

جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھ چکے تو ایک اور
وسیع جھیل کے دیکھنے کو پہاڑ پر چڑھے جس میں

گرمی کے موسم میں بھی برف موجود رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے برف کے بہت بڑے بڑے ٹکڑے بحر منجمد کیطرح کبھی مجتمع اور کبھی منتشر ہوتے رہتے ہیں۔

مقام موسوم سنگ سفید کے قدرتی پھولوں کی پیداوار اس روایت کا ذکر کہ شور و غل کرنے سے وہاں سخت بارش ہونے لگتی ہے ---

اس کے بعد ہم اس مقام سے ہو کر گذرے جسکو سنگ سفید بولتے ہیں۔ یہہ جگہ دو باتوں کے لئے مشہور ہے

(۱) ایک یہہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے ویسے ہی پھول پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے عمدہ باغ میں۔

(۲) دوسرے یہہ کہ یہاں قدیم سے ایک یہہ روایت چلی آئی ہے کہ جب آدمیونکا زیادہ ازدحام ہوتا ہے اور وہ شور و غل مچا کر ہوا میں حرکت پیدا کرتے ہیں تو ضرور شدت سے بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسا اتفاق خواہ عموماً ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ چند سال گزرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اُسنے غیر ضروری شور و غل کی ممانعت کیواسطے احکام بھی جاری کر دئے تھے مگر پھر بھی غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اُسکے تمام ہمراہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئے تھے اس بیان کو سنکر آپ اُس بڈھے فقیر کی گفتگو یاد فرمائینگے جو کوہ پیرپنجال پر مجھسے ہوئی تھی۔

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک غار کو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے دو دن کی راہ پر تھا اور اسمیں عجیب عجیب طور کی منجمد چیزیں قابل مشاہدہ تھیں۔ مگر اتنے میں میرے پاس خبر پہنچی کہ ہمارے نواب صاحب میری

بہت دنوں کی غیر حاضری سے فکرمند او متردد ہیں اسلئے مجھے ایذاءاو ترک کرنا پڑا۔

کشمیر کے قرب وجوار کے پہاڑی ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب اور سادہ لوحی کا بیان ——

جب سے میں یہاں آیا ہوں ہر چند میرے خیالات اسی مضمون کی طرف مائل رہتے ہیں مگر مجھے کوئی ہم شوق اور ہم خیال شخص بہم نہیں پہنچا۔ اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جسکو کاوش اور تلاش ہو اور اُن امور سے واقفیت رکھتا ہو جنکو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسلئے مجھے افسوس ہے کہ کشمیر کے قرب وجوار کے کوہستان وغیرہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دیسکتا ہوں۔ مگر بہرحال جو کچھ مینے دریافت کیا ہے آپکو لکھتا ہوں۔ وہ تاجر لوگ جو شال بنانے کی عمدہ پشم کے جمع کرنیکے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ اُن پہاڑوں کے اندر جو اب بھی کشمیر کے توابع میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور اُن میں سے ایک علاقہ تو ایسا ہے کہ جسکے سالانہ خراج میں صرف اُون اور چمڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں حسن وجمال اور پاکدامنی اور دستکاری میں ضرب المثل ہیں اور اس سے آگے بڑھکر ایک اور علاقہ جسکے وادی بہت خوشنما اور میدان سیر حاصل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا غلہ اور سیب اور ناشپاتی اور زردآلو اور نفیس خربوزہ اور انگور (جس سے عمدہ شراب بنتی ہے) کثرت سے ہوتا ہے اور اسکا خراج بھی چمڑے اور اُون ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوجاتا ہے کہ اسکے باشندے اپنے ملک کی دشوار گذاری

کے بھروسہ پر ادائے خراج سے انکار کر بیٹھے ہیں لیکن سرکاری فوج وہاں جاکر پھر مطیع کر لیتی ہے۔ سوداگر لوگوں سے میں یہہ بھی سنتا ہوں کہ دُور دُور کے پہاڑوں میں جو اب کشمیر کے باجگزار نہیں رہے اور بھی اچھے اچھے خوشنما علاقے ہیں جہاں کے لوگ سرخ و سفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا انس رکھتے ہیں کہ کبھی شاذ و نادر ہی باہر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک تحقیق ہوسکا ہے کچھ مذہب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو ناپاک سمجھکر کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اب میں وہ حال بیان کرتا ہوں جو چند روز ہوئے مجھسے ایک بڈھے نیک مرد نے کہ جسنے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیان کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگان کشمیر کے خاندان کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کررہا تھا یہہ بڈھا بچکر اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کوہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں مگر پھرتے پھرتے آخرکار وہ ایک خوشنما چھوٹے سے ضلع میں جانکلا جہاں اُسکے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اس خوش نصیب شخص کے روبرو پیشکش اور نذرانوں کے انبار لگادیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اس التجا سے لیکر حاضر ہوئے کہ آپ ان میں سے کسیکو پسند فرمالیں تاکہ اس مُلک کو آپ کی نسل سے فخر حاصل ہو۔

پھر یہہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا گیا اور وہاں بھی اُسکی ویسی ہی آؤ بھگت ہوئی لیکن شام کیوقت کی تواضع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہمسایوں کو بیوقوف سمجھکر اور یہہ آل اندیشی کر کر کہ لڑکیاں تو آخرکار اپنے خاوندوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائیں گی اپنی جوروئیں پیش کیں۔

> چھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش لیکر کشمیر میں حاضر ہونے اور اسکی زبانی ملک تبت کے جو حالات معلوم ہوئے اُن کا ذکر

چھوٹی تبت جو کشمیر کی سرحد پر ہے اُسکے فرمانروا خاندان کے لوگوں میں چند سال سے بڑی بڑی تنازع ہو رہے تھے جنمیں سے آخرکار ایک شخص* نے جو حکومت و ریاست کا دعویدار تھا پوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہان کے حضور سے حکم ہو گیا کہ جو مدد درکار ہو دیجائے چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض دعویدار تو قتل ہوئے اور بعض بھاگ گئے اور اسکو اس شرط کے ساتھ مسند پر بٹھا دیا گیا کہ سال بسال کسیقدر بلور مشک اور شال بنانے کی اُون بطور خراج دیا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہہ چیزیں بطور پیشکش لیکر بذات خود اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا مگر ایسے حقیر سامان کے ساتھ آیا ہے کہ میں تو کبھی اسکو عالی رتبہ شخص خیال نہیں کرسکتا! ہمارے نواب نے اس غرض سے اُسکی دعوت کی کہ اُس سے اُسکے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کرسکیں۔ چنانچہ اُسنے ہم سے بیان کیا کہ تبی

* عالمگیر نامہ میں اس شخص کا نام "مراد خاں" لکھا ہے۔ س م ح

تبت میری ریاست کی حد شرقی ہے اور اُسکا عرض قریب نوّے یا
اکیانوے میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلور، مشک اور پشم یہہ اشیا
بہم پہنچتی ہیں۔ مگر میں چنداں متموّل نہیں ہوں اور لوگوں کا یہہ عام گمان
کہ میرے قبضہ میں سونے کی کانیں ہیں بالکل غلط ہے اُسنے یہہ بھی
بیان کیا کہ اُسکے ملک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتے
ہیں خصوصاً خربوزہ جو کسی قسم کا ہوتا ہے۔ مگر کثرت برف کے باعث
جاڑا بڑی شدت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بت پرست
تھے مگر اب الّا مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ
ہوں۔ اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ سترہ اٹھارہ برس گزرے کہ شاہجہاں نے
بڑی تبت کو جسپر راجگان کشمیر کی اکثر تاخت ہوتی تھی تسخیر کرنے کا ارادہ
کیا تھا اور سپاہ نے بعد سولہ دن کے ایک مشکل سفر کے جو کوہستان میں
سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے بھی لیا تھا اور وہاں کے لوگوں
میں ایسی ہل چل ڈال دی تھی کہ بیشک تمام ملک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ بھی
ایک مشہور اور تیز رو دریا سے جو راستہ میں آتا ہے اوتر کر اسیوقت جرأت
کر کے ریاست گاہ کو جا لیتی۔ مگر چونکہ موسم مخالف آن پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر
جو اس فوج کا حاکم تھا اس اندیشہ سے واپس آگیا کہ کہیں برف نہ آن دبائے
اور اس مفتوحہ قلعہ میں کسیقدر سپاہیوں کو اسلئے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے
شروع میں پھر یورش کرونگا۔ مگر فوج متعینہ قلعہ نے عجب حرکت کی کہ
قلعہ کو یا تو دشمن کے خوف سے یا قلت رسد کی وجہ سے ناگہاں اور

خلاف توقع خالی کر دیا۔ اور اس طرح سے بڑی تبت کا ملک جسکی تسخیر آیندہ فصل بہار پر ملتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچ رہا۔

> بڑی تبت کے سفیر کے اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اور تحائف جو وہ لایا تھا ان کا اور اسکی ذلیل حالت کا ذکر

چونکہ اس ملک کو اورنگ زیب کی فوج کشی کا خوف تھا وہاں کے رئیس نے بادشاہ کی کشمیر میں تشریف آوری سنکر اپنے ایک سفیر کو اپنے ملک کے تحائف بطور مشک سنگ یشب اور سرہ گائے کی سفید اور عمدہ دُمیں دیکر جو بالتخصیص اسی ملک میں ہوتی ہیں اور زیبائش کی خاطر ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکا دیتے ہیں بھیجا۔ سنگ یشب جو اس دفعہ پیشکش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اسی جہت سے بیش قیمت ہے۔ دربار مغلیہ میں یہ پتھر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں۔ ان کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اسمیں سفید سفید دھاریاں ہوتی ہیں اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے برادہ کے ساتھ تراشا جاتا ہے۔ پیالے اور پھولدان اسی پتھر کے بنتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس بھی اس پتھر کی چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں جنمیں سنہری تار اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔

ان جناب ایلچی صاحب کی جلو میں تین چار تو سوار تھے اور دس بارہ لمبے لمبے قد والے دُبلے اور سوکھے ہوئے سڑیل پیادے۔ جنکے مونہہ پر چینیوں کیطرح داڑھی کا کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرح کی غریبانی ٹوپیاں سرخ رنگ کی پہنے ہوے تھے۔ جیسے

کہ ہمارے فرانس کے ملاح پہنتے ہیں اور اُن کے باقی لباس کی شان وشوکت بھی اِن ٹوپیوں ہی سے خیال فرمایئے اور مجھے یاد ہے کہ اِن میں سے صرف چار پانچ بزرگ وار تو البتہ تلوار باندھے ہوئے تھے باقی کے پاس لاٹھی تک نہ تھی وہ بالکل خالی ہاتھ ایلچی کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔

سفیر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب سے ... اور تعمیر مسجد وغیرہ کے عہد و پیمان کرنا

الغرض اس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دار الریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جائیگی جہاں اہلِ اسلام کے طور پر نماز ہوا کریگی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا۔ اور ایک رقم سالانہ خراج کی بھیجی جایا کریگی۔ مگر اس میں کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے کشمیر سے مراجعت کرتے ہی اس عہد و پیمان پر کچھ بھی عمل کیا جائیگا اور رئیس تبت شرائط عہد و پیمان کو اس سے زیادہ بجا نہ لائیگا جیسے کہ اُس عہد کے شرائط کو بجا لایا تھا جو شاہجہان اور اِس رئیس کے باہم ہوئے تھے۔ ؎

ف عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے ... سیف خاں صوبہ دار کشمیر کے پاس والی تبت کے ... بھیجا۔ یعنی راجہ کے نام کا ایک فرمان اس مضمون کا لکھکر دیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کرکے اپنے ملک میں سکہ اور خطبہ جاری کردو اور مسجد بنوا کر شعائر اسلام رواج دو تو تمہارا ملک تمہارے ہی پاس رہیگا ورنہ فوج کشی کی جائیگی چنانچہ یہ فرمان ہدایت شاہی کے موافق محمد شفیع ... ایک بادشاہی سردار کے ... کے پاس بھیجا گیا ... دلدار محل سے تین میل تک استقبال کیا اور عزت احترام و اکرام کے ساتھ فرمان

سفیر تبت کے ایک ہمراہی طبیب سے مصنف کی ملاقات اور لاما اور لاسا کا ذکر

اس ایلچی کے ہمراہیوں میں ایک طبیب تھا جسکو کہتے تھے کہ لاسا کا رہنے والا ہے اور فرقہ لاما میں سے ہے۔ لاما[۲] - لاسا میں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں مقتدا اور رہنما سمجھے جاتے ہیں مگر برہمنوں کے طریقے کے برخلاف ان میں ایک گرو بھی ہوتا ہے جسکی تعظیم و تکریم صرف ملک لاسا ہی میں نہیں بلکہ کل تاتار میں ہوتی ہے اور اُسکا ایسا اعزاز و احترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا۔ اس طبیب کے پاس نسخوں کی ایک کتاب تھی اور مینے ہرچند چاہا کہ وہ اُسکو بیچڈالے مگر اُسنے نہ دی اس کتاب کا خط دور سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھلائی دیتا تھا۔ ہم نے اُس سے اس خط کی

بقیہ نمبر ۱ لوا ایسے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی اور اُس سے دوسرے روز جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع عام میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا چاندی لٹایا گیا اور خطبے کے بعد مسجد کی بنا ڈالی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا اور اسکے بعد ایک تحفہ جس میں بہت سے مشک و بلور اور دولت عمدہ عمدہ سمیت مع ایک طلائی تختی کے جو طرح طرح سپرد کی ایسی ولایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جسپر بادشاہ کا سکہ لگا ہوا تھا اپنے ملک کے تحائف کے حوالہ کرکے محمد شفیع کو رخصت کیا اور لکھا ہے کہ اس کارروائی کے انصرام و سرانجام پانے میں چھوٹی تبت کے راجہ مراد خاں نے بہت کچھ کوشش کی تھی اور پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی تبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی۔ اسی کتاب میں اُس ملک کی حدود کا حال اس طرح درج ہے کہ اسکا طول چھ مہینے کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینے کا اور بعض جگہ ایک مہینے کا راستہ ہے۔ اسکے مغرب میں

نمبر ۲ بودھ مذہب والے اپنے گرو اور پیشوائے مذہب کو لاما کہتے ہیں اور سب سے بڑا لاما شہر لاسا دارالحکومت ملک تبت میں رہتا ہے اور تبت اور چین کے وہ لوگ جو بودھ مذہب رکھتے ہیں لاسا کے بڑے لاما کو مجسم بودھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے

ہجو لکھوائی۔ مگر اُسنے بڑی مشکل سے اور ایسی بدخطی سے لکھی کہ جسکے باعث ہمنے اُسکو بے علم اور جاہل جان لیا۔

مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا جسکی نسبت اُسنے عجیب و غریب حکایتیں سنائیں جنمیں سے اُسنے یہہ بھی ذکر کیا کہ ایک بار جب بڑا لاما بہت بڈھا ہوگیا اور اسکی موت کا وقت آن پہنچا تو اُسنے مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نوزاد بچے کے قالب میں حلول کریگی چنانچہ اُس بچے کو جسکی نسبت اُسنے یہہ خبر دی تھی بڑی غور اور پرداخت سے پالا گیا اور جب وہ چھ سات برس کا ہوگیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحاناً اُسکے روبرو رکھی گئیں اور اُسنے ازراہ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کردیا۔

یہہ حکایت اُس طبیب کے لئے مسئلہ تناسخ اور نقل ارواح پر اعتقاد کرنیکو ایک نہایت قاطع دلیل تھی۔ پہلے تو ہمکو یہہ گمان ہوا کہ یہہ شخص ہنسی سے

تبت کلاں یا تبت کلاں یہ تبت کا ہمار اور بنگالہ اور مشرق میں ملک اتہ ... اور چین اور شمال روز تختہ ... اور کاشغر اور تمام ہندوستان اور جنوب روز دشت مہا تک ہے اور یہاں کے ... کی موج اور ... ہمار اور ... سے پہاڑ سے ہیں اور پہاڑ میں اکثر فرقہ ... قوم کے لوگ ہوتے ہیں۔ مترجم

٭ جب لامہ کے باعث کبرسنی جسم ضعیف ہوجاتا ہے تب اسکے قالب سے جدا ہوجاتا ہے لیکن یہ ... تناسخ اسکی نسبت یہہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاما مرجاتا ہے تو اُسکے کاربرداز کسی طرح سے کسی عورت کے پیدا ہوئے لڑکے کو لاکر لاما کی مسند پر بٹھادیتے ہیں۔ اور اسکو ایسے طور پر پوشیدہ ... سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاماؤں کے وقت کی بتانے لگتا ہے اور اُسکے ناواقف اور جاہل پیرو اسکو لاما کے کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھکر یقین کرلیتے ہیں۔ کپتان ٹرنر صاحب جو ۱۷۸۳ء میں سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کیطرف سے تبت کے لامہ کے پاس جو لاما نائب ہوتا ہے بطور سفارت لاسا کو گئے تھے کہتے ہیں کہ اُسوقت جو لاما تھا اگرچہ اُسکی عمر

طور پر اس قسم کا بیان کررہا ہے لیکن پھر معلوم ہوگیا کہ نہیں فی الواقع اُسکو اس روایت کی صحت پر پکا اعتقاد ہے۔

ایک روز میں اتالیقی کے مکان پر اس طبیب کی ملاقات کو گیا اور ایک کشمیری سوداگر کو ترجمانی کے لیئے اپنے ساتھ لیگیا۔ یہہ تو میرا صرف بہانہ ہی تھا کہ مجھے کچھ پشمینہ جو اُسکے پاس تھا خریدنا ہے بلکہ اصل مطلب یہہ تھا کہ اُس سے اُن ممالک کے حالات دریافت کروں جنکی کیفیت مجھے کمل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اکثر وہ یہی کہتا رہا کہ بڑی تبت ہمارے ملک کے ساتھ ہمسری نہیں کرسکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ مہینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی ہے۔ اور اکثر تاتاریوں سے ہماری ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ مگر وہ یہہ نہیں بتا سکا کہ تاتاریوں سے اُسکی مراد کونسے تاتاری تھے۔ آخرکار مجھے معلوم ہوگیا کہ جو وقت اُسکی ملاقات میں صرف ہوا ناحق ضایع ہوا کیونکہ مینے اُسکو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی

تبصرہ: صرف ڈیڑھ برس کی عمر تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کے وقت وہ بڑی شان و شوکت اور تحمل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا اور برابر انکی طرف متوجہ رہا۔ صاحب موصوف جب کوئی بات کہتے تو جواب میں اس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھکر اشارہ کرے۔ جب صاحب موصوف کا جانے کا ارادہ ہوا تو لاما ایک طرف جہاں سر کو ہلاکر بیٹھا اور اپنے نوکروں کو اندر آنے دینے کا اشارہ کرتا کہ ایک دفعہ تو ایک سونے کی طشتری میں سے کچھ مٹھائی اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے اُن کو دی۔ لاما جب قالب تبدیل کرتا ہے تو اُس کے مردہ جسم کو سکھاکر اور چاندی سے منڈھ کر معبد میں پرستش کے لئے رکھ دیتے ہیں۔

(ماخوذ از جام جہاں نما) س م ح

قادر نہ پایا۔

کشمیر سے تبت ہو کر چین کے رستہ اور تجارت وغیرہ کا بیان

بیس برس سے پہلے کشمیر سے چین کو ہر سال کاروان جایا کرتے تھے اور ان کا راستہ بڑی تبت کے کوہستان اور ملک تاتار میں سے تھا اور تقریباً تین مہینے کے عرصہ میں وہ چین میں پہنچ جاتے تھے۔ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ایسے تیز رو دریا اترنے پڑتے ہیں کہ جن پر سے گزرنا صرف ایسے لمبے لمبے رسوں کے ذریعہ سے ممکن ہے جو دریا کے وار پار بڑے بڑے پتھروں سے بندھے رہتے ہیں* یہ قافلے چین سے مشک۔ چوب چینی۔ ریوند۔ اور مامیران۔ جو امراض چشم کے معالجہ کے لئے ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑ ہے لاتے تھے۔ جب یہ لوگ واپسی کے وقت بڑی تبت میں ہو کر گزرتے تھے تو اس ملک کے تحائف بھی مثل مشک۔ بلور۔ سنگ یشب۔ اور خاص کر بھیڑوں اور جنگلی بکریوں کی پشم کے (جسکو اس اطراف میں توز کہتے ہیں اور جو حسب بیان سابق ملائمت میں بیور کے مشابہ ہے) بھر لاتے تھے مگر جب سے شاہجہان نے بڑی تبت پر حملہ کیا ہے

* جہاں دریا پہاڑوں کے اندر بہت دور سے بہتے ہیں اور تیزی ان کے سبب سے کشتی کا چلنا ممکن نہیں ہوتا ہے وہاں لوگ جھولے یا چھینکے کے ذریعہ سے پار اترتے ہیں۔ جھولا اسکو کہتے ہیں کہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوط رسے برابر برابر باندھ کر تختوں سے پاٹ دیتے ہیں مگر چونکہ اکثر اوقات وہ آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہوتی اور سنبھالنے کے واسطے دونوں جانب برابر رسیاں باندھ دیتے ہیں۔ لیکن چھینکا اس سے بھی عجیب ہے وہ صرف ایک

وہاں کے راجہ نے نہ صرف کاروانوں کا آنا جانا بند کردیا ہے بلکہ یہانتک ممانعت کردی ہے کہ کوئی کشمیر کا رہنے والا بھی ہماری قلمرو میں قدم نہ رکھنے پاوے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر پٹنہ سے جو گنگا کے کنارے بستا ہے چل کر سیدھے ملک لاسا میں جا پہنچتے ہیں اور بڑی تبت کو بائیں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

ملک کاشغر کا بیان

اس ملک کی نسبت جو یہاں (یعنی ہندوستان میں) بنام کاشغر مشہور ہے اور بظن غالب وہ وہی ہے جسکو ہمارے جغرافیہ کے نقشوں میں کاسکر لکھتے ہیں میں وہ سب حالات بیان کرونگا جو مجھکو اُس ملک کے رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ یہہ لوگ یہہ سنکر کہ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو آیا چاہتا ہے بہت سے کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لائے ہیں اُنکا بیان ہے کہ کاشغر تھوڑا سا شمال کو جھکتا ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور اِن دونوں ملکوں میں سیدھا اور نزدیک کا راستہ بڑی تبت میں کو ہے مگر اس سبب سے کہ وہ اب بند ہے ہم ضرورتاً چھوٹی تبت ہو کر آئے ہیں۔ پہلا شہر جو ہکو مراجعت کیوقت راستہ میں آتا ہے اُسکا نام کوحچی ہے جو توابع کشمیر میں سے عین سرحد پر واقع ہے اور کشمیر سے چار دن کا راستہ ہے

رستا ہوتا ہے اس کنارے سے اُس کنارے تک بندھا ہوا جسمیں لوہے کے قلابے کے ساتھ ایک جھینکا لگا دیتے ہیں اور اُسمیں مسافر کو بٹھاتے ہیں۔ اس جھینکے میں دو رسیاں بندھی ہوئی ہوتی ہیں ایک رسی کا سرا اس کنارے والے کے ہاتھ میں اور دوسری رسی کا سرا دوسرے کنارے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اُس طرف کے مسافر کو اِس کنارے والا اور اِس طرف کے مسافر کو اُس کنارے والا اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ س۔ م۔ ح

گورچی سے چلکر ہم آٹھ روز میں اسکردو میں پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دارالریاست ہے۔ اور وہاں سے دو دن میں قصبہ چیکر* میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اس ندی کے کنارے آباد ہے جسکا [illegible] کی شہرت ہے۔ اور یہاں سے پندرہ روز کے عرصہ میں ایک بڑے جنگل میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پر ہے پہنچتے ہیں اور پھر پندرہ روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جو اگلے زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا گو بالفعل کاشغر کا رئیس جو ارکنڈ میں رہتا ہے جو ذرا زیادہ شمال کیطرف کاشغر سے دس منزل کے فاصلہ پر ہے

> [illegible] چین کو [illegible]
> کے آنے جانے والوں
> کے [illegible] کا [illegible]

ان سوداگروں نے یہ بھی بیان کیا کہ شہر کاشغر سے چین تک دو مہینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کاروان چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ ختن میں ہوکر جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے ملک ازبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں۔ اور بعض کاروان ایسے بھی ہوتے ہیں جو چین ہوکر ہند میں آنے کے لئے پٹنہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان تاجروں نے مجھے یہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اور راستہ بھی ہے

---

* یہ معلوم ہے کہ متعلقہ علاقہ کے [illegible] کشمیر کی عملداری میں سے اور گورچی و چیکر جو معروف مقام ہیں [illegible] تبت کے [illegible] سا پایا تھا ورنہ حقیقت ایک [illegible] کی [illegible] گورچی کی صحت [illegible] وغیرہ ناموں کا صحیح پتہ نہیں لگ سکا [illegible] (اسکردو [illegible]) (چیکر [illegible]) ([illegible]) ([illegible])

جو ایک ایسے قصبہ میں ہو کر گزرتا ہے جو ختن سے جو ملک کاشغر کی سرحد پر سب سے اخیر شہر ہے آٹھ منزل ہے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منجملہ اور مشکلات کے ایک جگہہ ایسی بھی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدھے میل تک برابر برف ہی برف پر جانا پڑتا ہے۔

اس اطلاعوں کے ناکامل ہونیکی بابت معذرت

مشفق من۔ یہہ کل واقعات ہیں جنکو میں ایسے لوگوں سے حاصل کر سکا ہوں جنکی نادانی اور جہل رحم کے قابل ہے پس جو حالات اور کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں بلاشک قلیل اور بے ترتیب ہی ہونگے جیسے کہ یہہ ہیں! علاوہ بریں مجھے ایسے مترجموں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جنکو خود میرے سوالات کے سمجھنے اور پھر بیان کرنے اور اُن کا جواب شافی دینے میں دقتیں اور مشکلیں واقع ہوتی تھیں۔

مسٹر تھیوی نٹ[4] صاحب کے پانچ سوال اور اُنکے جواب

اس موقع پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اِس خط کو جسے ایک کتاب کہنا چاہیئے ختم کر دوں اور دہلی واپس پہنچنے تک آپسے بالکل رخصت ہولوں لیکن میرا شوقِ تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ

[4] Thevenot

فرصت بھی ہے اسلئے میں مسٹر تھیوسوی نسٹ صاحب کے پانچ سوال کا جواب لکھا چاہتا ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی محقق اور جانکاہی کرنے والے شخص ہیں اور بہ نسبت ان لوگوں کے جو ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرتے ہیں کتابوں کے مطالعہ ہی سے بڑے بڑے نئے انکشافات اور اہم معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔

پہلا سوال یہودیوں سے کشمیر میں بسنے کی بابت

انکا پہلا سوال یہہ ہے کہ آیا یہہ سچ ہے کہ یہودی ایک بہت لمبے عرصہ سے کشمیر میں بود و باش رکھتے ہیں اور آیا اُنکے پاس کتاب مقدس موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو انکی اور ہماری کتاب عہد عتیق میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں

دوسرا سوال ہندوستان کے موسم برسات کی بابت۔

دوسرا یہہ کہ جو جو تجربے ہندوستان کے موسم برسات کی نسبت مجھے حاصل ہوئے ہیں ! میں اُنکی خدمت میں لکھ بھیجوں۔

تیسرا سوال مشرقی سمندروں کی موسمی ہوا اور پانی کے بہاؤ کی بابت۔

تیسرا یہہ کہ مشرقی سمندروں میں جو ایک خاص طور کے انضباط اور نظام معینہ کے موافق ہواؤں کا اہتزاز اور پانی کی دھاروں کا بہاؤ رہتا ہے اُنکی نسبت میں اپنی رائے اور خیالات ظاہر کروں۔

چوتھا سوال ملک بنگالہ کی سرسبزی اور دولتمندی اور خوشنمائی کی نسبت ہے

چوتھا یہہ کہ کیا ملک بنگالہ واقع میں ایسا ہی زرخیز اور دولتمند اور خوشنما ہے جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے۔

> نیل کی طغیانی کی ... کی نسبت

پانچواں یہہ کہ دریائے نیل کی طغیانی اور چڑھاؤ کے اسباب کی نسبت زمانہ قدیم سے جو روایت چلی آتی ہے میں اُسکی نسبت ایک قطعی رائے پیش کروں۔

> ... یہودیوں ... کے ملنے ...

اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو مجھکو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیوفی ... صاحب کو. یہہ میری مراد اُن یہودیوں سے ہے جنکے پائے جانیکی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں یعنی وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سے ہوں جنکو شالمنیسر* نے جلاوطن کیا تھا لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلائیے کہ گو ظن غالب بعض وجوہ سے پایا جاتا ہے کہ اُن میں سے

* توریت میں اس شخص کا نام سلمانسر[1] آیا ہے - مگر انگریزی مورخ شالمنیسر ... لکھتے ہیں یہہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور شہر ... اُسکا پایہ تخت تھا ... سات سو ... برس قبل از مسیح ... یہودا کے بادشاہ ہوسیع[2] ... بنی اسرائیل میں سے تھا ... پرست ہوگیا تھا چڑھائی کی اور اُسکو اپنا باج گذار بنالیا لیکن یہہ سنکر کہ وہ ... مصر کے ساتھ سازش رکھتا ہے دوبارہ اُسکے شہر شومرون[3] کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ کے بعد اُسکو فتح کر لیا اور ہوسیع اور اُسکی تمام قوم کے لوگوں کو قید کرکے بابل میں لے گیا اور اُن کی جگہہ بابل کے لوگ آباد کئے اور تیرہ برس سلطنت کرکے آخر وہ بھی اس دنیا سے چل بسا - ... التواریخ و انسائکلوپیڈیا برٹانیکا - س - م - ح
(...) (SHALMANESER)

1. (...) سلمانسر
2. (...) ہوسیع
3. (...) شومرون

بعض لوگ پہلے اس ملک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے اکثر
باشندے ہندو ہیں یا مسلمان [illegible] اب تک ایسے لوگ
موجود ہیں کیونکہ میں نے ایک پادری صاحب سے [illegible] فرقہ جیسوئٹ*
کے پاس [illegible] میں سنے میں اس فرقہ کے ایک پادری صاحب
باشندہ جرمنی مقیم [illegible] سلطنت چین سے لوٹ رہے تھے میں
[illegible] کہ [illegible] یعنی [illegible] یہودیوں سے
گفتگو ہوئی ہے جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور توریت وغیرہ
کتب عہد عتیق ان کے پاس موجود ہیں۔ ان کو حضرت عیسیٰ کی وفات
کا حال مطلق معلوم نہیں۔ انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ [illegible]
[illegible] کے پادری صاحب کو ہم اپنا کاہن مقرر کر لیں گے بشرطیکہ
[illegible] صاحب خنزیر کے گوشت کھانے سے پرہیز کریں [illegible]
[illegible] کی علامتیں پائی جاتی ہیں [illegible]
[illegible] جب میں ملک [illegible] ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں
یہودیوں کی سی دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی [illegible] صورتیں اور ان کے طور
طریق [illegible] خصوصیتیں جن سے ایک [illegible] مختلف اقوام
کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کر سکتا ہے سب یہودیوں کی
پرانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی

---

* اس لفظ کی تحقیق نہیں ہو سکی مگر شاید [illegible]

* JESUIT

ہی تصور فرمائیں گا۔ ان دیہاتیوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحب اور اَور بہت سے فرنگستانیوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے*!

دوسری علامت یہہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔

تیسرے یہاں یہہ عام روایت ہے کہ حضرت سُلیمان اِس ملک میں آئے تھے اور بارہ مولا کے پہاڑ کو کاٹ کر انہوں ہی نے پانی کا راستہ کھول دیا تھا۔

چوتھے یہاں لوگوں کو یہہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور اُن کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے۔

پانچویں یہہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا یہہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت ہی پرانا مکان نظر آتا ہے اُسکو حضرت سُلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب سے اُسکو آجتک تخت سُلیمان کہتے ہیں۔ ‡

مشفق من! وجوہ مذکورہ کے باعث سے آپ دیکھو گے کہ میں اس بات سے

---

* کرنل جارج فاسٹر صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے ۱۷۸۳ء میں لکھی تھی! لکھا ہے کہ "جب پہلے پہل میں نے کشمیریوں کو کشمیر میں دیکھا تو اُن کے لباس اور چہرے کی ساخت سے جو لمبا اور سنجیدہ ہوتا ہے اور اُن کی داڑھی کی وضع سے یہہ خیال کیا کہ گویا میں یہودیوں کے ملک میں آگیا ہوں" مترجم انگریزی

‡ تعجب ہے کہ ایسی بے سر و پا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اُسکو معلوم نہ ہوگا کہ مسلمان اکثر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور اَور پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے نام رکھتے چلے آتے ہیں۔ س۔ م۔ ح

انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو اُن کے مذہبی مسائل زمانہ پاکر بگڑ گئے ہوں گے اور آخرکار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بت پرست بن گئے ہونگے اور بعد ازاں شل اور بہت سے بُت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہونگے!

اور یہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودی ایران میں بمقامات لار اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوآ اور کوچین[*] کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سُنتا ہوں کہ اتھوپیا[†] میں تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی لیاقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اتھوپیا کی طرف سے اورنگ زیب کے دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس ہوئے وہاں ایک یہودی ایسا زبردست ہوگیا تھا کہ اُسنے ایک دشوار گزار پہاڑ سے کوہستانی ضلع میں خود مختار ریاست قایم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

جواب تمیزی ٹسٹ صاحب کے دوسرے سوال کا

ہندوستان میں سال بھ خصوصاً آٹھ مہینے تک گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جلکر بالکل ناقابل زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے

[*] مدراس پریزیڈنسی کے متعلق ساحل ملابار پر سندھ کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے مگر بندرگاہ کوچین خاص گورنمنٹ انگریزی کی عملداری ضلع ملابار میں ہے۔ س-م-ح۔

[†] کمسترپا یا کرتہ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س-م-ح

(ETHIOPIA اِتھی اوپ یِ آ) (NUBIA اَن وب بی آ)

نیت فنسا و رت اُسکی اصلاح کیواسطے یہ معقول انتظام کردیا ہے
کہ جب وہاں ہوا گرمی نہایت ہی شدت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا
شروع ہوتا ہے اور متواتر تین مہینے تک برستا رہتا ہے اور اسطرح پر
ہوا میں بقدر اعتدال آجاتا ہے کہ برداشت کے لایق ہوجاتی ہے اور
زمین بھی ناقابل زراعت نہیں رہتی - مگر یہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں
ہوتیں کہ ضرور اسی دن یا اسی ہفتہ میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصا
دکن میں جہاں میں دیر تک رہا ہوں میں نے دیکھا ہے کہ ایک سال کی
بارش دوسرے سال سے کبھی مطابق اور یکساں حالت پر نہیں ہوتی -
چنانچہ بعض اوقات بارشیں دو دو تین تین ہفتے آگے پیچھے شروع
اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں
میں نے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا ہے کہ دو برس کامل ایسا امساک رہا کہ ایک
بوند بھی مینہ کی نہیں پڑی اور اس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدعمرد بیچھے
بیماری اور قحط کی مصیبت نظر آرہی تھی - اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے
کہ ملک کے مختلف حصوں میں برسات اُسیقدر آگے یا پیچھے اور
کمی یا زیادتی سے ہوتی ہے جسقدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب
یا بعید ہیں - مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارومنڈل سے لیکر جزیرہ سراندیپ
تک ساحل مالابار کی نسبت برسات ایک مہینا پہلے شروع اور ختم ہوجاتی
ہے اور بنگالہ میں چار مہینے تک شدت سے بارش رہتی ہے اور اس
عرصہ میں کبھی کبھی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے

اور تھوڑی دیر کے لئے بھی بارش بند نہیں ہوتی - مگر دہلی اور آگرہ
میں نہ تو اسقدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اُسقدر مدت تک رہتی ہے
اور اکثر یہہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روز یوہیں خالی گزرجاتے ہیں یا
یہہ کہ صبح کو دن نکلنے کے بعد کوئی نو دس بجے تک اکثر خفیف سی بارش
ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی - میں خصوصاً
اس بات کو دیکھکر بہت متعجب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف
سے مینہہ آتا ہے - مثلاً دہلی اور اُسکے نواح میں مشرق یعنی بنگالہ
کی طرف سے بارش آتی ہے - اور بنگالہ اور ساحل کارومنڈل پر
جنوب کی جانب سے اور ساحل مالابار پر قریباً ہمیشہ مغرب کیطرف
سے - مینے ایک اور بات بھی دیکھی جسکی نسبت تمام ہندوستان میں بلا
اختلاف ایک ہی رائے ہے یعنی یہہ کہ جسقدر گرمی کی تپش پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے
اور تھوڑے دنوں یا دیر تک قائم رہتی ہے اُسیقدر برسات بھی پہلے
یا پیچھے شروع ہوتی اور اُسی نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت
عرصہ تک جاری رہتی ہے اور بلحاظ ان امور کے مجھے یقین ہے
کہ زمین کی گرمی اور اُسکے سبب سے ہوا میں جو خفت آجاتی ہے
وہی ہندوستان میں بارش کا سبب ہے - اور یہی دونوں چیزیں
بارش کو اس مُلک میں کھینچ کر لاتی ہیں یعنی آس پاس کی سمندروں
کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف ہوتی ہے اُن بخارات کو لیے

میں جذب کرکے پُر ہو جاتی ہے جو گرمی کی شدت سے پانی میں سے
اُٹھتے ہیں اور قرب وجوار کی ہوائیں جب اُسکو دھکیلتی اور حرکت میں
لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں ہوکر اپنے تئیں طبعاً اُس زمین پر جہاں
کی ہوا اُسکی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہوتی ہو
اُن بخارات سے خالی کر دیتی ہے اور اُسکا اپنے کو اِن بخارات
سے خالی کرنا اُسیقدر کم یا زیادہ قلت و کثرت سے ہوتا ہے جسقدر کہ گرمی
پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے پڑتی ہے۔ اِس تقریر
میں جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں اُن میں اس بات کا خیال کرنا بھی مناسب
ہے کہ ساحل مالابار کی نسبت ساحل کارومنڈل پر برسات پہلے شروع
ہونے کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے۔ اور اِسکے علاوہ
باعث ہوں گے جنکا تحقیق کرنا غالباً اُس مُلک کے دیکھنے کی حالت میں
شائد مشکل نہ ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصّوں میں بلحاظ
سمندروں یا پہاڑوں کے اور بہ مناسبت اُنکی ریگستانی یا پہاڑی درختوں اور
جنگل سے پُر ہونیکے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش سختی
سے پڑتی ہے۔ اور یہہ بات بھی کچھ تعجب کی نہیں ہے کہ بارش مختلف
اطراف سے آتی ہے۔ مثلاً ساحل کارومنڈل پر جنوب کی طرف سے
اور ساحل مالابار پر مغرب کی جانب سے کیونکہ یہہ بات ظاہر ہے کہ
جو سمندر پاس ہوگا اُسی سے مینہہ آئیگا۔ چنانچہ ساحل کارومنڈل کے
پاس جو سمندر ہے وہ اِس سے جنوب کی طرف ہے۔ اور وہ سمندر جو

ساحل مالابار کو سیراب کرتا ہے مغرب کیطرف باب المندب اور عرب اور خلیج فارس کی سمت کو پھیلا ہوا ہے۔ مینے خوب غور کیا کہ اگرچہ بظاہر دہلی میں بادل مشرق کیطرف سے آتے ہیں مگر انکی اصل انہیں سمندروں سے ہوگی جو جنوب کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے جنکی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاحم ہے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور ایسے ملک میں جا پہنچتے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ ہلکی اور کم مزاحم ہو میں ایک اور بات بیان کرنی بھول گیا جسکا مجھکو دہلی میں تجربہ ہوا یعنی یہہ کہ کبھی اچھی بارش نہیں ہوتی تاوقتیکہ کئی دن تک بہت سے بادل مغرب کیطرف نہ جالیں۔ گویا یہہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے پچھم میں ہوا کا طبقہ اول بادلوں سے بھر جاوے۔ اور پھر ان بادلوں کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو کم گرم اور کم لطیف اور زیادہ بھاری اور قابل مزاحمت ہو روکے یا اور بادل اور مخالف ہوائیں مقابل ہوکر انکو ایسا کثیف اور وزنی کردیں کہ پھوٹ کر برسنے لگیں جس طرح پر کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔

جواب فیری ٹسٹ صاحب کے تیسرے سوال کا

جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہوجاتا ہے تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور ٹھنڈی شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ مہینے تک برابر ایک ہی حالت پر بلا طوفان وغیرہ ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس عرصہ میں

کبھی ایک آدہ روز اپنا رُخ بدلتی یا ٹھہر جاتی ہے۔ اور اسکے بعد کوئی دو مہینے تک بیقاعدہ ہوائیں چلتی ہیں جسکو ہم لوگ وسطی موسم اور فرنچ لوگ غیر معین اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور جب یہہ دو مہینے ختم ہوجاتے ہیں تو سمندر پھر اپنا رُخ جنوب سے شمال کو کرلیتا ہے اور جنوبی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے۔ اور چار پانچ مہینے تک اسی طرف سے چلتی رہتی ہے اور سمندر کا بہاؤ بھی اس تمام عرصہ میں بدستور شمال ہی کو رہتا ہے اور اسکے بعد پھر دو مہینے تک وہی وسطی موسم رہتا ہے اور ان وسطی موسموں میں جہازرانی کرنا نہایت مشکل اور خطرناک ہوتا ہے۔ لیکن اُن دونوں معمولی موسموں میں بجز جنوبی ہوا کے موسم کے اخیر حصہ کی جہازرانی کرنا بہت آسان اور خوش آیند اور بلااندیشہ ہوتا ہے پس آپکو اس بات سے متعجب ہونا نہیں چاہیئے کہ ہندوستانی جو بہت ڈرپوک اور فن جہازرانی سے محض ناآشنا ہیں تمامے لمبے اور مفید بحری سفر اختیار کرلیتے ہیں۔ مثلاً بنگالہ سے تناسرم (دھناسری) آچین۔ ملاکا۔ سیام اور میڈی گاسکر۔ گویا مچھلی پٹن۔ سراندیپ۔ جزائر مالدیپ۔ بندر مخا۔ اور بندر عباسی کو اپنے جہاز لیجاتے ہیں۔ اور بڑی احتیاط کے ساتھ جانے اور آنے کے موسم کی عمدگی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مگر اسپر بھی ایسا ہوتا ہے کہ مناسب وقت سے زیادہ کہیں اُنکے رہنے کی حالت میں باد مخالف سے مغلوب ہوکر تباہ ہوجاتے ہیں۔ البتہ یہہ صورت بعض وقت

فرنگستانیوں کو بھی پیش آجاتی ہے جو بہت دل چلے اور زیادہ تجربہ کار اور واقف ہیں اور جنکے جہازوں کی حالت اور ساز و سامان بہت بڑھکر ہیں۔ دونوں ذیلی موسموں میں سے وہ موسم جو جنوبی ہوا کے بعد آتا ہے۔ چونکہ اسمیں طوفان اور ناگہانی جھکڑ کے اٹھ آتے ہیں ایسا خطرناک ہے کہ اور کوئی موسم ایسا نہیں ہے۔ اور یہ جنوبی ہوا اپنے عین موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت زیادہ تند اور غیر مساوی چلتی ہے مجھے اس موقع پر یہ بات بھی بیان کردینی چاہیئے کہ جنوبی ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں گو سمندر میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کناروں پر پچاس ساٹھ میل کے فاصلے تک ہوا نہایت طوفانی ہوتی ہے۔ سب فرنگستانی اور غیر فرنگستانی جہازوں کے کپتانوں اور ناخداؤں کو اس امر کی بڑی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ ہندوستان کے کسی بندر مثلاً سورت یا مچھلی پٹن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جا نکلیں ورنہ اُن کے جہازوں کو زمین سے ٹکرا جانے کے مخاطرہ میں پڑنا ہوگا۔ پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح پر ہے۔

شمالی اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونے کے اسباب کا بیان

کاش مجھکو ہر ایک نتیجے کے اصلی باعث کو معلوم کرلینے کی قدرت ہوتی! مگر پروردگار عالم کے تمام بھیدوں کا دریافت کرلینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اپنی غور و فکر سے جو رائے میں نے قائم

کی ہے اُسکی بنیاد چند خیالات پر ہے - چنانچہ خیال اوّل تو یہہ ہے
کہ جو ہوا ہمارے کُرہ کو گھیرے ہوئے ہے سمندر اور دریاؤں کے
پانی کیطرح اُسکو بھی ہمارے کُرہ کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہہ دونوں
چیزیں اسکی طرف جُھکتی اور ایک ہی مرکز کی طرف میل کرتی ہیں -
جس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہہ چیزیں ہمارے کُرہ سے علٰحدہ
نہیں ہیں اور پھر اس سے یہہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ یہہ کُرہ ہوا پانی
اور مٹی تین چیزوں سے بنا ہوا ہے ! اسکے بعد دوسرا خیال یہہ ہے
کہ ہمارا یہہ کُرہ ایک ایسے خلا میں لٹکا ہوا اور ٹکا ہوا ہے کہ جسمیں خالق نے
اپنی مرضی سے اِسکو ایسے طور سے رکھدیا ہے کہ اگر یہہ کسی اَن جانا معلوم
جسم سے ٹکرا جاے تو اپنی جگہہ سے بآسانی سرک سکتا ہے ! پھر تیسرا
خیال اِس طرح پر ہے کہ جب آفتاب خط استوا سے گُزر کر کسی قطب مثلاً
قطب شمالی کی طرف حرکت کرتا اور اپنی شعاعیں اُسطرف ڈالتا ہے تو
قطب شمالی کو کسیقدر دبانیکے لئے کافی اثر پیدا کرتا ہے اور قطب شمالی
اُسیقدر دبتا جاتا ہے جسقدر کہ سورج اُسکی طرف بڑھتا جاتا ہے - اسی
طرح جسقدر کہ سورج خط استوا کی طرف واپس آتا ہے اسیقدر قطب شمالی
بتدریج ابھرنے لگتا ہے - یہاں تک کہ آفتاب کی کرنوں کی طاقت
سے وہی اثر قطب جنوبی کی طرف پیدا ہوجاتا ہے - اب اگر ان خیالات
کو صحیح فرض کرلیا جاے اور اسکے ساتھ زمین کی روزانہ حرکت پر غور
کیا جاے تو ہندوستانیوں کا یہہ قول بیوجہ نہیں ہے کہ سورج اپنے

ساتھ سمندر اور ہوا کو کھینچتا اور چلاتا ہے کیونکہ اگر یہہ بات سچ ہے کہ آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب کی طرف جاتے ہوے زمین کے محور کی تبدیل حرکت اور اُس قطب کے نیچے کو دب جانے کا باعث ہوتا ہے تو اسکا یہہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے کہ دوسرا قطب اونچا ہو جاوے اور سمندر اور ہوا جو دو سیال اور وزن دار جسم ہیں نیچان کیطرف بہنے لگیں! پس میرے نزدیک اس بات کا کہنا درست ہے کہ سورج کسی قطب کی طرف جاکر اُسطرف کو سمندر اور ہوا کے بڑے اور باقاعدہ بہاؤ کا باعث ہوتا ہے اور ہوا کے اس بہاؤ سے موسمی ہوا پیدا ہوتی ہے۔ یعنی سورج کے کسی قطب کی طرف جانے اور واپس آنے کے وقت سمندر اور ہوا میں دو مختلف رفتاریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس قیاس کی بنا پر یہہ بات کہی جا سکتی ہے کہ قطب شمالی اور جنوبی سے سمندر کے دو بڑے بالعکس بہاؤ ہیں۔ اور اگر ایک قطب سے دوسرے قطب تک ایک ایسا سمندر ہوتا جو فرنگستان میں ہو کر گزرتا تو ہم وہاں بھی ہر حالت میں سمندر کی ایسی ہی دو باقاعدہ رفتاریں پاتے جیسے کہ ہندوستان میں ہیں۔ اور اس قاعدہ کے عام نہ ہونے کی یہہ وجہ ہے کہ قطعات زمین کے حائل ہو جانیکے سبب سے سمندکا بہاؤ رک کر دوسری جانب کو ہو جاتا ہے جیسے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ معمولی جزر و مد اُن سمندروں میں جو بحیرہ شام کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوے ہیں رک جاتا ہے

اور اس خیال کے اعتبار سے میری رائے میں یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہوا کی یہی دو بڑی اور بالعکس رفتاریں ہیں۔ اور اگر زمین پورے اور عام طور پر صاف اور برابر اور ایک ہی سی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی رفتاریں بھی عموماً اسی قاعدہ پر ہوا کرتیں۔

جواب مسیو دی مٹ صاحب کے چوتھے سوال کا۔

ہر زمانے میں ملک مصر کو دنیا میں سب سے عمدہ اور زرخیز بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ حال کے مؤرخ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اَور ملک میں ایسی خصوصیت کے ساتھ قدرتی سامان موجود نہیں ہیں۔

مصنف کا بنگالا کو مصر پر ترجیح دینا۔

لیکن بنگالے میں دو مرتبہ جانے سے جو واقفیت مجھکو اس ملک کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُس سے مجھکو یقین ہے کہ جو فضیلت ملک مصر سے منسوب کی گئی ہے وہ زیادہ تر بنگالا کا حق ہے

بنگالا کے چاول اور اُسکے نکاس کا بیان۔

بنگالے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ صرف آس پاس کے بلکہ دور دور کے ملکوں کو جاتا ہے۔ چنانچہ گنگا کے راستہ پٹنہ کو اور سمندر کی راہ سے مچھلی پٹن وغیرہ بنادر ساحل کارومنڈل اور خصوصاً جزیرہ سراندیب اور جزائر مالدیپ کو بھیجا جاتا ہے۔

بنگالا کی کھانڈ اور اُسکے نکاس کا ذکر۔

اسیطرح کھانڈ وغیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گولکنڈا اور تمام کرناٹک کو جہاں یہ بہت

کو پیدا ہوتی ہے اور مخا اور بصرہ کو ہو کر عرب اور عراق کو اور بندر عباس کے راستے سے ایران کو جاتی ہے۔

بنگالہ کے مربے بہت مشہور ہیں اور ... کا ذکر

بنگالے کے مربے بھی مشہور ہیں خصوصاً ان مقامات کے جہاں پرتگیز لوگ آباد ہیں اور جو نہایت عمدہ مربے بناتے ہیں اور ایک بڑی تجارت کی چیز سمجھے جاتے ہیں چنانچہ وہ میووں میں سے ویسے ہی مربے بناتے ہیں جیسے فرنگستان میں ہوتے ہیں اور ایک خاص قسم کی روئیدگی کی جڑ کا جو ... کی جڑ کی مانند ہوتی ہے اور آم کا اور انناس کا جو ہندوستان کے دو عام میوے ہیں۔ اور آملہ اور لیموں اور ادرک کا مربا بناتے ہیں

بنگالہ میں گیہوں کے کم پیدا ہونیکا ذکر

یہ سچ ہے کہ بنگالے میں مصر کی برابر گیہوں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ یہاں کے باشندوں کا قصور ہے جو مصر والوں کی نسبت چاولوں پر زیادہ گزران کرتے ہیں اور روٹی کبھی نہیں کھاتے ہیں مگر پھر بھی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے گیہوں کچھ کم نہیں بویا جاتا۔ چنانچہ فرنگستانی اہل جہاز مثلاً ڈچ انگریز اور پرتگیز وغیرہ سستے داموں گیہوں خریدتے اور سمندر کے سفر کے واسطے بسکٹ بناتے ہیں۔

ترکاری اناج اور کھانے کی چیزوں کے بنگالہ میں کثرت سے ہونیکا ذکر

اس ملک کے لوگوں کی غذا زیادہ تر تین چار قسم کی ترکاری اور چاول اور گھی ہے جو بہت

ہی تھوڑی سی قیمت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایک روپیہ میں بیس سے زیادہ عمدہ مرغ مل سکتے ہیں اور بطخیں اور مرغابیاں بھی اسیقدر ارزاں ہیں۔ بھیڑ بکریوں کی بھی افراط ہے اور سور تو اتنے سنتے ہیں کہ جو پرتگیز یہاں آباد ہیں وہ قریباً تمام سور ہی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور سنتا جاتا کہ انگریز اور فرنچ بھی اپنے جہازوں کے واسطے نمک لگا کر رکھ لیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تازہ اور نمک سود مچھلی بھی اسی افراط سے ملتی ہے۔

> ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ کے بنگالہ میں آ بسنے کا ذکر

غرضکہ بنگالے میں معیشت کی ہر ایک چیز افراط سے ہے۔ اور اس افراط ہی کا طفیل ہے کہ بہت سے پرتگیز اور دوسرے یورپین اور اور عیسائیوں نے جنکو ڈچ لوگوں نے اُن کی مختلف نو آبادیوں میں سے نکال دیا ہے اس زرخیز ملک میں آکر پناہ لی ہے چنانچہ فرقہ جیسوئٹ اور اگسٹین* کے لوگوں نے جنکی بڑی بڑی مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آزادانہ اور بلا وقت عمل میں لا سکتے ہیں مجھے اِس بات کا یقین دلایا کہ صرف ہوگلی میں آٹھ ہزار سے نو ہزار تک عیسائی بستے ہیں اور اِس ملک کے اور حصوں میں تو اُنکی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اور اِس ملک کی زرخیزی اور عورتوں کے حُسن اور سلیم الطبعی نے پرتگیز۔ فرنچ اور انگریز لوگوں میں یہہ بات زبان زد کر دی ہے کہ بنگالے میں داخل ہونیکے واسطے تو سو دروازے ہیں مگر نکلنے کے لئیے ایک بھی نہیں۔

بنگالہ میں روئی ریشم اور سوتی اور ریشمی کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر

بلحاظ ایسی عمدہ عمدہ لائق تجارت چیزوں کے جنکے باعث سے غیر ملکوں کے سوداگر کسی ملک کی طرف متوجہ ہوا کرتے ہیں میرے خیال میں بنگالے کے برابر کوئی ملک نہیں ہے۔ اور علاوہ اُس قند و شکر کے جسکا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور جسکو قیمتی لائق تجارت اجناس کی فہرست میں درج کرنا چاہیئے اس ملک میں روئی اور ریشم بھی بقدر ہوتا ہے کہ اس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ آس پاس کے ملکوں اور نیز یورپ کا گودام کہنا زیبا ہے۔ میں بعض اوقات روئی کے ہر قسم کے باریک اور موٹے اور سفید اور رنگدار کپڑوں کی افراط کو دیکھکر حیران ہوتا تھا۔ جنکو خصوصیت کے ساتھ ڈچ لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجتے ہیں اور انگریز اور پرتگیز اور خاص یہاں کے سوداگر بھی ان چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں۔ اور یہی کیفیت ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑوں کی ہے۔ جسقدر روئی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیہ میں لاہور اور کابل تک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اُسکی مقدار معلوم کرنا ناممکن ہے۔

صوبہ کا ایران اور شام کے ریشم کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا

حقیقت میں یہاں کا ریشم ایسا عمدہ نہیں ہوتا جیسے کہ ایران۔ شام۔ صیدا۔ اور بیروت کا لیکن یہ سستا بہت ہے اور میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عمدہ

* ملک شام کی دو بندرگاہوں کا نام ہے (س ۔ ح) مترجم۔ ب نے صیدا

چھانٹ لیا جاوے اور احتیاط سے صاف کیا جاوے تو اس سے
نہایت ہی عمدہ کپڑا بن سکتا ہے۔

بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں کا ہونا

ڈچ لوگوں کے قاسم بازار کے ریشم کے
کارخانہ میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں۔ اور
اسیقدر انگریزوں اور سوداگروں کے کارخانوں میں۔

بنگالہ کے شورہ کا ذکر

بنگالہ شورے کی بھی بڑی منڈی ہے اور
گنگا کے راستہ سے بہت سا شورہ پٹنہ سے دساور کو جاتا ہے اور
ڈچ اور انگریز شورے کی بہت سی کھیپیں ہندوستان کے مختلف
مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں۔

بنگالہ سے لاکھ افیون موم وغیرہ دواؤں اور گھی کا ذکر

اس زرخیز ملک سے گوند لاکھ افیون موم مشک بلائی
۔ گھ پیپل اور اور بہت سی دوائیں حاصل
ہوتی ہیں اور گھی جو آپکو ایک ناچیز جنس معلوم ہوگی یہاں اس افراط
سے ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر ملکوں کو بھیجے جانیکے واسطے ایک بڑی
جسامت کی چیز ہے مگر پھر بھی سمندر کی راہ سے بیشمار باہر کو جاتا ہے

اہل یورپ کو بنگالہ کی آب وہوا کے موافق نہ آنے اور اس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر

لیکن یہ بات واجبی ہے کہ یہاں کی ہوا
خصوصاً سمندر کے پاس کی اجنبی لوگوں کو
شاذ ہی موافق ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈچ اور انگریز
لوگوں میں جبکہ پہلے پہل یہاں آکر رہے موت کثرت سے ہوئی اور
بندرگاہ بالاسور میں میں نے دو خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو ڈچ

لوگوں کے ساتھ لڑائی ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھہرے رہے تھے دیکھا کہ بہت سے ملاحوں کے مر جانے کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ کہیں کو جا سکیں۔ لیکن اب یہ دونوں قوم بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور موت کم ہو گئی ہے۔ جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ ان کے آدمی شراب کو پنچ* بنا کر پئیں۔ دھو قند کی شراب اور لیموں کے عرق اور پانی اور جائفل کو ملا کر بناتے تھے اور جس کا ذائقہ گو بہت اچھا تھا مگر سخت مہلک تھے اور بہت سے ہندوستانی سوداگروں کے نزدیک نہ جائیں اور شراب ورما کو بیچنے والوں سے نہ ملیں۔ لیکن دو قسم کی انگوری شراب اور تیز ابی خاص تر ہیں۔ انکو اگر اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب و ہوا کے اثر سے بچنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

> بنگال سے راج محل سے سمندر تک جو ملک ہے اس کی خوشحالی اور نہروں کے ذریعہ اس کی تجارت کے لئے ترقی کی کثرت کا ذکر ــــــــ

اس ملک کی خوشحالی کو بیان کرتے ہوئے اس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہیئے کہ اس ملک میں جو دریائے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بے شمار نہریں ہیں جو دریائے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اسلئے کاٹی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لیجانے میں آسانی ہو اور گنگا کا پانی جسکو ہندوستانی تمام پانیوں سے اعلیٰ گنتے ہیں

× شراب کی ہر قسم کے ایک کو جو لیموں نچوڑ کر تیار کیا جاتا ہے انگریزی میں پنچ کہتے ہیں PUNCH

مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ اِن نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گاؤں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور اپکھ اور غلہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کیڑوں کی غذا کے واسطے کوئی دو تین فرانسیسی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہتوت کے درخت ہیں۔

بنگالہ کے بیشمار ٹاپوؤں اور انکی خوبصورتی وغیرہ کا ذکر

لیکن بنگالے کو اُن بیشمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوؤں کے دریائے گنگا میں ہیں اور جنکی وسعت بعض جگہ چھ سات منزل کی مسافت کی ہے عجیب خوبصورت بنا رکھا ہے۔ اِن ٹاپوؤں کی وسعت کم و بیش ہے۔ لیکن سب نہایت زرخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور میوہ دار درختوں اور انناس سے پُر اور سبزے سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ ہزاروں نہریں اتنی دُور تک کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی ان میں جاری ہیں اور ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا لمبی لمبی روشیں درختوں کی محرابوں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

بنگالہ کے سمندر کے قریب کے غیر آباد جزیروں کا ذکر۔

سمندر کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر آراکان کے قزاق لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جنکا ذکر اور کسی مقام پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل اجاڑ پڑے ہیں جہاں بجز ہرنوں اور جنگلی سوروں اور پرندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے

پھر گروہ سے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جاندار مخلوق نظر نہیں آتی - چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر دریائے گنگا کو عبور کرتے ہوئے (جو ان جزیروں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے) اکثر مقامات میں خشکی پر اُتر پڑنا پُر خطر ہے - اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ رات کو جو کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جاسے تو کنارے سے کچھ فاصلہ پر رکھنا چاہیئے کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ خونخوار جانور جب لوگ سوئے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور بقول اس ملک کے ملاحوں کے (اگر ٹھیک صحیح ہو) کسی ایسے آدمی کو پہچان کر اُٹھا لیجاتے ہیں جو سب سے موٹا تازہ ہو -

پیپلی سے ہوگلی تک۔ دریا میں مصنف کے ایک سفر کا ذکر

مجھے وہ نو دن کا دریائی سفر یاد ہے جو میں نے پیپلی سے ہوگلی تک ان جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان کیئے بغیر نہیں رہ سکتا - کیونکہ اس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ پیش نہ آیا ہو - ان جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈانڈ والی کشتی دریائے پیپلی سے نکلکر دس پندرہ میل سمندر میں بڑھ گئی تو ہمنے سمندر کو مچھلیوں سے جو ظاہرا بڑی کاتب کی قسم کی معلوم ہوتی تھیں

کاتب اور ڈالفن مچھلیوں کا ذکر

اور جنکے پیچھے تعاقب کے طور پر کثرت سی ڈالفن*

* صاحب ہنگ شہدی نے اسکا ترجمہ ڈلفین لکھا ہے اور اسکی عادت جو ظاہرا ایک افسانہ ہے یہ

ان گلی چلی آئی تھیں بھرا ہوا دیکھا میںنے اپنے آدمیوں سے کہا
کوان کی طرف لے چلیں اور میںنے دیکھا کہ بہت سی مچھلیاں پہلو
اس طرح پڑی ہوئی ہیں جیسے مُردہ اور بعض کچھ کچھ حرکت کرتی
اور بعض نزع کی حالت میں بیہوش پڑی لوٹتی تھیں چنانچہ ہم
نے جو بیس مچھلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیں اور دیکھا کہ ایک
مونہہ سے ایک چھلکا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کارپ۲ مچھلی کے ہوتا
اور اسمیں ہوا بھری ہوئی ہے اور اسکا ایک سرا سرخی نما رنگ کا
ہے۔ میںنے آسانی سے معلوم کرلیا کہ یہی چھلکا مچھلیوں کو ڈوبنے نہیں
تا۔ مگر یہہ بات بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کو کیوں لٹکتا
تا۔ لیکن شاید یہہ سبب ہو کہ ڈالفن۳ مچھلیوں نے دیر تک انکا سخت
تعاقب کیا تو ان بیچاریوں نے اپنے بچاؤ کی خاطر یہاں تک اپنا
ہو پانی ایک کیا کہ ان کا چھلکا پھول کر سرخ ہوگیا اور مونہہ سے باہر

۱۔ یہہ مچھلی ہے کہ دوبے ہوئے آدمی کو دریا سے نکال کر کنارے پر ڈال دیتی ہے چنانچہ اسکی
اسی عادت کے اعتبار سے شیخ ابراہیم ذوق نے بھی اپنی ایک مثنوی میں محبوب کرنا ڈوں
کی تعریف میں لکھا ہے " مچھلی ارد کی ماہی دعیس + جو نہ کس بچہ جوں سے مردم عین "
دکھات کرن لادر یہ میں اسکی نسبت یہہ عبارت لکھی ہے کہ " اسم یونانی است وبعضی
گفتہ اند لغت رومی (یعنی لیٹن) اسم نوعی از سمک است کہ بعربی حمار البحر و بفارسی
خوک دریائی میں ورار و بہ ہندی گھڑ ماہی وہندی سونس نامند " اور انگریزی کتابوں
میں یہہ ہے کہ یہ لفظ لیٹن زبان کا ہے اور انہوں نے اسکو ایک قسم وھیل مچھلی کی
لکھا ہے اور وہ یہہ بھی لکھتے ہیں کہ جب طوفان آنے کو ہوتا ہے تو یہہ مچھلی اچھلنے کودنے لگتی

۲ CARP ۳ DOLPHIN ۴ WHALE

نکل پڑا - میں نے اس امر کا ذکر سیکڑوں جہازرانوں سے کیا مگر کسی نے یقین نہیں کیا - البتہ ایک ذی علم ملاح نے مجھ سے کہا کہ چین کے کنارے پر جنگل میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو اس نے بھی ایک ایسی ہی صورت دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی مچھلیوں کو پکڑ لیا تھا-

مصنف کا ایک رات کو قمری قوس قزح دیکھنا

اگلے دن ہم کچھ سفر کر کے ان جزیروں میں پہنچے اور ایک ایسی جگہ پسند کر کے جہاں شکار کا خوف نہ تھا خشکی پر اتر پڑے اور آگ روشن کر لی اور میں نے اپنے نوکروں کو کہلا دو مرغ اور کچھ مچھلیاں تیار کرالیں اور خوب مزے سے کھانا کھایا - اور مچھلیاں فی الواقع لذیذ تھیں - پھر کوچ کیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہونے تک برابر چلے چلیں کیونکہ ان نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ بھول جانے کا خوف تھا - اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کر کے ہم بڑی نہر میں سے اس میں چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے معقول فاصلہ پر ایک درخت کے موٹے تنے سے باندھ کر رات بسر کی - اور جبکہ میں نگہبانی کے لئے جاگ رہا تھا تو میں نے آسمان میں ایک عجیب صورت دیکھی جیسے کہ دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا یعنی ایک قمری * قوس قزح دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھکر بہت

بھینسیا ہے جس سے [illegible] پوشیدہ ہوتے ہیں اور [illegible] سمت [illegible] کہتے ہیں اور [illegible] قریب [illegible] بدلے [illegible]

* قمری قوس قزح کو میں یورپ میں [illegible] کے لوگوں نے بھی دیکھا ہے چنانچہ کتاب [illegible]

متعجب ہوئے خصوصاً دو بے تمیز ہو کشتیوں اور جہازوں کے معلم یعنی رہنما تھے اور جنکو میں نے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ چڑھا لیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایسی قوس نہ کبھی دیکھی نہ سنی! تیسرے دن ہم ان نہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہمکو بعض بے تمیز جو ایک جزیرے میں نمک بنا رہے تھے نہ ملتے تو میں نہیں جانتا کہ ہمکو سیدھا راستہ کیونکر معلوم ہوتا۔ اس رات کو جبکہ ہماری کشتی ایک چھوٹی سی محفوظ کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے بے تمیز رفیقوں نے جو شب گذشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال میں اپنی نظر بہ سمت آسمان کی طرف لگائے ہوئے تھے مجھکو نیند سے جگایا اور ویسی ہی قوس قزح پھر دکھائی جیسی کہ ہم نے کل رات دیکھی تھی۔ یہ آپکو خیال نہ کرنا چاہیے کہ میں غلطی سے چاند کے ہالہ کو قوس سمجھتا ہوں۔ نہیں میں ہالے کو خوب جانتا ہوں کیونکہ بمقام دہلی برسات میں کوئی ایسا مہینا نہیں ہوتا جسمیں اکثر

(۱) میں نے حسکو ملا مصلح کی ایک کیفیت سے محمد مظفر شاہ بادشاہ ایران مشہور و معروف اہل علم کے تذکرہ کے طور پر تالیف کیا ہے اور خوش قسمتی سے مطبع شاہی تہران کی چھپی ہوئی ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے) اس نے طلوع طبیعت کے تذکرے کی ذیل میں لکھا ہے کہ شاہزادہ علی قلی میرزا وزیر علوم (ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ایران) نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ میں بعد سوا پہر سنہ ۱۲۶۹ ہجری میں جبکہ ہم وبا کے خوف سے بادشاہ کے ساتھ موضع آہار میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے ایک رات کو جو شب دوشنبہ اور عجیب سانحہ ہو رہا تھا آدھی رات کے وقت جو میں ایک کام کے لئے اپنے حجرے سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاند افق کے قریب ہے اور اسکے مقابل مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے۔ جو کہ دیکھا تو کیا چاند سے قوس کا پڑنا کبھی سنا بھی تھا مجھکو نہایت حیرت ہوئی اور میں نے امیرزادہ محسن میرزا اور ملا علی محمد اصفہانی اور حکیم قاآنی اور شمس الشعرا سروش۔ اور جناب نصیر الدولہ میرزا عبد الوہاب خان وزیر تجارت کو جو میرے

چاند کے گرد ہالہ نظر نہ آئے۔ لیکن ہالہ اُسی وقت نظر آتا ہے جبکہ چاند اُفق
سے بہت بلند ہو جیسا کہ میں تین چار رات تک متواتر دیکھتا رہا ہوں اور
بعض اوقات دوہرا ہالہ بھی دیکھا ہے مگر جس قوس کا میں ذکر کرتا ہوں
وہ چاند کے گرد کوئی ہالہ نہ تھی بلکہ وہ چاند کے مقابل اُسی طرح جیسے
آفتاب کی قوس ہوتی ہے تھی۔ چنانچہ جب کبھی میں نے قمری قوس کو دیکھا
تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو مشرق میں اور چاند قریباً پورا تھا۔ کیونکہ اگر
ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اُسکی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی
یہ قوس ہالے کی طرح سفید نہ تھی اور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طرح طرح کے
رنگ بھی اس میں نمودار تھے۔ پس آپ دیکھتے ہیں کہ میں متقدمین کی نسبت
زیادہ خوش نصیب ہوں جنہوں نے ارسطو کے قول کے بموجب اُس کے
زمانے سے پہلے قمری قوس قزح کا ہونا بیان نہیں کیا۔

حاشیہ: [illegible] کا ذکر [illegible] کمال سے کیا توہم
دیکھا ہے کہ وہ [illegible] مثلاً [illegible]
کتاب تاریخ الحکماء میں قمری قوس کا ہونا [illegible] صاحب سے معلومات تقویت ہوئی اور [illegible] میں
[illegible] کی صداقت کی [illegible] کتاب کا حوالہ دیتا ہے۔ مگر چونکہ [illegible] اسکی تحقیق کا خیال تھا [illegible]
[illegible] کی کتاب [illegible] دیکھا [illegible] فرنگستان میں سے [illegible] مصنفوں سے [illegible]
[illegible] کتاب ویلٹ کا [illegible] مصنف لکھتا ہے کہ سورج کی طرح چاند سے بھی [illegible]
[illegible] قمری قوس کے رنگ [illegible] ویلٹ [illegible]
[illegible] قمری قوس کے رنگ بہ نسبت آفتاب کے چاند کی روشنی کے کم ہونے [illegible]
کم معتبر ہوتے ہیں [illegible] ایک اور کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ
[illegible] ستمبر [illegible] میں [illegible] جو ملک فرانس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی ۱۲ س م ع

[illegible]

مصنف کا ایک رات سفر میں رات کو عجیب و غریب روشنیوں کا دیکھنا

چوتھے روز کی شام کو معمول کے موافق ہم بڑی نہر میں سے ایک محفوظ جگہ میں چلے آئے اور وہاں ہمنے ایسی رات کاٹی جو معمولی طور کی نہ تھی! ہوا نام کو بھی نہ تھی! اور گرمی اور گھمس کا یہ عالم تھا کہ دم لینا مشکل تھا۔ اور آس پاس کی جھاڑیوں میں جگنو اس کثرت سے چمکتے تھے گویا آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور ہر لمحہ شعلوں کی طرح آگ نکل نکل کر ہمارے ملاحوں کو ڈراتی تھی جنکو یقین تھا کہ یہ سب جن بھوت ہیں۔ ! ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتیں بہت عجیب و غریب تھیں یعنی ایک تو بڑا آتشیں گولا جو اُسقدر عرصہ سے جو دعای پیٹر ناسٹر* کے پڑھنے میں گزرتا ہے زیادہ دیر تک قائم رہا۔ ! دوسرا ایک چھوٹا سا درخت جو پاؤ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک جلے

پانچویں رات کا سخت طوفان اور بارش میں بسر ہونا۔

پانچویں دن کی رات بڑے ہی خوف و خطر میں گزری! ایسی سخت ہوا آئی کہ گو ہم اپنے خیال کے موافق درختوں کے نیچے بڑی محفوظ جگہ میں تھے اور کشتی بھی احتیاط سے بندھی ہوئی تھی مگر لنگر کا رسّا ٹوٹ گیا۔ اور اگر میں اور میرے وہ دونوں پرتگیز ساتھی دفعتاً اپنے بازو درختوں کے ٹہنوں میں ڈالکر اُنکو دو گھنٹے تک یعنی جب تک کہ وہ طوفانی ہوا برابر شدت سے چلتی رہی بڑے زور سے نہ پکڑے رہتے تو بالضرور ہم بڑی نہر میں جا گرتے اور آخر کار وہیں مرجاتے۔ کیونکہ ہندوستانی ملاحوں سے جن پر بالکل خوف چھا رہا تھا کسی طرح کی اُمید نہ تھی۔ اِسوقت ہماری حالت بری تھی

Pa ter noster

* عیسائیوں کے یہاں کیتھولک فرقہ کی ایک دعا کا نام ہے۔ س م ح

سی دردناک تھی! مینہ اس شدت سے پڑ رہا تھا کہ کشتی میں گویا ڈول کے ڈول پانی کے گر رہے ہیں۔ اور بجلی کی چمک اور کڑک ہمارے سروں کے آس پاس اور اسقدر تھی کہ ہم اس ہولناک رات کو اپنی جانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ اگر ہمارا باقی سفر ایسی ہی مردگی سے گزرا اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا نوٹ۔ دن ہم ہو کلی میں پہنچے اور اس خوشنما ملک کو دیکھ دیکھکر جس میں سے ہمارا گزر ہوا میری آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔ مگر میرا صندوق اور تمام پہننے کے کپڑے بھیگ گئے تھے اور مرغیاں مر گئیں۔ اور مچھلیاں تلف ہو چکی تھیں اور تمام بسکٹ پانی سے تر ہو گئے تھے۔

جواب تفسیری صاحب کے پانچویں سوال کا

میں نہیں جانتا کہ میرا اس پانچویں سوال کا حل قابل اطمینان ہوگا یا نہیں۔ لیکن جو رائیں میں پیش کرونگا وہ باعتبار اسکے ہیں کہ میں نے دریائے نیل[*] کی طغیانی کو دو مرتبہ دیکھا ہے اور اپنی تمام غور و فکر اس مضمون پر صرف کی ہے اور ہندوستان

---

* اس غرض سے کہ دریائے نیل کے سیح حالات کی بابت بعض کے مدد کے لئے میں جو تحقیقاتیں عمل میں آئی ہیں ان سب مضمون کے ساتھ ہم ان کو بھی پڑھ لیں ہم تاریخ مصر جسکو سینٹفک سوسائٹی علیگڈھ نے ڈاکٹر ریلس صاحب کی تاریخ اقوام قدیم میں سے انتخاب کرکے باصلاح بعض جدید مضامین اور حاشیوں کے شائع کیا ہے اسکی عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ س م ح

دریائے نیل کی طغیانی کا بیان

مصر میں دریائے نیل بھی ایک عجیب چیز ہے۔ اُس ملک میں مینہ بہت ہی کم برستا ہے مگر اسی کی طغیانی سے تمام ملک سیراب ہو جاتا ہے اور مینہ کے کی کمی سے جو نقصان ہوتا ہے اسکا مداوا یہ دریا دیتا ہے۔ کیونکہ ابر ملکوں کی بارش کو بطور محصول کے جمع کرکے مصر میں بھیجا دیتا ہے چنانچہ ایک شاعر نے مصر کے کھیتوں کے حق میں خوب کہا ہے شعر عجب ملک کی قسمیں مصر کی ہیں

نے بھی بعض ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے کچھ آسانی ہی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی بالضرور اُس مشہور و معروف

کہ یہ تھا کہ شہروں کی بنا [illegible] پڑا ۔ اس نیل سے ان دریا سے زیادہ فائدہ اٹھانیکے لئے مصر والوں نے دونوں کے اندر [illegible] اور مناسب مناسب موقعوں پر ہزار شہر بنائے [illegible] وطن کی [illegible] دریا کے ذریعہ سے دریاے نیل ایسی [illegible] کی جگہ کو [illegible] تھا اس کی [illegible] وہ لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پہلے [illegible] خشکی کے سفر کی مصیبت تمام [illegible] سے [illegible] اس [illegible] شہروں کو پاس پاس کر دیا تھا ۔ اور دریاے قلزم کو بحیرہ روم سے ملا دیا تھا [illegible] اس سبب سے ملک کی اندرونی و بیرونی تجارت بہت رونق پر تھی اور دونوں [illegible] بہت مشہور تھا [illegible] اس سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ دریا مصر کا مربی اور [illegible] بہت [illegible] انقلاب ۔ مصر والے کھیتوں میں دریا کے پانی کو جانے سے روکتے تھے مگر شہروں میں [illegible] محنت [illegible] تھے اور جو طرف پانی بھر جانے سے جزیروں کی طرح دکھائی دیتے تھے پانی نہیں جا سکتا تھا وہاں کے رہنے والے ان میدانوں کو جو دریاے نیل کے پانی سے بھر جاتے تھے اپنے اپنے مکانوں پر چڑھکر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے۔

دریاے نیل کے مخرج کا بیان

متقدمین بیان کرتے تھے کہ دریاے نیل کا مخرج ان پہاڑوں میں ہے جو کوہ قمر کے نام سے مشہور ہیں، جو خط استوا سے دس درجہ عرض جنوبی میں واقع ہیں ۔ تقویم البلدان میں بوعلی سینا کا یہ قول لکھا ہے کہ دریاے نیل تمام دنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے مگر یہ گزرے زمانہ کی بات ہے یورپ کے سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے جو نئی تحقیقاتیں کی ہیں اُن سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریاے نیل سے بڑے اور لمبے ہیں۔ سب سے بڑا دریا دنیا میں امریکہ کے ملک میں امیزان ہے اور دریاے نیل کی لمبائی سے دوگنے سے بھی زیادہ لمبا ہے ۔ دریاے نیل کا مخرج اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں ہوا تھا عربی جغرافیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل ویرانہ ہے اور اس سبب سے وہاں کا حال دریافت نہیں ہو سکتا اور جو کچھ یونانیوں نے لکھا ہے اُس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوا ۔ رولن صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے سیاحوں نے یہ تحقیق کیا ہے کہ خط استوا سے بارہ درجے عرض شمال میں اسکا منبع ہے اور اس سمت سے متقدمین کی

شخص[†] کو حاصل نہ ہوئی ہوگی جس نے بغیر اس کے کہ ملک مصر میں سیاحت
کی ہو صرف اپنی ذہانت اور سیر کتب اور مطالعہ کی رو سے اس عجیب

تحقیقات کی نسبت جو دریائے نیل کے منبع کے [illegible] کے رسالے میں لکھے ہیں کہ دریائے نیل کا منبع ایک جھیل ہے [illegible] کا نام [illegible] ہے اور مملکت ابی سعد میں واقع ہے گویا زمانہ حال میں انگلستان کے [illegible] کی سیاحی سے اس دریا کے منبع دریافت کرنے کی [illegible] کوشش [illegible] سپیک [illegible] دریافت [illegible] کو آوارہ [illegible] ۱۸۶۲ء [illegible] سے [illegible] جو اشتراک سے [illegible] ایک جھیل [illegible] وکٹوریہ [illegible] نام رکھے [illegible] ایک جھیل حقیقت دریائے نیل کا منبع ہے [illegible] اس جھیل کا [illegible] تیسرے درجہ عرض جنوبی سے واقع ہے جو گویا [illegible] دریائے نیل کا [illegible] دریائے نیل جو [illegible] درجوں کی [illegible] دو ہزار میل کے طول میں بہتا ہے اس جھیل کے جنوبی سرے سے مغرب کیطرف [illegible] تو ایک [illegible] دریا ملتا ہے جو اس جھیل میں پڑتا ہے کپتان سپیک صاحب کہتے ہیں کہ [illegible] دریا [illegible] کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر جھیل کے اس جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے کیونکہ عرب کے سیاحوں سے انہوں نے تحقیق کیا کہ وہاں [illegible] کے مشرق کی طرف [illegible] کی جھیلیں [illegible] کے میدان ہیں [illegible] کی بہت قلت ہے کبھی کبھی کوئی جھوٹی ندی [illegible] ہے۔ [illegible] جھیل کے شمالی کنارے سے دریائے نیل نکلتا کر اس جھیل کے شمال [illegible] ایک [illegible] جھیل [illegible] کپتان سپیک صاحب کا [illegible] مشہور ہے کہ [illegible] ایک [illegible] ہے جو ان دونوں جھیلوں کو ملا دیتی ہے [illegible] جھیل سے بھی ایک دریا نکلتا ہے [illegible] اور [illegible] درجہ عرض شمالی تک پہنچ کر دریائے نیل میں مل جاتا ہے۔ وکٹوریہ [illegible] جھیل کے شمالی کنارے میں سے [illegible] نکلتی ہیں اور تھوڑی دور [illegible] سب [illegible] مل جاتی ہیں اور ایک دریا بن کر دریائے نیل [illegible] ہے۔ [illegible] سے مشرق [illegible] اس طرح [illegible] جھیل میں سے ایک [illegible] کا شمال کیطرف [illegible] ہے سپیک صاحب نے اس کا نام [illegible] جھیل [illegible] کے بادشاہ کے نام پر رکھا ہے۔

---

† مسٹر [illegible] سے مراد ہے۔ [illegible]

سالہ میں ایک عمدہ اور عالمانہ تحریر کی ہے۔

مصنف کا دہلی میں شاہ حبشہ کے سفیروں سے دریائے نیل کے حالات کا دریافت کرنا

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب حبشہ کے دو سفیر دہلی میں آئے تھے تو میرے آقا دانشمند خاں جنکو معلومات حاصل

کیونکہ فرانسیسی جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی نے ... تحقیق کرنے کے صلہ میں انکو سونے کا تمغہ دیا تھا۔ اس جھیل سے ایک بہت بڑی ندی پانی کی نہایت زور شور سے جسکا عرض چار سو پانسو فٹ تک ہو گرتی ہے اور وہ ہلکر دریا کی صورت میں جاتی ہے کپتان اسپیک صاحب نے اس چادر کا نام رپن فال لکھا ہے۔ کیونکہ جب وہ دریائے نیل کے منبع کی تحقیقات کو روانہ ہوئے تو انگلستان کے جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی کے پریذیڈنٹ راڈرک مرچیسن صاحب تھے کپتان اسپیک صاحب کے نزدیک جو کچھ ضروری امر متعلق جغرافیہ درباب تحقیق منبع نیل کے تھے وہ پورے ہو چکے ہیں تاہم محققوں کے نزدیک ابھی اور زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے

دریائے نیل کی آبشاروں کا بیان

دو مقاموں پر کہ دریائے نیل سخت پتھروں میں ہو کر بڑے نیچے گرتا ہے انکو آبشار کہتے ہیں ملک مصر میں آنے سے پہلے یہ دریا حبشہ کے ملک میں آہستہ آہستہ بہکر آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت تیزی اور زور شور سے بہتا ہے اور رفتہ رفتہ رکاوٹوں سے نکل کر اور چند پہاڑوں سے گزر کر اسقدر زور شور سے بہتا ہے کہ اسکی آواز دو میل پرے سنائی دیتی ہے۔ اس ملک کے رہنے والے جنکو اس دریا میں آنے جانے کی عادت ہو گئی ہے ان لوگوں کو جو یہاں سیر کرنے کو آتے ہیں ایک عجیب تماشا دکھاتے ہیں جس سے بنسبت دل لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک چھوٹی سی ڈونگی میں دو آدمی بیٹھکر دریا میں جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ڈونگی کھیتا ہے۔ اور دوسرا ڈونگی میں سے پانی الیچتا جاتا ہے۔ بہت دیر تک وہ ڈونگی لہروں کی تیزی سے ٹکراتی ہے مگر وہ لوگ ہر طرح کا صدمہ اٹھا کر اور ڈونگی کو ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے قابو میں لاکر تیز دھارے پر لیجا کر بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں اور تیر کی طرح اسمیں سے نکل جاتے ہیں۔ خوف زدہ تماشا دیکھنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ جس بلندی سے ان لوگوں نے اپنی ڈونگی کو چھوڑا ہے انکے

کرنے کا ہمیشہ شوق رہتا ہے انکو اکثر دعوت کی تقریب سے اپنے ہاں
بلا لیتے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مجلس ہوتا تھا۔ … سے

بیچے جاکر وہ لوگ … گئے لیکن وہ لوگ … جھاڑتے ہیں … تک رہتے ہیں … جہاں … سے وہاں سے … سیلاب … نے کیا ہے … کے … شاخ بھی … تصدیق کرتے ہیں

دریاے نیل کی طغیانی کے سببوں کا بیان

اگلے زمانے کے لوگوں نے مثل ہیرودوتس اور … دیودورس … دریاے نیل کی طغیانی کے … ایک … باتیں اور بہت … خیالات تھے … زیادہ … اس زمانے میں یہ اتفاق ہے کہ ابی سینیا … جہاں سے … آتا ہے … بارش ہونے کے سبب دریاے نیل کو طغیانی ہوتی ہے کہ … ابی سینیا … اور یہی … بارش کے سبب … تمام ملک … پھیل جاتا ہے … کہتے ہیں کہ قدیم … یہ قیاس تھا کہ نیل کی طغیانی ابی سینیا میں … بارش … سبب ہوتی ہے۔ لیکن … شاعروں سے انکو … دیکھا … فلاسفر … اور سیاحوں کی تحقیقات میں نہایت شوق رکھتا تھا … نہایت قابل شخصوں کو … بھیجکر … تحقیق کیا تھا

دریاے نیل کی طغیانی کے موسم کا بیان

ہیرودوتس صاحب اور اسی طرح دیودورس اور … بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریاے نیل گرمی کے موسم میں یعنی … کے اخیر میں … شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے اخیر تک روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور اکتوبر اور نومبر میں رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آجاتا ہے۔ اس زمانے کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصلی سبب اس دریا کی طغیانی کا ہے … اور وہ سبب وہی حبشہ کی بارش ہے جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے مہینے میں وہاں بارش شروع ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینے تک یعنی اگست کے اخیر یا ستمبر کے اول تک برابر بارش

نتائج سیاحت ... کی اصل غرض یہہ ہوتی تھی کہ اُن کے ملک کی حالت
نواب صاحب کی وضع سے واقفیت حاصل کریں۔

اور مکتوب ہی سے ... مصر میں دریاے نیل کا چڑہاؤ تیس دن یا ایک مہینے بعد ہی سینا میں ابتدا شروع ہونے سے ہوتا ہے۔ سیاحوں کا قول ہے کہ دریاے نیل مئی کے مہینے سے بڑہنا شروع ہوتا ہے۔ مگر اول نہایت آہستہ آہستہ بڑہتا ہے اور کناروں سے باہر نکلنا اور کھیتوں کے غرق ہونے کے قریب تک ہی اسمیں طغیانی نہیں ہوتی۔ ہیرودوٹس صاحب لکہتے ہیں کہ اسکے بعد سو دن میں ... آتے ہیں اسمیں تین مہینوں میں ... طغیانی ہوتی ہے اگلے مصنفوں کی اصل کتابوں میں ایک مقام ہے جسکو بیان کرتا ہوں ہیرودوٹس اور ... ایک طرف میں ... صاحب اور پلینی صاحب اور ... صاحب ... میں یہہ ... صاحب دریاے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور ... رکہتے ہیں کہ تین مہینے ... سو دن میں کنارے کے ... کی زمینوں میں سے ... جاتا ہے اور زیادہ تعجب یہہ ہے کہ پلینی صاحب اسی راے کی بنیاد ہیرودوٹس کی راے ہی پر قائم کرتے ہیں

دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی کا بیان

پلینی صاحب بیان کرتے ہیں زمانہ طغیانی کے دنوں میں دریاے نیل ٹہیک ٹہیک جو سولہ ہاتہ اونچی چڑہ جاتا ہے جسکا کا چڑہاؤ تیرہ یا ساڑہے تیرہ ہاتہ اونچا آتا ہے تو ملک میں قحط سالی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور جسکا چڑہاؤ اٹہارہ ہاتہ اونچا ہو جاتا ہے تو غرقی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ شہنشاہ جولین نے ایک خط ... کو ... میں دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی ... ہاتہ لکہی ہے دریاے نیل کے چڑہاؤ کی بلندی میں باہم متقدمین کے اور زمانہ حال کے مورخوں میں اتفاق نہیں ہے۔ مگر بہت سا تفاوت بہی اُن میں نہیں ہے اور اُسکے سبب یہہ ہوں گے اول یہہ کہ اگلے زمانے کے اور زمانہ حال کے بیانوں میں شاید کچہہ تفاوت ہو جسکا دریافت کرنا مشکل ہے۔ دوسرے متقدمین مورخوں نے بے پروائی سے لمبے بیانوں کو لکہا ہو۔ تیسرے یہہ کہ خود نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ وہ دریا جسقدر سمندر کے پاس آتا جاتا ہے اُسکے چڑہاؤ کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے چونکہ مصر کے تمام ملک کی زرخیزی دریاے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی اسلئے مصریوں نے اُس کے

دریائے نیل کے منبع کی بابت نیرو کے سفیروں کا بیان-

چنانچہ علاوہ اور باتوں کے جنکے اُن سے دریائے نیل کے منبع کی نسبت جسکو وہ ابا نیل کہتے ہیں بہت گفتگو کی اُنہوں نے کہا کہ اسکے منبع کا حال تو کسی کو

بزرگوار کے تمام حالات کو اور اُسکے مصنف [illegible] لوگوں کی [illegible] دریا تھا [illegible] ایک مدت تک باقاعدہ
تاریخوں سے جو [illegible] برسوں میں [illegible] ہونے تھے دریائے نیل کے [illegible] سے یہ بات
معلوم ہوسکتی تھی اس حال میں جو اُسے کسی فصل پیدا ہوگی [illegible] کے اوساسوں سے شہر
ممفس میں [illegible] تھا [illegible] دریائے نیل کے [illegible] درست کیے گئے تھے اور
اُن [illegible] میں [illegible] اطلاع دی جاتی تھی [illegible] فصل [illegible] یا نقصان [illegible] دیکھا گیا
[illegible] کے لئے [illegible] کے قریب دریا کے
[illegible] ایک [illegible] آج تک [illegible] قاہرہ میں جاری ہے کہ ایک
[illegible] میں [illegible] دریائے نیل کے [illegible] کے درجوں کے نشان
[illegible] ہوتی ہے [illegible] دریائے نیل [illegible] مقدار
[illegible] کا [illegible] ہے [illegible] جس
[illegible] کا [illegible] ایک [illegible] ہے [illegible] خوشی ہوتی ہے
اور [illegible] حضرت [illegible] ہے - اور [illegible] ہوتی ہیں-
[illegible] کی روشنی میں [illegible] دریائے نیل
کی طغیانی [illegible] عام خوشی کیجاتی تھی [illegible] اُس ملک کی خوشی اور آسودگی
کی [illegible] مصر کے لوگ [illegible] تھے دریا کی طغیانی [illegible] دیتا
[illegible] تھے اور [illegible] کے درجوں کے نشان لگے ہوئے ہیں اُنکو
[illegible] قسطنطین سے [illegible] وہاں سے اُٹھا کر سکندریہ کے
گرجا میں [illegible] کا حکم دیا - [illegible] مشہور کیا کہ [illegible] کے سبب [illegible] نیل
میں کمی [illegible] سال [illegible] معمولی قاعدہ [illegible] جولین
نے جو [illegible] کہ [illegible] واپس
وہاں سے اُٹھوا منگایا-

خوب معلوم ہے اور اسکی نسبت کسیکو کچھ شک نہیں ہے - بلکہ ان غیروں
میں سے ایک نے مع ایک مغل کے جو انہیں کے ساتھ ہندوستان

نیل کی نہروں اور پانی کے کھینچنے کی کلوں کا بیان

اگرچہ خدا تعالیٰ نے مصر کے ملک کو ایسا بے باران دریا دیا تھا مگر اسپر بھی یہ نہیں ہوا کہ وہاں کے لوگ بے دست و پا ہو جاتے اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اٹھائیں کیونکہ ظاہر ہے کہ دریائے نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کر سکتا اسلئے بہت سی محنت و مشقت ہی وہ جس میں کھدائی تھی اور بہت سی نہریں ہر جگہ پانی پہنچانے کے لئے کاٹی گئی تھیں جو دیہات دریائے نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھے ان تک یہ نہریں بنائی تھیں - اور مناسب وقت پر بہت سے دیہات میں پانی پہنچانے کے لئے کھولی جاتی تھیں جو دیہات کہ بہت دور دور فاصلہ پر ملک کی سرحد پر تھے ان تک بھی پانی پہنچانے کے لئے نہریں بنی ہوئی تھیں اور اس طرح سے نہایت دور دور کے مقاموں تک بھی دریا کا پانی پہنچتا تھا جب تک کہ دریا کا پانی ایک معین حد تک چڑھ جاتا تھا اسوقت تک لوگوں کو یہاں سے اور نالیاں کاٹنے اور دہانوں کے کھولنے کی اجازت نہ ہوتی تھی کیونکہ اگر اس سے پہلے پانی ایسا خرچ ہو جاتا تو بعض زمینوں کو بہت سا پہنچ جاتا اور بعض کھیتوں کو کم پہنچنے کا احتمال ہوتا - موجب اُن قاعدوں کے جو ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور جنمیں سب طرح کے اندازے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کھولنا شروع ہوتا تھا اسطرح پر پانی کی ایسی احتیاط سے تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو تھوڑی پہنچ جاتا تھا - جن ضلعوں میں کہ دریائے نیل کا پانی از خود پہنچتا تھا وہ اسقدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے ہیں اور اُن میں اسقدر نہریں سی ہوئی ہیں کہ جسقدر پانی جولائی اور اگست میں مصر میں پھیلتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اسکا دسواں حصہ بھی سمندر تک نہیں جاتا تھا - مگر باوجود اسقدر نہروں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک نہیں پہنچتا تھا اسلئے بیشمار کلوں سے اُن زمینوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا اُن کلوں کو بیل پھیراتے تھے اور پانی نلوں میں جاکر اُن اونچی زمینوں میں پہنچتا تھا شاید ڈیوڈورس صاحب کہتے ہیں کہ جب آرکیمیڈیز صاحب بطرف سیرکیوس کے مصر میں گئے تو انہوں نے لوگوں

کو واپس آیا تھا اسکو دیکھا بھی تھا انہوں نے کہا کہ دریاے نیل کا منبع
اگوس کے ملک میں ہے اور وہ دو بڑے جوشندہ چشمے ہیں جو

کے سبب یہ سل ایجاد کی تھی۔

مصر کی زرخیزی کا بیان جو دریاے نیل کے سبب سے ہوتی ہے

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جسکی زمین مصر کی زمین سے زیادہ زرخیز ہو اور وہ صرف دریاے نیل کا باعث ہے اور دریاؤں کا یہ دستور ہے کہ جب انکی رو زمین پر پھر جاتی ہے تو وہ ریت و ریگ لاتی ہے یعنی زمین کی مٹی جسکے سبب زمین نم رہتی ہے بہ جاتی ہے مگر برخلاف اسکے دریاے نیل اپنی رو میں اوپر سے چکنوٹ مٹی بہا لاتا ہے اور وہاں چھوڑ جاتا ہے اور زمینوں کو زرخیز کر دیتا ہے اور اس سبب سے اگلی فصل ہونے سے زمین جسقدر کمزور ہو جاتی ہے پھر اتنی ہی زور آور ہو جاتی ہے کاشتکار کو ملک میں ہل چلانے اور زمین توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی۔ جب دریاے نیل ہٹ جاتا ہے تو بجز اسکے کہ زمین کے اوپر جو چکنوٹ مٹی رہ گئی ہے اسکو الٹ پلٹ کر نیچے کی ریتلی مٹی سے ملا کر اسکے مزاج کو معتدل اور اسکی قوت کو کم و زیادہ کیا جائے اور کچھ کام کرنا نہیں پڑتا اسکے بعد نہایت آرام سے اسمیں بیج ڈالدیا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے کھیتی کرنے میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا دو مہینے میں سب زمینیں پھول پھل کر سبز ہو جاتی ہیں اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں اور اُن میں کثرت سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ مصر والے اکثر نومبر اور اکتوبر میں جبکہ دریاے نیل کا پانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی بوتے ہیں اور مارچ و اپریل میں فصل تیار ہو جاتی ہے ! مصر کی زمینیں تین فصلی اور چو فصلی ہیں یعنی ایک زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف چیزیں بوئی جاتی ہیں پہلی دفعہ کھیرا ککڑی بوکر کاٹ لیتے ہیں اسکے بعد اناج بوتے ہیں اور جب اناج کی فصل تیار ہوکر کٹ لیتی ہے تو مختلف قسموں کی ترکاریاں جو خاص کر مصر میں ہوتی ہیں بوتے ہیں اور چونکہ مصر میں آفتاب بہت تیزی سے نکلتا ہے اور دھوپ کی تپش بہت ہوتی ہے اور مینہ بہت کم برستے ہیں اگر اُس ملک میں نہریں اور چشمے بکثرت نہ ہوتے جن سے نالیاں بنا کر کھیتوں اور باغوں میں بخوبی پانی دیا جاتا ہے تو قیاس چاہتا ہے کہ وہاں

Agoms (اگوس اگ ذ س)

ایک دوسرے کے قریب ہی زمین سے نکلا اول تو کوہی میں ۲۰
چالیس قدم میں ایک جھوٹی سی جھیل بنجاتے ہیں اور پھر اسمیں سے نکلکر

یہہ دریا بہت پھیل جاتا ہے اور اسکے بعد رستہ میں اور بہت سے ندی نالے ملجاتے ہیں اور ایک دریاے زخار ہوجاتا ہے انہوں نے یہہ بھی کہا کہ یہہ ایسے طور پر پیچ کھا کھا کر گیا

کی زمینیں جو خشک ہوجاتی ہیں اور ایسی کثرت کی گرمی سے اناج اور ترکاریاں جل جاتیں۔ ان سے مویشی کی ... میں بھی ... دوسرا ... کچھ کم ... نہیں ... مویشی کو ... کے مہینے میں چرنے کو باہر نکال دیتے ہیں اور ... قطعوں میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ ان چراگاہوں کی زرخیزی ... مویشیوں کے ریوڑ کے ریوڑ سب معتدل اور خوش آیند ہوتے ... باہر رہتے میں تھوڑی ہی مدت میں بہت زیادہ اور فربہ ہوجاتے ہیں ... کی طغیانی ہوتی ہے اُن دنوں میں مویشی کو کھلی اور گھاس اور جو ... کھلاکر پرورش کرتے ہیں۔

مسٹر کا ... صاحب اپنی سیاحی کے حال میں لکھتے ہیں کہ مصر کے ملک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک معین موسم میں اتھیوپیا میں اسقدر مینہ برستا ہے کہ مصر کو پانی دیکر بحال کردیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی۔ اور اس اپنی ... سے ایسی خشک اور ریتلی زمین کو دنیا کا ایک عمدہ زرخیز ملک بنادیتا ہے۔ ایک اور بات بھی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جون میں اور اس کے اگلے چار مہینے میں شمالی اور شرقی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ ... نیل کا پانی رکا رہے اور جلدی سے بہکر سمندر میں نہ چلا جاوے اگلے لوگوں نے بھی اس قدرتی حکمت کے نکتہ کو بہت غور سے خیال کیا تھا۔

ہے کہ جس سے زمین کا ایک وسیع حصہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اُتر کر ایک بڑی جھیل میں جو ملکت ڈیمبیا میں اِسکے منبع سے صرف چار پانچ منزل اور گونڈار دار الحکومت اتھیوپیا سے تین ہلکی منزلوں کے فاصلہ پر ہے جا گرتا ہے۔ اور اِس جھیل کو طے کر کے مع اُن تمام پانیوں کے جو اِس جھیل میں گرتے ہیں آگے کو بڑھتا ہے اور ممالک فنجی یعنی بربرستان جو شاہ اتھیوپیا کے باج گزار ہیں اُن کے خاص شہر سینار میں سے گزرتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہو کر ملک مصر کے میدانوں میں آنکلتا ہے

اتھیوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہو اجھا ہیئے

جب یہہ سفیر دریاے نیل کا منبع اور اُسکی کیفیت بیان کر چکے تو مینے اُس ملک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اِس دریا کا یہہ منبع ہے بس مینے پوچھا کہ ڈمبیا باب المندب سے کس طرف کو اور افریقہ کے کونسے حصہ میں واقع ہے۔ لیکن اُنہوں نے بجز اِسکے اَور کچھ جواب نہ دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے۔ مجھکو یہہ تقریر سُنکر حیرت ہوئی خصوصاً ایک مسلمان سفیر سے جسکو کسی عیسائی کی نسبت مقامات کی نسبتی حالتوں سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسلمانوں پر یہہ فرض ہے کہ اپنی پنجگانہ نماز پڑھتے وقت شہر مکہ کی طرف رخ کریں۔ مگر بہرحال اُس مسلمان سفیر نے یہہ امر باصرار

ڈ نے م ب ی آ Dembea گ ز ن ڈ آ ز Gondar ف ن ج ی Fungi

بربرستان Berberis س ی ن آ ز Sennar

بیان کیا کہ ڈیمبیا باب المندب کے مغرب میں ہے۔ پس ان مخبروں کے قول کے بموجب دریائے نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہے نہ کہ جنوب میں جہاں بطلیموس نے قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں بھی جنوب ہی میں درج ہے۔

---

* بطلیموس - اس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاڈیس ٹولیمی اور مسلمان مصنف بطلیموس ابن قلاودس لکھتے ہیں یہ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آرہا تھا۔ کہا ہے کہ جب بطلیموس درامو س سے ... حکیم ... کی شاگردی اختیار کی اور جب علوم حکمیہ میں اچھی دستگاہ بہم پہنچی تو ریاضیات کی طرف زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ جب یہ اڈریانوس کے عہد میں جو ان دنوں قیصر روم کی طرف سے ملک مصر کا حاکم تھا اور جو اسکو بہت عزیز رکھتا تھا اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو ... ریاضیات ہی کا اسکو شغل تھا۔ یہاں اس نے ستاروں اور افلاک کی گردش وغیرہ دریافت کرنے کے لئے رصد گاہ بنایا۔ اور متقدمین علمائے اہل ہیئت خصوصاً ہپارکس (ہپارچس) کے سیاروں اور ثوابت کی فہرستوں کی تصحیح کی اور ایسی جدولیں بنائیں جن سے سورج چاند وغیرہ کی گردش کا حساب لگ سکتا ہے اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اصطرلاب وغیرہ آلات رصد کی ایجاد کئے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ ہپارکس ان کا موجد ہے لیکن اعمال ریاضی اور آلات رصد جو بالفعل مستعمل ہیں ان کی تصحیح اور توضیح فی الواقع اسی نے کی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی مشہور کتاب مجسطی کے تیرھویں مقالہ کی آخری نوع میں خود لکھا ہے "اس کتاب کی برابر اس فن میں آجتک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ چنانچہ نامور مسلمان علمائے ہیئت فضل بن یحییٰ تبریزی و محمد بن جابر و ابو ریحان خوارزمی جنہوں نے اس کتاب پر حاشیے اور شرحیں لکھی ہیں جسقدر انہوں نے اس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اسیقدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اس کتاب کے تیرہ مقالوں کا ترجمہ اول چند یونانی علماء نے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے جو سن ایک سو ستر ۱۷۰ ہجری مطابق [illegible] کیا

بنڈل سی ٹم وش Glandzius کرنل ڈی ہاش شٹ ول سے ہم ہی Pelamy
(اودی ان وس) (اڈیری ان Azeinea) (وپ ارگ Hipparchus) (ہم کا نس پٹ ڈنی)

اتھیوپیا کی بارش کی نسبت اُن صاحبوں کے جواب اور یمن کی بارش کا ذکر

ہمنے اِن صاحبوں سے یہہ بھی دریافت کیا کہ اتھیوپیا میں بارش کب ہوتی ہے اور یہہ کہ ہندوستان کی طرح مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اور طرح اُنھوں نے جواب دیا کہ بحرِ احمر کے ساحل پر سواکن اور آرکیکو[1] اور جزیرہ مصوع سے لیکر باب المندب تک اُس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جیسی کہ مخا میں ہوتی ہے جو اِس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک یمن میں ہے مگر اِس ملک کے اندر کی

سنہ ۸۲۷ عیسوی سے سن ایک سو ستاسی ۱۸۷ ہجری مطابق سن آٹھ سو دو عیسوی تک وزیر تھا یونانی سے عربی زبان میں کیا تھا لیکن وہ اسکو پسند نہ آیا اور اُسنے ابو حیان[2] اور ایک اَور عالم کو اسکے دوبارہ ترجمہ کرنے کا حکم دیا جنہوں نے نہایت عمدگی سے اس کام کو انجام دیا اور حجاج بن مطر ثابت بن قرہ اور اسحاق نے اُسکے الفاظ کی اصلاح کی اور قریب سنہ ۱۲۳۰ع (مارماموتیس) کے اسی عربی ترجمہ سے یہہ کتاب زبان لیٹن میں ترجمہ ہوئی۔ بطلیموس نے اس فن میں ایک اَور رسالہ بھی اپنے شاگرد سوری کے واسطے لکھا تھا جسکا ترجمہ ابراہیم بن صلت نے عربی میں کیا اور حنین[3] بن اسحاق نے اُسکی اصلاح کی۔ غرض بطلیموس متقدمین ہیئت دانوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا ہے جو اس علم کو کمل کرکے ہمارے لیئے چھوڑ گیا۔ اسکے نظام مقررہ کو نظام بطلیموسی کہتے ہیں جسکا بڑا اصول یہہ ہے کہ زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور افلاک اُسکے گرد حرکت کرتے ہیں بخلاف نظام مسلم حال کے جو نظام فیثاغورثی کہلاتا ہے جسمیں آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلیموس نے مارینس[4] باشندہ شہر ٹائر[5] کے اصولوں کی بنیاد پر فن جغرافیہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جسکا کندی[6] نے عربی میں ترجمہ کیا اور لیٹن میں بھی اُسکا ترجمہ ہوا جو اب موجود ہے طول شرقی اور عرض شمالی اسی نے قائم کئے اگرچہ اسکا یہہ کام کمل نہیں سمجھا جاتا مگر تاہم نئے جغرافیہ بنانے والوں کے لیئے بڑا مفید ہے اور فن میں بطلیموس کی اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ یہہ علم موسیقی کا بھی بڑا ماہر تھا اور اُسکی ایک نہایت عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن میں ابھی موجود ہے۔ اسکی وفات اٹھتر برس کی عمر میں سنہ ایک سو نو عیسوی میں واقع ہوئی۔ [ماخوذ از ناسخ التواریخ و انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا] مترجم

(1) آرکیکو Arkeeko (2) ابوحیان (3) حُنین (4) مارینس Marinus (5) ٹائر Tyre (6) کندی

طرف مملکت اتھیوپیا کے صوبہ اگمس میں اور آس پاس کے صوبوں میں گرمی کے
ان دو مہینوں میں بہت بارش ہوتی ہے جنہیں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی
ہے اور میرے قیاس کے بموجب یہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ مصر میں
دریائے نیل طغیانی پر آتا ہے ان سفیروں نے کہا کہ ہمکو خوب معلوم ہے
کہ دریائے نیل کی طغیانی اور اُس سے ملک مصر کی سیرابی کا باعث اتھیوپیا
کی بارشیں ہیں۔ اور ملک مصر کی زرخیزی کا باعث وہ چکنی مٹی ہے جس کو
دریائے نیل بہاکر یہاں لاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں حالات کی
وجہ سے شاہان اتھیوپیا کو ملک مصر سے خراج لینے کا استحقاق حاصل تھا اور
جب اُس ملک پر مسلمان مسلط ہوگئے اور وہاں کی عیسائی رعایا ظلم رسیدہ اور ذلیل
ہوگئی تو شاہِ اتھیوپیا نے چاہا تھا کہ اس دریا کا رُخ بحر احمر کی طرف پھیر دیا جائے
اور یہ ایسی تدبیر تھی کہ مصر کی زرخیزی بالکل مفقود ہوکر یہ ملک برباد ہو جاتا۔
لیکن یہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان تھا کہ مطلق عمل میں نہ آیا!
ان تمام باتوں سے میں مقام مخا پہلے ہی واقف ہو چکا تھا۔ کیونکہ گوندار کے
رہنے والے ان بارہ سوداگروں سے (جو بادشاہ اتھیوپیا کیطرف سے ہر سال
اس شہر میں اس غرض سے آتے تھے کہ ہندوستان سے آئے ہوئے جہازوں
کے ساتھ لین دین کریں) مجھکو طرح طرح کی گفتگوؤں کا موقع ملا تھا۔ اور جو معلومات
مجھکو اُن سے حاصل ہوئے تھے اگرچہ وہ بہت مفید ہیں۔ کیونکہ اُن سے بھی
دریائے نیل کی طغیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو قریب
اُسکے منبع کے اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر پڑتی ہیں۔ لیکن تاہم میں اپنے

ذاتی مشاہدوں کو جو اِس دریا کی طغیانی کے وقت مجکو وہ مختلف اوقات میں ہوئے تھے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور اِنؔ سے آپکو ظاہر ہوجائیگا کہ مصر کے عوام الناس کی جو رائیں اس بارہ میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہوجائیگا کہ وہ محض بے معنی قصے کہانیاں اور ایسے لوگوں کی گھڑتیں ہیں جو توہمات میں اسوجہ سے پھنسے ہوئے ہیں کہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے ملک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی طغیانی کو دیکھکر سخت متحیر ہوجاتے ہیں۔

نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور اوہام کا ذکر اور اُس کا ابطال

چنانچہ منجملہ اُن توہمات اور تخیلات کے میری مراد اِس جگہہ بتخصیص اُن کے مفصلہ ذیل غلط خیالات سے ہے یعنی ایک تو وہاں کے لوگوں کا یہہ اعتقاد ہے کہ دریائے نیل کی طغیانی شروع ہونیکا ایک خاص دن مقرر ہے! دوسرے یہہ کہ ایک خاص قسم کی شبنم جسکو گوٹ[1] کہتے ہیں۔ طغیانی کے اوّل ہی دن ٹپکنی شروع ہوتی ہے اور اسکے شروع ہوتے ہی وبا طاعون فوراً جاتی رہتی ہے۔ تیسرے یہہ کہ جب گوٹ گرنے لگ جاتی ہے توپھر اس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا بھی ہو تو ہلاک نہیں ہوتا! چوتھے یہہ کہ اس دریا کی طغیانی کے اسباب ایسے مخفی اور خاص طور کے ہیں کہ جو کسی کو معلوم نہیں ہیں! مگر میرے مشاہدات کا خلاصہ یہہ ہے کہ مجھے بخوبی منکشف ہوگیا کہ یہہ مشہور دریا بھی مثل اَور دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے طغیانی پر آتا ہے نہ یہہ کہ اِسکی طغیانی اِس سبب سے وقوع میں آتی

---

(۱) گوٹ Gout

ہے کہ مصر کی زمین اپنی شوریت کی وجہ سے جوش کھا کر اپنی طغیانی کا باعث ہوتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ طغیانی کے اس متعلہ دن سے قریباً ایک مہینا پہلے ہی یہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑھا ہوا اور نہایت گدلے پن کی حالت میں بہ رہا تھا۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہ طغیانی پر آتا ہے تو قبل اسکے کہ اسکی نہروں کے دہانے کھولے جائیں یہ پہلے تو چند روز تک ایک یا دو فٹ چڑھتا ہے اور بعد ازاں بتدریج اُترنا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑھنے لگتا ہے اور ٹھیک اُسی اندازہ سے چڑھتا یا اُترتا ہے جسقدر کہ اُسکے منبع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اسکی یہ حالت بعینہ ہمارے دریائے لوائر کی سی ہے جسکا چڑھاؤ اور اُتار اُسی نسبت سے ہوتا ہے جسقدر کہ بارشیں اُن پہاڑوں پر ہوتی ہیں جہاں سے یہ نکلتا ہے۔

طغیانی کے متعلہ دن اور شبنم کے گرنے میں کچھ تعلق نہیں

اس دن سے قریب ایک مہینا پہلے جبکہ گوٹ کا گرنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس سے واپس آتے ہوئے میں ڈمیٹا (یعنی دمیاط) سے شہر قاہرہ تک اِس دریا کی بالائی جانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جو رات بھر پڑی تھی تر ہو گئے تھے۔

شبنم کے گرنے اور وبائے طاعون میں جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اُسکا ابطال

گوٹ گرنے کے آٹھ دس روز بعد بمقام روسیٹا (یعنی رشید) مجھے اپنے وائس کانسل (یعنی

ٹ روزیٹا Rosetta | Vice Consul

نائب کیل) مانسیور دی برمن[1] صاحب کے ساتھ شب کو کھانا کھانے
اتفاق ہوا تھا اور جماعت حاضرین طعام میں سے تین شخص اُسی رات کو طاعون
کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے - جن میں سے دو تو آٹھویں دن مرگئے اور
تیسرا مریض بھی جو اتفاق سے خود دی برمن صاحب ہی تھے شاید اِس بیماری
سے جاں بر نہوتا اگر میں جرأت کر کے یعنی اُس شبنم کی متخیلہ تاثیر کے بھروسے
پر نہ رہکر اُن کا پھوڑا نہ چیر ڈالتا اور دوا تجویز نہ کرتا -

> مصنف کے مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا ذکر -

اس موقع پر خود مجھکو بھی یہہ متعدی بیماری لگ گئی
تھی اور اگر میں فوراً بٹر آف اینٹی منی[2] یعنی سرمہ کا جوہر
استعمال نہ کرتا تو میں بھی مرجاتا - اور یہہ بات ثابت ہوجاتی کہ گوٹ کے گرجانے
بعد بھی آدمی وبا سے مرجاتے ہیں ! اِس قے لانے کی دوا نے جو میں نے
بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ
بیمار نہ رہا - ایک میرا بدوی[3] نوکر جو اِس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا یہ
دُھانس بند جانے کی خاطر وہ یخنی جو میرے پینے سے بچ جاتی تھی بے تامل
پی جاتا تھا - اور چونکہ وہ ایک متوکل شخص تھا طاعون سے ڈرنے والوں کے
خیال پر ہنستا تھا -

> شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبی سبب -

میں اِس بات سے انکار نہیں کرتا کہ گوٹ کے گرنے
کے بعد اِس بیماری میں عموماً ہلاکت کا کم خوف ہوتا ہے
لیکن میری غرض یہہ ہے کہ اِس خوف کے کم ہونے کو گوٹ سے نسبت کرنا

(1) مانسیور دی برمن (3) بدوی Monsieur de Bernon
(2) بٹر آف انٹی منی Butter of antimony

چاہیئے کیونکہ میری رائے میں بیماری کے کم ہو جانیکا سبب گرمی کی شدت ہے جو ان دنوں میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہو جاتی ہے جس سے سات تمام کردہ سب مفسد اور وبائی رطوبتیں جو [illegible] میں بند تھیں خارج ہو جاتی ہیں۔

> ملاحوں سے دریافت کرنے کے قول کے موافق بھی [illegible] نیل کی طغیانی کا سبب

علاوہ بریں میں نے بہت احتیاط سے اکثر ملاحوں سے بھی جنکو [illegible] کہتے ہیں اور جو دریائے نیل پر مصر کے میدانوں کی حد اخیر یعنی چٹانوں اور آبشاروں تک سفر کرتے ہیں دریافت کیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی بتایا کہ جب یہ دریا مصر کے میدانوں اور [illegible] میں جوش اور پرجوش بیان کی جاتی ہے طغیانی پر آتا ہے تو آبشاروں اور پہاڑوں میں بھی بہت چڑھتا ہے اور ان آبشاروں کو عجیب طور سے طغیانی پر لاتا ہے حالانکہ ان پہاڑوں کی زمین ظاہرا شور نہیں ہے

> سینار کے حبشیوں کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

میں نے ہوشیاری کے ساتھ سینار(۲) کے حبشیوں سے بھی جو نوکری کے واسطے قاہرہ کو جاتے ہیں اور جنکا ملک دریائے نیل کے کنارے پر ان کوہستانی قطعات میں واقع ہے جو مصر کے جنوب کی طرف ہیں اور شاہ اتھوپیا کا باج گزار ہے تحقیق کیا تو انہوں نے بھی متفق اللفظ یہی بیان کیا کہ جسوقت دریائے نیل مصر کے میدانوں میں چڑھتا ہے تو یہ ہمارے ملک میں بھی چڑھتا اور زور پر آتا ہے۔ اور اسکا باعث وہ بارشیں ہیں کہ جو صرف ہمارے پہاڑوں میں ہوتی

(۱) [illegible] حرف [illegible] ترجمہ کی علامت ہے [illegible] Raga

(۲) [illegible] Sennaar

ہیں بلکہ ہمارے ملک سے اوپر کی طرف اتھیوپیا میں بھی ہوتی ہیں۔

ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں۔

ہندوستان کی موسمی بارشوں اور دریائے نیل کے مصر میں ایک ہی وقت میں طغیانی پر آنے سے جو جو خیالات میرے دل میں گزرے اُن سے یہہ مضمون بہت صاف ہوجاتا ہے۔ اور آپ خیال کرسکتے ہیں کہ دریائے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریائے نیل اور ان کے آس پاس کی زمینیں گویا مصر کی زمینیں ہیں۔

دریائے نیل اور گنگا اور مصر اور بنگالہ میں جو مشابہت ہے اُس کا ذکر۔

یہہ خیالات میرے دل میں اُسوقت گزرے تھے جبکہ میں بنگالے میں تھا اور مندرجہ ذیل عبارت وہ عبارت ہے جو مینے اُسوقت اس بحث کے متعلق لکھی تھی " خلیج بنگالہ میں دریائے گنگا کے دہانے پر وہ متعدد جزیرے جو زمانہ پاکر آپسمیں مل گئے۔ اور آخرکار بڑا عظم سے شامل ہوگئے ہیں مجھکو دریائے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں مصر میں تھا تو صنایع قدرت کو دیکھکر مجھے خیال آتا تھا کہ ارسطو کا یہہ قول "کہ ملک مصر دریائے نیل کی صنعت ہے" بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریائے گنگا کا بنایا ہوا ہے! ان دونوں دریاؤں میں صرف اتنا فرق ہے کہ دریائے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اسی وجہ سے نیل سے زیادہ مٹی اپنے ساتھ سمندر میں بہا لیجاتا ہے جسکے سبب سے اُسکے جزیرے نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہہ فرق بھی ہے کہ دریائے نیل

کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بخلاف گنگا کے جزیروں کے جو بسبب اُن چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہیں درختوں سے لدے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آبپاشی کی خاطر نیل سے کاٹی جاتی ہیں بنگالے میں موسمی بارشوں کی بدولت اُن کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ بھی آسانی تیار ہوسکتی ہیں کیونکہ دریاے گنگا اور اور دریا گرمی کے موسم میں اُن بارشوں کے سبب سے جو اِس موسم میں ہمیشہ ہوتی ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل چڑھتا ہے۔ دونوں ملکوں میں یہہ تفاوت ہے کہ مصر میں سمندر کے کنارے کے سوا جہاں کبھی کبھی خفیف سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم ہو بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اتھیوپیا میں دریائے نیل کے منبع کے قریب بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش اُن ملکوں میں ہمیشہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے جنمیں دریا بہتے ہیں۔

ملک سندھ اور مصر کی مشابہت کا ذکر۔

مگر معلوم رہے کہ یہہ حالت عموماً نہیں ہے چنانچہ دریائے سندھ کے دہانے پر ملک سندھ میں جو خلیج فارس کی طرف واقع ہے برسوں ایک بوند بھی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں کیسی ہی طغیانی کیوں نہ ہو اور یہہ ملک اُسوقت مصر کی طرح صرف نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

موسیو تھیونٹ صاحب نے جو یہہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو جو تجربے اور مشاہدے مجھکو بحر قلزم اور سویز اور طور اور کوہ سینا اور عقبہ میں

جو کہ سے آدھے دن کے راستہ پر پاک ماہوا ایک مقام ہے اور جزیرہ کامیرن[1] اور لوہیا[2] میں ہوئے ہیں اُن کا مفصل حال آپ کے پاس لکھ بھیجوں اس لیے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے کی فرصت ملے اُنکی تمنا کو پورا کروں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو واقفیت مجھکو بمقام مخا ملک اتھیوپیا اور وہاں جانیکے لیئے عمدہ راستہ کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُسکو بھی لکھوں۔

مصنف کا خط بنام مسٹر چپلین† مورخہ دسوین جون سن سولہ سو اڑسٹھ ۱۶۶۸ عیسوی بمقام شیراز واقع ایران

ہندوؤں کے عقائد اور توہمات‡ او بعض انوکھی رسموں اور مذہب وغیرہ کے بیان میں

سورج گہن

سورج گہن کے ایک موقع پر لوگوں کے توہمات کا بیان۔

صاحب من! سورج گہن کے دو واقعے مینے ایسے دیکھے ہیں کہ جنکو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ پہلا واقعہ تو مینے

‡ کسی مصنف کی کوئی ایسی بات جو کسی قوم یا فرقے کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اُس قوم یا فرقہ کے لوگوں کو البتہ ناگوار ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ الفاظ بھی کسیقدر سخت ہوں۔ پس اس کتاب کی اس فصل کے ترجمہ کرنے میں اگرچہ مورخ کی اسے ... ہمارا اختیار نہ تھا کہ اُسکو بدل دیا جاتا مگر اس

† Mr. Chapelain (2) Tohara (1) Camaran

مسٹر چپلین (۲) توہرا (۱) کامران

اپنے ہی ملک میں سن سولہ سو چون (۱۶۵۴) عیسوی میں دیکھا تھا اور دوسرا اسن سولہ سو چھیاسٹھ (۱۶۶۶) عیسوی میں بمقام دہلی! پہلا گہن مجھے اس سبب سے یاد ہے کہ اُس سے اہل فرانس کی طفلانہ زود اعتقادی اور اُن کے بے بنیاد خوف وہراس کے عجیب عجیب تماشے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے یہ بے وقوفانہ وسواس اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں نے تو ٹونے ٹوٹکے کرکے بچ جانے کے لئے قسم قسم کی جڑی بوٹی اور دوائیں مول لیں اور بعض نے محفوظ مکانوں اور تہ خانوں میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کرلیا تاکہ اُس منحوس کے وقت آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور ہزاروں آدمی گرجاؤں میں دعا مانگنے گئے بعض یہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے۔ اور بعض کی یہ رائے تھی کہ قیامت کا دن یہی ہے اور یہہ جہان آج ہی قیامت ہوجائے گا اور اگرچہ گے سینڈی[۱] اور رابرول[۲] وغیرہ اہل ہیئت اور حکمار فرنگستان نے پہلے ہی خوب تکرار سے لکھدیا تھا کہ اس گہن میں اگرچہ دھوپ بالکل نہ رہیگی مگر یہہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے

مترجم نوٹ مطلب جس جگہ ترجمہ کرکے عام لفظ اختیار کیا جاسکتا تھا یا اس خاطر اپنے ہموطنوں کے وہاں ایسا کیا گیا ہے مگر بعض لفظ مجبوراً بھی رہنے گئے ہیں امید کہ ناظرین وقت بیدہاری اس فروگذاشت کو معاف فرمائیں گے۔
السید محمد حسین

---

۱ گے سینڈی ملک فرانس کے نامی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہہ سن پندرہ سو بانوے (۱۵۹۲) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچپن میں مرا۔ یہہ ابتدا عمر ہی سے علوم ریاضی کیطرف مائل تھا

---

۲ رابرول ایک فرانسیس عالم تھا اور ریاضیات اور خصوص ہندسہ میں بہت بڑی دستگاہ رکھتا تھا مگر علما اور حکما کے طریق کے برخلاف خیال اور خود غرضی سے اُن مسائل کو جو صحیح

اور جو طلوع صبح پر ہمیشہ ہوتے رہے ہیں یہ بھی بالکل بےخطر ہے نجومیوں اور رمالوں کے سے بیہودہ توہمات نکرنے چاہئیں مگر اسپر بھی ہمارے ہموطنوں کو ایسے ایسے وسواس اور توہمات تھے۔

دلی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر --

جو گہن بمقام دلی سن سولہ سو چھیاسٹھ (۱۶۶۶ء) عیسوی میں ہوا وہ ہندوؤں کے توہمات اور عجیب غریب حرکات کی وجہ سے مجھے یاد رہیگا۔ جب گہن کا وقت آیا تو میں اپنی حویلی کی چھت پر جو جمنا کے کنارے تھی اور جہاں سے دریا کے دونوں کنارے نظر آتے تھے جن میں تخمیناً ایک "لیگ" یعنی تین میل کا فاصلہ ہے جا کھڑا ہوا ہزاروں لاکھوں ہندو کمر کمر پانی میں سورج کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے دیکھ رہے تھے تا گہن کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگائیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور لڑکے بالکل ننگے تھے۔ مرد صرف دھوتیاں باندھے ہوئے تھے۔ بیاہی ہوئی عورتیں اور چھ چھ سات سات برس کی لڑکیاں

چنانچہ سولہ برس کے سن میں تحصیل علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بمقام اِکس علم الادیان اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اسی زمانہ میں ارسطو کی تردید میں ایک کتاب لکھکر چھپوائی جسکے باعث یہ تمام فرنگستان میں مشہور ہو گیا اس سولہ سو اٹھائیس عیسوی میں یہ جب ملک آلینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم ہیئت کیطرف زیادہ متوجہ ہوا اور سولہ سو اکتیس میں عطارد کے آفتاب کے سامنے سے گزرنے کی جگہ جسکو انگریزی میں ٹرینزٹ اور عرب ہیئت داں لوگوں کی اصطلاح میں قِران یا مُرور کہتے ہیں۔ Transit (ٹ رَ نْ زِ ٹ) س۔م۔ح (ماخوذ از کتاب روضۃ الحکما)

اپنے زور طبیعت سے نکالے تھے اور لوگوں کو کم بتاتا تھا۔ (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (س۔م۔ح)

Roberval رابَرْوَل

صرف ایک چادر یا ساڑھی اوڑھے ہوئے تھیں۔ ذی مقدور شخصوں
اور بڑے بڑے آدمیوں یعنی راجاؤں اور متمول اور صاحب امتیاز
لوگوں نے جو دربار شاہی میں معزز ہیں۔ اور صرافوں۔ مہاجنوں جوہریوں
اور بیوپاریوں وغیرہ نے یہہ بندوبست کیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ
دریا کے اُس کنارے سے اِس کنارے آکر پانی میں ڈیرے اور
قناتیں کھڑی کرالیں اور اسطرح پردہ میں اشنان وغیرہ کیا۔ ہندوؤں
کے اس مجمع نے جو ہیں گہن لگتے دیکھا ایک عجیب نعرہ مارا اور چند بار متواتر
غوطے لگائے۔ پھر پانی میں کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ اور آنکھیں
سورج کی طرف اُٹھائے ہوئے بڑے حضور قلب سے عبادت اور پوجا
کرتے ہوئے معلوم ہوئے۔ اور چند بار دونوں ہاتھوں میں پانی لیکر سورج کو
چڑھایا اور بہت ادب سے سر جھکا جھکا کر کبھی دائیں کبھی بائیں پانی دیتے
تھے اور گہن کے ختم ہونے تک یہہ بیچارے غلطی میں پڑے ہوئے یونہی
ایسی ہی حرکتیں کرتے رہے اور جب جانے لگے تو جمنا میں دور سے
روپیے اور دوانیاں چوانیاں وغیرہ پھینکیں اور برہمنوں کو جو بھلا ایسی
تقریب پر وہاں آنے سے کیوں چوکنے لگے تھے بہت کچھ پن دان دیا۔
مینے دیکھا کہ ہر ایک شخص نے جب پانی سے نکلا نئی پوشاک جو دریا کے
کنارے ریت پر پہننے کو رکھی ہوئی تھی پہنی۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے جو
زیادہ دہرم آتما تھے اپنی پرانی پوشاکیں برہمنوں کو پن کردیں۔
اس طرح سے مینے اس عظیم الشان سورج گہن کی پوجا کا تماشا اپنے

مکان کی چھت پر سے دیکھا- اور جیسا کہ یہاں ہوا ویسا ہی دریائے سندھ اور گنگا اور ہندوستان کے اُور دریاؤں بلکہ عام تالابوں پر بھی ہوا-! کہتے ہیں کہ تھانیسر میں قریب ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کے ہندوستان کے ہر ایک حصّہ سے اشنان کے واسطے اکٹھے جمع ہوئے تھے- کیونکہ اُس ندی کا پانی جو وہاں بہتی ہے گہن کے دن اَور دریاؤں اور ندیوں کی نسبت زیادہ متبرک اور پاک سمجھا جاتا ہے-

سورج گہن کے اشنان وغیرہ رسوم کے باب میں ہندوؤں کے ساتھ سلاطین مغلیہ کا برتاؤ-

سلاطین مغلیہ اگرچہ مسلمان ہیں لیکن ان پُرانی رسموں کے آزاد طور پر بجالانے کو یا تو اِس خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں! یا دست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے- مگر اِس اتنی بات بیشک ہے کہ تھانیسر کے میلہ سے پہلے

* ہندوستان کی تاریخ میں یہ واقعہ بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ سن ہزار و سو تر سٹھ (سنہ۱۵۶۳ء) عیسوی مطابق سن نوسو چوہتر (سنہ ۹۷۴) ہجری میں جو شہنشاہ اکبر لاہور سے دہلی کیطرف آتا ہوا تھانیسر میں ٹھہرا تو اتفاق سے وہاں سورج گہن کے نہان کا میلہ تھا- پس کسی بات پر تکرار ہو کر سنیاسیوں اور جوگیوں میں جھگڑا اٹھا اور دونوں بادشاہ کے پاس فریادی آئے اور درخواست کی کہ ہمکو تلوار سے لڑکر آپس میں فیصلہ کر لینے کی اجازت ملے! بادشاہ نے اوّل تو بہت سمجھایا مگر جب انہوں نے نہ مانا تو یہ عجیب فیصلہ کیا کہ لڑنے کی اجازت دیدی اور حکم دیا کہ سنیاسی جو جوگیوں سے تعداد میں کم یعنی قریب تین سو کے تھے اور جوگی پانسو تھے- ہمارے سپاہی اُن میں شامل ہو کر جوگیوں سے لڑیں! پس بادشاہی سپاہی بھی بھبوت ملکر سنیاسیوں کے ساتھ میدان میں آکودے اور بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے خوب لڑائی ہوئی اور حضرت شہنشاہ بڑے لطف سے بیٹھے تماشا دیکھا کئے- آخرکار جوگیوں کا ناس کرکے سنیاسی غالب آئے اور اسکے بعد بادشاہ نے انتظام کر دیا کہ یہ کچھ اَور زیادہ فساد نہ کرنے پاویں! یہ حکایت

گہن مصنوعی پر پوجا پاٹ اور دان کرنے کی وجہ

چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کیطرف سے بطور وکیل حاضر ہوکر ایک لاکھ روپیہ پیشکش کرکے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اسکے عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضعیف ہاتھی انکو عطا ہوتا ہے* اب میں اس گہن کی پوجا کی وجہ اور منشا اور یہ کہ یہ رسمیں کیوں جاری ہیں بیان کرتا ہوں! ہندو کہتے ہیں۔ ہمارے چار وید یعنی (کتب آسمانی) جو خدا نے ہمکو برہما کی وساطت سے دیئے ہیں یہ بتلاتے ہیں کہ ایک دیوتا جس نے راکھشس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت کالا کلوٹا اور از بس نجس اور میلا کچیلا ہے سورج کو پکڑ کر بشدت میلا اور کالا بنا دیتا ہے۔ سورج بھی اگرچہ

دیوانی کی سے گر ابوالفضل نے لکھا ہے کہ برہمن اور گرتی جو دونوں سنیاسیوں ہی کے دستے میں اس بات پر جھگڑا ہو گیا تھا کہ میلے میں تیرتھ کے کنارے بیٹھنے کی موقع تھی اور جہاں جو بڑا ابڑھتا تھا وہ گروہوں سے کھینچی تھی۔ س۔ م۔ ح

---

* ہندو راجہ اور بڑے بڑے امیر سورج گہن کے موقع پر اکثر ہاتھی کا دان ایک قسم کے برہمنوں کو جو معمولی برہمنوں سے دانشوں میں کم سمجھے جاتے ہیں اور جنکو ہمارے ملک ایں روئے علم میں ڈکوت یا مہابرہمن یا گجراتی یا اچارج کہتے ہیں دیا کرتے ہیں پس غالب ہے کہ بادشاہ کیطرف سے یہ ہاتھی اور پوشاک برہمنوں کو بطور دان دیا جاتا ہوگا۔ اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے کیونکہ سلاطین مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لیئے اُنکی بعض رسمیں اختیار کرلی تھیں جو اکبر کے عہد سے لیکر اس سلسلہ کے اختتام تک سب بادشاہ اُنکو بجا لاتے تھے مثلاً تُل دان یعنی سال شمسی اور قمری ہر دو کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے اور چاندی کے ساتھ تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا اور چاندی مستحقین کو بطور خیرات دیا جاتا تھا اور اس موقع پر ایک بڑا جشن کیا جاتا تھا۔ س۔ م۔ ح

ایک دیوتا ہے مگر چونکہ نہایت رحم دل اور نیک نہاد ہے اس شریر کالی بلا کے پنجہ میں پھنسکر سخت تکلیف اور ایذا پاتا ہے پس ہر ایک شخص کو یہ لازم اور واجب ہے کہ سورج بھگوان کو اس حالت سے نجات اور رہائی دینے میں کوشش کرے اور اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ اشنان اور پوجا پاٹھ اور پُن دان کیا جائے - کیونکہ یہہ دھرم کرم گہن کی حالت میں نہایت ہی مہاتم اور گُن رکھتے ہیں اور جو پُن دان اُس وقت کیا جائے وہ بہ نسبت معمولی پُن دان کے سَو گُنا پھلتا ہے - پس ہندو لوگ یہہ کہتے ہیں کہ بھلا کون ایسا شخص ہوگا کہ جس کام میں سَو گُنا فائدہ ہو اُسکو نکرے !

صاحب من - یہی وہ دونوں سورج گہن ہیں کہ جنکی نسبت مینے آپ سے کہا ہے کہ اِنکو ہرگز نہ بھولوں گا -

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان

سورج گہن کی رسموں وغیرہ کے ذکر سے مجھکو طبعاً اور خواہی نخواہی یہہ تحریک ہوتی ہے کہ کچھ اَور حال بھی اِن لوگوں کی بعض وحشیانہ طور کی رسموں کا آپ کو سناؤں جنکو سنکر آپ کی رائے میں جیسا مناسب معلوم ہو نتیجہ نکال لیں -

رتھ جاترا کے موقع پر جاتری نہایت کثرت سے جمع ہوتے ہیں

خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ نامے ایک شہر ہے اور وہاں ایک مشہور مندر ہے جسمیں جگن ناتھ کی مورت نصب کی ہوئی ہے - اور اگر میری یاد میں غلطی نہو وہاں ہر سال

ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ نو روز تک رہتا ہے اور اس موقع پر لوگوں کا
بڑا بھاری مجمع ہوتا ہے۔ جیساکہ اگلے زمانہ میں ہمّن* کے مندر پر ہوتا
تھا ہمارے وقت میں مکہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ قریب دس لاکھ
کے جاتری جمع ہو جاتے ہیں۔

[illegible] مورت کا بیان۔

لکڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے
(جسکا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں میں نے
دیکھا بھی ہے) جسپر بیشمار مورتیں بنی ہوئی ہیں جنمیں سے کیسکے تو ان

---

* ہمّن [illegible] کا ایک دوسرا نام ہے جو قدیم بت پرست یونانیوں اور رومیوں کا سب سے بڑا
دیوتا تھا۔ یہ مندر اسکا [illegible] لیبیا کے (افریقہ کا ایک قدیم نام ہے) اُس ضلع
میں بنا ہوا ہے [illegible] شہر برقہ دارالحکومت ہے۔ جہاں یہ مندر بنا ہوا تھا اُس
[illegible] اب سیوہ نامی ایک گاؤں آباد ہے جو برقہ اور قاہرہ کے مابین قاہرہ سے
مغرب کی طرف [illegible] تین سو چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں
یہ بیشمار جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا لیکن انکی سلطنت کے زوال
کے بعد ان لوگوں نے جو وندال کے نام سے مشہور تھے اسکو لوٹ کر برباد کر دیا۔ جس ضلع میں
یہ مندر بنا ہوا تھا اُسکے چاروں طرف کی زمین بالکل بیابان تھی جس میں نہ گھاس تھا اور
نہ پانی۔ مگر اس مندر کے آس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی۔ اور اُس بیابان
میں صرف وہ ہی ایک قطع تھا جہاں اُس سبزی تھی مشہور رومی مؤرخ ہیرودوٹس کہتا ہے
کہ اس مندر کے نزدیک ایک ایسا چشمہ تھا جسکا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا پہلے ٹھنڈا
اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جسکی دن کے گھٹنے کے ساتھ گرمی جاتی تھی یہاں تک
کہ شام ہونے تک گرم ہو کر رفتہ رفتہ آدھی رات کو کھولنے لگتا تھا سن سترہ سو بانوے (۱۷۹۲ء)

(حوالی مؤرخ ویب سی ٹر) لیبیا۔ ل ی ب ی آ (برقہ۔ ب ر ق ہ) (سیوہ۔ س ی و ہ)
(رومال [illegible] ہیرودوٹس۔ ہ ی ر و ڈ و ٹ س) Herodotus

جنتوں کی تصویروں کی طرح جو ہمارے ملک میں ہوتی ہیں دو سر یعنی آدھا جسم انسان کا ہے اور آدھا حیوان کا اور کسیکے نہایت مہیب بندر اور دیو وغیرہ کا سا ایک سر ہے۔ یہہ رتھ پندرہ سول پہیوں کا ہے اور پچاس ساٹھ آدمیوں کے زور سے چلتا ہے اور اسکے عین وسط میں جگن ناتھ کی مورت کو نہایت مکلف اور زرق برق پوشاک پہناکر رکھتے اور عظم و شان کے ساتھ ایک مندر سے دوسرے مندر کو لیجاتے ہیں۔

مورت کے درشن کے وقت لوگ کثرت اژدحام سے کچل جاتے ہیں

پہلے روز جس وقت اس مورت کے درشن کرائے جاتے ہیں اسقدر اژدحام ہوتا ہے کہ بہت سے جاتری جو کالے کوسوں چلکر نہایت ضعف اور کمزوری کی حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھکا سے کچل جاتے ہیں اور اُن کے اِرد گرد کے لوگ یہہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی خوش نصیب تھے! جو اتنی دُور سے ایسی متبرک جگہ آن کر مرے۔!!!

[illegible]

عیسوی میں مرزا لی نامے ایک سیاح نے اس مندر کا مقام دریافت کیا اور سن جبکہ اٹھارہ سو (۱۸۰۶ء) میں ہر آرتی میں نامے ایک دوسرے سیاح نے اس جگہ کو معلوم کیا۔ اور ان کے بعد سن اٹھارہ سو (۱۸۲۰ء) میں ایک اور سیاح جسکا نام لندنی تھا اس مقام کو دیکھا وہ لکھتا ہے کہ یہہ چشمہ کموروں کے ایک موٹا جنگل کے درمیان واقع ہے اور چونکہ اسکے پاس نہر امیشر تھا اسلئے اسنے اسکی پانی کی نسبت قیاس یہہ کیا ہے

(نمبر دو تی بٹ مرزوین ئی) (ہواسلی مین- ٹو دار بی ئی م ے ن) (لبرڈ نی ح ٹ ل مدین ئی)

جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل کر مرجانا بڑا ثواب سمجھا جاتا ہے۔

یہہ رتھ جسکے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا ہوتا ہے جب احتشام کے ساتھ چلتا ہے تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہہ لوگ ایسے نادان خوش عقیدہ ہیں کہ اپنے تئیں اُسکے پہیوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو اُنکو بالکل کچل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اِس امر سے ذرا بھی تعجب اور نفرت نہیں کرتے اور اُن کے خیال میں کوئی کرم (عمل) ایسا بہادرانہ اور اس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے۔ اور جان دینے والا یہہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اُسکو بجائے اپنے بچہ کے سمجھیں گے اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزت اور عیش کی زندگانی بخشیں گے۔!!!

برہمن لوگوں کو ان توہمات اور اِن ہماری غلطیوں کے ارتکاب کی اَور بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں جسکے وسیلہ سے اُنکو دولت اور بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کا اُنکی نسبت یہہ اعتقاد ہے کہ یہہ غیب کے بھیدوں سے واقف ہیں اور اس لئے اُنکی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ پن دان لیکر مالدار ہوجاتے ہیں۔

ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن بنائی جاتی ہے

برہمنوں کا دغا اور فریب یہانتک ہے کہ تاوقتیکہ مینے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کرلیا مجھکو اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی

کہ اس کی گرمی صبح کو (ستی ۷۰) دوپہر کو (چالیس ۴۰) شام کو (ساٹھ ۶۰) اور آدھی رات کو (سو ۱۰۰) درجے ہوجاتی ہے۔ (ماخوذ از جام جم وانسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

کیواسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑی دھوم دھام سے مورت کے ساتھ مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہہ برہمن اسکو یہہ دم دیتے ہیں کہ خود جگن ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ آکر رہینگے اور تو دیوتا سے پوچھیو کہ ابکی دفعہ سال کیسا ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پوجا اور چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جلوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کیوقت ایک شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی سی چور کھڑکی کی راہ سے مندر میں پہنچ جاتا اور اس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اسکو جگن ناتھ سمجھی ہوتی ہے ہم بستر ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اسکو یقین کرا جاتا ہے۔ اور جب صبح کو ویسی ہی دھوم دھام سے اس کو دوسرے مندروں میں لیجاتے ہیں تو برہمن اس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تمنے دیوتا کی زبان سے سنا ہے وہ علانیہ لوگوں کو سنا دو۔

کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتی ہوئی بہت بیحیائی کی حرکتیں کرتی ہیں

اب ہم ایک اور بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں یعنی جگن ناتھ کے رتھ کے سامنے بلکہ خاص مندر میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ کیوقت کسبیاں اپنی بدن سے مختلف اوضاع کے ساتھ نہایت بے شرمی اور بے حجابی کی حرکتیں کرتی ہیں* اور

---

* مصنف کی مراد اس عبارت سے وہ بیہودہ ناچ معلوم ہوتا ہے جو اب تک بھی بنگالہ میں مروّج ہے اور نوجوان بنگالی اہل عیش و عشرت کے بے تکلفانہ جلسوں میں رنڈیوں کو برہنگی مطلق کی حالت میں نچا کر خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کے ناچ کو انکی زبان میں کھیمٹا کا ناچ کہتے ہیں بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سن اٹھارہ سو تین (۱۸۰۳ء) میں جب وہ صوبہ جہاں یہہ مندر ہے سرکار انگریزی کے ہاتھ آیا تو اسوقت تین سو ناچنے والی عورتیں

برہمن ان نعو بتوں کو بالکل اپنے ملک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے ہیں۔

میں کئی ایک خوبصورت کسبیوں کو جانتا پہچانتا ہوں جو باوجود اس پیشہ کے نہایت محتاط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں۔ چنانچہ ان

پچ کسبیاں برہمنوں یا دہ ہندو مذہب والوں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتیں

[illegible]

سنہ کی ملازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصول کے لئے ایک عہدہ دار مقرر تھا مگر کچھ زمانہ بعد پادریوں نے جو مندر کے چڑھاوے کی آمدنی کا لینا بھی عیسائی سرکار کے لئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکار انگریزی کے ساتھ جھگڑا کر کے آخر سرکار میں اس کا اہتمام موقوف کرا دیا اور اس طرح یہ آمدنی خالص حق پجاریوں کا ہو گیا۔ س۔ م۔ ح

اس کتاب کے انگریزی مترجم مسٹر ارونگ براک صاحب[†] نے اس موقع پر ڈاکٹر کلاڈیس بکانن صاحب[‡] کی کتاب یادداشت سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے ترجمہ کر کے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے **قول ڈاکٹر کلاڈیس بکانن صاحب** (جنہوں نے سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) میں ملک اوڑیسہ کے دورہ کرنے کے موقع پر مندر جگن ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کئے ہیں) یوں لکھتے ہیں کہ آج بتاریخ تیسری مئی سن اٹھارہ سو چھ (۱۸۰۶ء) ہم بمقام **بھدرک** مقیم ہیں اور اگرچہ جگن ناتھ اب بھی پچاس میل سے زیادہ فاصلہ پر ہم سے ہے لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کی ہڈیاں شاہراہ پر پڑی ہوئی دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم جگن ناتھ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ اس مقام پر قریب دو ہزار کے حاجی یکجا ہوئے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آئے ہیں۔ چنانچہ بعض ان میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اپنا گھر چھوڑے دو مہینے ہوئے اور باوجودیکہ آج کل موسم سخت گرمی کا ہے اس پر بھی یہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ مع عیال و اطفال آئے ہیں

‡ Dr Claudius Buchanan

† Irving Brock

عورتوں کو کئی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پردیسی قوم کے بت پرستوں نے بہت کچھ دولت اور روپیہ دینا چاہا لیکن انہوں نے بایں عذر

یہ جاتری لوگ سست سے راستہ ہی میں مر جاتے ہیں اور انکی لاشوں یا ہڈیوں کو کوئی دفن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس سرل پر جہاں ہم مقیم ہیں ندی کے کنارے جو جاتریوں کے اترنیکے لئے ایک سرا بنی ہوئی ہے کوئی قریب سو کھوپڑیوں کے ہمنے پڑی دیکھیں آج ہمکو ایک ایسا خوش اعتقاد جاتری ملا جو ہر قدم پر پہدی ڈنڈوت کرتا اور گویا اپنے جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیوتا کے خوش کرنیکے واسطے اس طریق کو نہایت عمدہ سمجھکر بجا لا رہا تھا۔ پھر وہ چودھویں جون سن اٹھارہ سو چھ کو خاص جگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں "کہ میں نے جگن ناتھ کو دیکھا کوئی کتاب تاریخ اس دارالعنا اور دلوی مورت کا ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کرسکتی۔ البتہ اس کے مشابہ وادیٔ ہنیم* تو ہو یا جیسا کہ مولک Moloch کی مورت پر شہر کنعان میں اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ ویسا ہی اگر جگن ناتھ کی مورت کو اس زمانہ کا مولک کہا جائے تو کچھ نا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تئیں بلی دان اور قربانی کرنے والے لوگ بھی نہ تو مولک کی قربانیوں سے تعداد ہی میں کم ہیں اور نہ اس بُرے طور پہ جان کھوتے ہی ہیں جگن ناتھ کے ساتھ اُسکے بھائی اور بہن بلرام اور سوبھدرا کے نام سے دو اَور مورتیں بھی ہیں اور تینوں کی پوجا ہوتی ہے اور تقریباً تینوں کی مانتا ایک ہی سی ہے۔ کیونکہ تینوں کے سنگھاسن بلندی میں قریباً برابر ہیں۔ آج صبح کو میں مندر کے دیکھنے کو گیا! نہایت وسیع اور عالیشان عمارت ہے! اور فی الواقع لایق شان اور منزلت ایسے ہی ہولناک بادشاہ کے ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اُس مندر کے دیوتا کے حالات اور خیالات اور معتقدات کی مناسبت سے اُس شکل کی مورتیں وغیرہ بناکر قائم کیجاتی ہیں ویسا ہی اس مندر میں دو سب

---

* ملک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایام سلف میں مولک نامی ایک بت ہشادہ تھا اور اُسپر اکثر لوگ اپنی اولاد کو قربانی کرتے تھے۔ ۲۲ Hinnom

قبول نہ کیا کہ ہمنے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں اور ان سادھوؤں

اور ایسی گندی و عیب کی بیشمار مختلف مورتیں موجود ہیں جنمیں اس کی پوجا کیجاتی ہے کالٹ لیاب میں جنانچہ مندر کی دیواروں اور دروازوں کے تختوں پر ایسی خلاف تہذیب شکل کی مورتیں جنکو دیکھکر شرم آتی ہے بھاری بھاری اور بانمار تیمر دوں سے تراشی ہوئی کھڑی ہیں ۔ میں سمندر کے کنارے کی ریتی کو بھی دیکھنے گیا تھا وہاں بھی بعض مقامات جاتریوں کی ہڈیوں سے بالکل سفید نظر آتے تھے ۔ شہر کے نزدیک بینے ایک اور جگہ ستر گھر یر گلگو تھا کہتے ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یونہیں پھینک دیجاتی ہیں اور کتے اور گدھ وغیرہ وہاں ہمیشہ جمع رہتے ہیں ۔

میں جیمس ہنٹر صاحب کے ملکاں میں جو سرکار انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے جگن ناتھ کے مندر کے منتظم اور جاتریوں سے سرکاری محصول کے وصول کے ذمہ دار ہیں اُترا ہوا ہوں جو سمندر کے کنارے مندر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے ۔ یہ صاحب شہر کے قریب اسواسطے نہیں رہتے کہ وہاں متعفن لاشوں کے باعث نہایت بدبو آتی ہے اور اں لوگوں کے گوناگوں توہمات کے نظارہ سے قطع نظر شہر میں ابھی بہت سی ایسی نا زیبا باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جن سے آدمی کے حواس پراگندہ ہو جاتے ہیں ۔ مثلاً فاقوں کے مارے ہوئے ہزاروں جاتری نیم مردہ اور بھوت کی سی ڈراؤنی صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں ۔ جن میں سے اکثر بھوک اور بیماریوں کے مارے شہر کے گلی کوچوں ہی میں مرجاتے ہیں یا یہ کہ اکثر وہ لوگ جو بڑے بھگت اور جوش عقیدہ ہوتے ہیں بالوں کے جوڑے باندھے اور بدن کو کئی طرح کے رنگ لگائے اور اپنی جان کو طرح طرح کے عذاب دیتے ہوئے جس کو عبادت سمجھتے ہیں نظر آتے ہیں ۔ ایسکے سوا عورتیں اور مرد بغیر کسی قسم کے شرم و حجاب کے شہر کے قریب ریتی میں قضائے حاجت کے لیئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں ۔ جن کے فضلہ کو سانڈ جنکو یہ لوگ مقدس سمجھکر چھوڑ رکھتے ہیں بے تکلف اکر چٹ کرتے ہیں !

پھر صاحب موصوف اٹھارویں جون سن اٹھارہ سو چھ عیسوی کو جگن ناتھ سے یوں لکھتے ہیں کہ " میں ابھی ایک تماشا دیکھکر جسکو عمر بھر نہ بھولوں گا اپنے مکان پر

(جیمس ہنٹر ۔ یہ نام انگریزی میں یوں لکھا جاتا ہے James Hunter)

پیر بونگلے کو صوتی رملتے اور جٹادھارن کے لئے مندر کے چاروں طرف

آیا ہوں۔ آج اس دیوتا کا بڑا دن ہے۔ چنانچہ دوپہر کے وقت ہندو جگن ناتھ کی مورت کو مندر سے باہر لائے۔ اس وقت لاکھوں جاتری اور عقیدت مند لوگ اپنی جے جے کار سے نہایت شور و غل کرتے ہوئے ساتھ تھے اور جب مورت کو سنگھاسن پر بٹھایا اُس وقت تو ایسا غل پڑا کہ میں نے کبھی نہیں سنا تھا پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد دور سے کچھ شور سا سنائی دیا۔ اور تمام خلقت کی آنکھیں اُس طرف کو اٹھ گئیں اور میں نے دیکھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ سا چلا آتا ہے۔ ذرا قریب آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک غول بڑی جلدی سے چلا آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کھجور یا کسی اور درخت کی سبز ٹہنی ہے اس غول کے لئے خلقت نے راستہ چھوڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگھاسن کے سامنے جس پر مورت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو زمین پر ماتھا رگڑ رگڑ کر ڈنڈوت اور پوجا بجا لائے۔ اُس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھ پر رکھا گیا جو مثل ایک برج کے ساٹھ فٹ بلند تھا اور جس کے پہیے بوجھ کے مارے زمین میں دھنسے جاتے تھے۔ اس رتھ میں جہاز کی سی بھاری اور لمبی لمبی کچھ زنجیریں لگی ہوئی تھیں اور ہزاروں مرد عورت اور بچے اُن کو کھینچتے تھے اور بقدر ازدحام تھا کہ بعض لوگ صرف ایک ہی ہاتھ لگا سکتے تھے۔ بچوں سے ان زنجیروں کے کھنچوانے کی یہ وجہ تھی کہ ایسے دیوتا کی زنجیر کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ رتھ کے اوپر سنگھاسن کے پاس برہمن اور پجاری لوگ کھڑے تھے اور میں نے سنا کہ شاید ایک سو بیس پجاری رتھ پر موجود تھے۔ جگن ناتھ کی مورت ایک لکڑی کا بنا ہوا قالب ہے (جسے ہندو کلنے 'وَن' کہتے ہیں) اُسکا چہرہ کالا رنگا ہوا اور نہایت مہیب ہے اور مونہہ بڑا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے بھرا ہوا ہے۔ بازو سونے کے ہیں اور پوشاک نہایت تکلف اور نفیس پہنائی ہوئی ہے اور وہ دونوں مورتیں جو اُسکے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا زرد ہے! پانچ ہاتھی جنکے اوپر بڑی اونچی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اس تین گنبد والے رتھ کے آگے آگے چلتے تھے! ان ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں جانب معمولی گھنٹے بھی لٹکتے تھے۔ میں بھی اس جلوس میں جا شامل ہوا کہ خاص رتھ

مندر میں (جنکی وضع کا بیان میں جلد کرونگا) دفن کیا ہوا ہے

کے قریب پہنچا ہے۔ اس لوہبت سے لوگ مشکل تمام کھینچتے تھے۔ اور اُسکے پہیے جو بہت
تھے ان میں سے ایک کی آواز نکلتی تھی۔ چند لمحہ بعد رتھ رک گیا اور پوجا شروع ہوئی
یہیں مندر کے سب پوجاری جو تھے بڑھکر اُس مورت کے سامنے آکر چند فحش گیت
گانے لگے [illegible] بیان کیا کہ جگن ناتھ جی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب ان گیتوں سے
خوش ہوتے ہیں تب ہی ان کا رتھ چلتا ہے۔ پس نچواں گیتوں کے گانے کے بعد
رتھ ذرا آگے بڑھا پھر کھڑا ہوگیا۔ تب ایک لڑکا جسکی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی سامنے
لایا گیا۔ اُسنے بھی پوجاری کی بات مانی بڑھکر چند قابل شرم گیت اسی نہج سے گانے شروع
کیے۔ شاید اُس کا دیوتا قدر [illegible] سے اُس لڑکے نے دیوتا کی تعریف اور استقلال بڑی
ادا [illegible] سے کی [illegible] مضامین کو جسمانی حرکات لیس [illegible] سے بھی ادا کیا جس سے
دیوتا خوش ہوگیا اور لوگوں نے ایک مصنوعی خوشی کا شور کرکے رتھ کو ذرا آگے بڑھا دیا
کہ چند لمحہ بعد رتھ پھر ٹھہر گیا۔ تب اس پوجا کے ایک بڈھے پوجاری نے کھڑے ہوکر اور نیز
ہاتھ میں ایک لمبی چھڑی لیکر اور اُسکو تھوڑے عرصہ تک ناشائستہ طور پر ہلا ہلا کر اس کروہ
ناٹک کو ختم کیا

واضح ہو کہ جگن ناتھ کی پوجا جسکو میں ہندوستان کا مولک کہتا ہوں محض اور
خوں ریزی دو باتوں سے مرکب ہے چنانچہ محس کا ذکر تو ہو چکا۔ اب خوں ریزی کا بیان
سنیئے [illegible] جب رتھ تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو ایک جاتری بولا کہ میں جگن ناتھ جی پر
جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُسے چلتے ہوئے رتھ کے پہیوں کے آگے اپنے تئیں
ہاتھ پھیلا کر سوچ کے [illegible] زمین پر ڈال دیا۔ اس وقت از دحام خلایق نے اُسکے لیے جگہ چھوڑ دی
اور رتھ کے پہیوں سے دو ٹکڑے کر گیا۔ اس حرکت پر جاتریوں کے از دحام نے مورت کی
طرف دھیان کرکے بڑے زور سے جے جے کار کی صدا بلند کی کیونکہ یہ لوگ کہتے
ہیں کہ جس کسی طرح سے دیوتا کو خون گرایا جاتا ہے تو دیوتا مسکراتا ہے۔ پھر ان لوگوں
نے اس جاتری کی لاش پر بمراد [illegible] استحسان اُسکے اس فعل کے کوڑیاں پھینکنی شروع
کیں۔ پھر [illegible] ستمبر ۱۸۸۰ء کو اسی مقام سے صاحب موصوف یہ
لکھتے ہیں کہ یہ ہولناک رسمیں بھی دستور جاری ہیں۔ چنانچہ کل پھر ایک عورت نے اپنے
تئیں قربان کیا۔ مگر وہ رتھ کے پہیے چونکہ سیدھی نہیں پڑی تھی اور دستور کے خلاف

آڑے طور پر پڑگئی تھی اِس وجہ سے فوراً ہلاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں میں اُس کی جان نکلی - مگر آج صبح کو جب میں اُس مُردوں کی کھوپڑیوں والی جگہ سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ اُس عورت کی لاش میں بجز ہڈیوں کے اِس وقت اَور کچھ باقی نہ تھا۔ پھر اکیسویں جُون سن اٹھارہ سو بیس (۱۸۲۰) عیسوی کریں لکھتے ہیں کہ" ابھی رتھ جاترا کے تماشے مسلسل جاری ہیں لیکن ایسے افعال اور بیرحمیوں کو دیکھتے دیکھتے میں اسقدر تنگ آگیا ہوں کہ اَب دل یہی چاہتا ہے کہ یہاں سے جلد بھاگ چلئے ' آج صبح کو اُس مقام پر جہاں مُردوں کو پھینکا جاتا ہے میں نے ایک اَور بھی زیادہ دردانگیز واقعہ دیکھا کہ ایک عورت جو مُردہ یا قریب المرگ پڑی ہوئی تھی اُسکی لاش کو کتے اور گدھ چمٹے ہوئے تھے - اور اُس کے دو بچے اُس کی لاش کی طرف بحسرت تک رہے تھے - اور حاجی لوگ جو اُس طرف ہو کر جاتے تھے اِن بچوں کی حالت پر کوئی بھی اصلا ملتفت نہ ہوتا تھا میں نے اُن بچوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے اُنھوں نے کہا کہ جہاں ہماری ماں ہے وہیں ہمارا وطن ہے ! افسوس کہ اِس جگہ میں رحم نام کو بھی نہیں ہے - اِس وقت حاجی لوگ یہاں اسقدر جمع ہوئے ہیں کہ اُنکی تعداد کا اندازہ ٹھیک ٹھیک نہیں ہو سکتا - عام تہواروں پر جسقدر حاجی جمع ہوتے ہیں اُنکی تعداد کی نسبت یہاں کے لوگ ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض میلے میں سے ایک لاکھ آدمی چلا جائے تو کثرتِ خلائق میں کچھ کمی محسوس نہیں ہو سکتی - میں نے ایک برہمن سے پوچھا کہ رتھ کے بڑے میلے پر تمہاری دانست میں کسقدر حاجی آتے ہوں گے تو اُس نے یہہ جواب دیا کہ میں کسطرح کہہ سکتا ہوں کہ مٹھی بھر ریت میں کتنے ذرے ہوتے ہیں"

انگلستان میں انگریزوں کو اِس بات پر یقین نہیں آتا کہ یہ سب خونریزیاں جو جگن ناتھ میں ہوتی ہیں آیا کلکتہ میں حکام انگریزی کو بھی معلوم ہیں یا نہیں - لیکن افسوس کہ گورنمنٹ ہوس کے دروازے کے آگے اور سپریم گورنمنٹ کی نظروں کے سامنے یہہ سب باتیں ہوتی ہیں - خاص بنگالے میں بھی جو ایک خوشنما اور الباسِ سبز اور شاداب مُلک ہے - جسکو دُنیا کا باغ

ترجمہ

کہا جاتا ہے اس ہندوستان کے ملک کے کئی معبد ہیں۔ چنانچہ ایشترا[1]
جو کلکتہ سے تین میل کے فاصلہ پر گنگا کے کنارے ایک خوشنما گاؤں ہے
(اور جہاں پہلے وارن ہیسٹنگس صاحب گورنر جنرل رہا کرتے تھے اور
اب بھی گورنر جنرل حال کے باغ[2] سے یہ جگہ سامنے نظر آتی ہے) خاص اُسکے
متصل ہی جگن ناتھ کا معبد موجود ہے جہاں اکثر انسان کی قربانی کا خون بُت
کو چڑھایا جاتا ہے۔ جب خود ماہ جون سن اٹھارہ سو سات (۱۸۰۷) عیسوی میں
ڈاکٹر کار صاحب رتھ جاترا کے میلے پر اس جگہ موجود تھے ایک بہت
خوبصورت اور تازہ و توانا نوجوان شخص نے کہ جسکے لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے
ہوئے تھے اور گلے میں پھولوں کا ہار پہنے ہوئے تھا یہ حرکت کی کہ اُچھلتا
کودتا آیا اور رتھ کے سامنے تھوڑی دیر تک اوّل تو بہت ذوق و شوق سے
ناچا اور گایا بجایا اور پھر یکایک اُس کے پہیوں کے نیچے جا گھسا اور اپنے آپ
کو ہلاک کر ڈالا۔ فقط انتہی ! س۔م۔ج

حاشیہ مترجم

[1] شاید یہ لفظ دراصل چیترا ہے۔ جسکو بنگالی چیچڑا کہتے ہیں! کیونکہ ایشترا
کا نام ہندوستان کے نقشوں میں کلکتہ کے نزدیک کہیں نہیں ملتا۔ اور
وہ باغ شاید بارک پور المعروف اچانک سے مُراد ہے۔ س۔م۔ج

حاشیہ مترجم

[2] اصل کتاب میں لفظ کنٹری ہوس ہے۔ شہروں کے رہنے والے ذی مقدور
یوروپین لوگوں میں رسم ہے کہ ایسے مکان مع باغ بیرونجات میں اس مُدعا
سے بنا رکھتے ہیں کہ جب کبھی شہر میں رہتے رہتے طبیعت دق ہو جاتی ہے
تو تفریح خاطر اور تبدیل آب و ہوا کے لیے وہاں جا رہتے ہیں س۔م۔ج

ایشترا (اِ شْ ٹْ رَا)

وارن ہیسٹنگس (وارن ہے س ٹ ن گ س) Warren Hastings

ستی کا بیان

ستی کی رسم اور اسکے بند میں حکام سلطنت کی پالسی کا بیان

ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کی نسبت جو روایتیں فرنگستان میں مشہور ہیں اگرچہ پہلے بھی اُنکی تصدیق بہت سے سیاحوں اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر اُمید ہے کہ میرے ہموطن اِس پُر اندوہ کیفیت کو سُنکر اب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دینگے۔

* ستی کی رسم ہندوستان میں بہت عرصے سے تھی اور چونکہ منوسمرتی میں باوجودیکہ عورتوں کے وفادارانہ چلن وغیرہ کا ذکر آیا ہے ستی کی نسبت کچھ اشارہ پایا نہیں جاتا اس لئے انگریز مورخ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ رسم منوجی کے زمانہ سے پیچھے جاری ہوئی تھی اور چونکہ یجر وید کی تالیف و ترتیب کا زمانہ سن چودہ سو قبل مسیح اُنہوں نے ثابت کیا ہے اسلئے منوسمرتی کا تقریباً نو سو برس قبل سن عیسوی مرتب ہونا قرار دیتے ہیں۔ بہرحال دو ہزار برس سے زیادہ عرصے سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے اِسکے امتناع کی نسبت کچھ توجہ نہیں کی اور ایک بے پروائی سے کبھی کبھی اِسکی مزاحمت کی! لیکن انگریزوں کو جب خدا نے اس مُلک کی حکومت عنایت کی تو پولیٹکل خیالات سے مدّت تک اِن کا حال بھی مسلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہ کہ بیوہ صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اُس حالت میں ستی ہو جبکہ اُسکے رشتہ داروں کی خوشی ہو یا گورنمنٹ کا حکم ہو غرض زبردستی نہ جلائی جائے! ایک دفعہ لارڈ ولزلی کے عہد میں اِس کے امتناع کے لیئے تحریک ہوئی تھی مگر اُسوقت وہ ولایت کو جانیوالے

یجر وید (یَجُر ویَد) لارڈ ولزلی (لارڈ وِلزلی) Wellesley

جو بیانات ستی کی بابت لکھے گئے ہیں اُن میں بلاشک مبالغہ کیا گیا ہے اور آجکل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہوگئی ہے کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرماں روا تھے اس وحشیانہ رسم کے مسدود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے تھے۔ اور اگرچہ اسکے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ اُنکی پالسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جنکی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ اُنکی مذہبی رسوم کے بجالانے میں اُنکو آزادی دیتے

سے تھے مگر بات کیا سکتے تھے مگر پھر بھی چلتے چلتے وہ اتنا کہہ گئے کہ اس رسم کا موقوف ہونا مناسب ہے۔ دسویں اپریل سن اٹھارہ سو دس (۱۸۱۰) عیسوی کو محکمہ صدر عدالت بنگالہ سے ایک سرکلر اس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اطلاع مجسٹریٹ یا افسر پولیس کے کوئی بیوہ ستی ہونے نپائے اور یہ عہدہ دار ان امور کی تحقیق کیا کریں کہ بیوہ خود اپنی مرضی سے ستی ہوتی ہے اور کوئی اُسپر زور و ظلم تو نہیں کرتا نہ کسی نے اُسے نشہ پلاکر تو بدمست نہیں چڑھا دیا؟ یا کسی اور طرح سے بیہوش و حواس تو نہیں کردیا؟ اُسکی عمر ۱۶ برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں؟

یہ سرکلر اگرچہ ممانعت کے لیئے تھا مگر غور کرو تو حقیقت میں ایک طرح کی اجازت تھی!!! گورنمنٹ بمبئی نے ایک عجیب و غریب حکم یہ جاری کیا کہ چتا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا کرے جس سے یہ غرض تھی کہ بیوہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل بھاگنا چاہے تو بھاگ سکے! سن اٹھارہ سو بیس (۱۸۲۰) عیسوی میں اس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بڑے زور شور سے مباحثہ شروع ہوا مگر کسی کو یہ حوصلہ نہوا کہ اسکے امتناع کا قطعی حکم دیوے۔ بلکہ بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ اس کا روکنا گورنمنٹ کے امن [illegible]

چتا (چ ت ا) [illegible]

ہیں لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض اونچ نیچ کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہوسکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اِس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئیگی۔ صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اُسکی فہمایش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محلسرا میں بھیجدیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اُسکو اپنے طور پر سمجھائیں۔

اُصول کے مخالف ہو کہ سرکار رعایا کے مذہب اور رسم و رواج میں بشرطیکہ وہ انسانیت اور عقل اور انصاف کے خلاف ہوں کبھی مزاحم نہ ہوگی۔ چنانچہ تمام موافق و مخالف رائیں جمع کرکے صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹر نے سن اٹھارہ سو تئیس (۱۸۲۳ء) عیسوی میں گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجیں اور کہا کہ ہمکو کمال خوشی ہوگی اگر یہ رسم بغیر کسی فتنہ و فساد پیدا ہونے کے موقوف ہو جائے ۔ اسپر لارڈ ایمہرسٹ* نے پھر تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ لیا مگر یہی بات قرار پائی کہ اِس کا انسداد تو ضرور چاہئیے۔ لیکن بتدریج ہندوؤں کے اخلاق اور تہذیب اور عقل میں ترقی پیدا کرکے ۔ اور یہ جواب ولایت کو بھیجا گیا کہ بالفعل یہ رسم قطعی موقوف نہیں ہوسکتی مگر بتدریج اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہو جائیگی ۔ سن اٹھارہ سو ستائیس (۱۸۲۷ء) عیسوی میں گورنر جنرل کے پاس ولایت سے لکھا آیا کہ کسی طرح یہ رسم شایستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف بھی ہوسکتی ہے ؟ اِس پر لارڈ ولیم بینٹنک† نے جو ابھی گورنر جنرل ہو کر آئے تھے پھر جنگی اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ لیا اور بحث کرکے آخر کار چوتھویں دسمبر سن اٹھارہ سو انتیس (۱۸۲۹ء) عیسوی

---

* ایمہرسٹ (اے ۔ م ۔ ہ ۔ ر ۔ س ۔ ٹ) Amherst

† ولیم بینٹنک (ڈبلیو ۔ آئی ۔ ایل ۔ ایل ۔ آئی ۔ اے ۔ ایم ۔ بی ۔ ای ۔ این ۔ ٹی ۔ آئی ۔ این ۔ کے) Lord William Bentinck

گر باوجود ان سب اُمور کے ستی کی تعداد اَب بھی بہت ہے خصوصاً
ن راجاؤں کے علاقوں اور علداریوں میں جہاں کوئی مسلمان
صوبہ دار متعین نہیں ہے - لیکن ہر ایک عورت کے واقعات
کے بیان سے جنکو مینے بچشم خود ستی ہوتے دیکھا ہے میں آپکی
تضیع اوقات اور سامعہ خراشی نکرونگا - بلکہ منجملہ ان کے صرف دو
ین صدموں ہی کا بیان کرونگا - اور ان میں بھی مُفصّل حالات صرف
ایک ہی عورت کے لکھوں گا جسکو ستی ہونے کے مستقل اور خوفناک
ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا -

ایک عورت کا ارادہ ... مصنف نے سمجھا کر ... ستی ہونے سے روکا

بندیؔ داس نامے میرا ایک دوست تھا جو
دانشمند خاں کا میر منشی تھا وہ تپ دق کی
بیماری سے جسکا معالجہ مینے دو برس سے کچھ
زیادہ عرصہ تک کیا تھا مرگیا - اور اُسیوقت اُسکی زوجہ نے اپنے شوہر
کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کا ارادہ کرلیا - اسکے رشتہ دار میرے آقا

حاشیہ — گو ایک مدت ... کرن ... وہ بے رحم رسم ہمیشہ کیواسطے ہندوستان سے دفع
نہ ہوئی - اور اگرچہ کلکتہ کے دولتمند ہاؤوں نے بہت غل مچایا اور اخباروں کے صفحوں کے صفحے کالے
کرڈالے مگر اس بابت تخص سے ایک ... اور خاص شاہی کونسل کی خدمت میں جو
اپیل دائر کیا گیا تھا اور جسپر فرقہ برہم سماج کے مشہور بانی راجہ رام موہن رائے کے
بھی دستخط تھے ... وہ منسوخ (۱۸۳۲ء) عیسوی میں ولایت سے خارج ہوگیا - اور اس رسم
کی موقوفی کی نیکنامی جو خدائے سلطنت انگریزی کی قسمت میں لکھی تھی وہ اُسکو ہمیشہ کے لئے
حاصل ہوگئی - (ماخوذ از تاریخ ہند مؤلفہ اَلفِنسٹن صاحب - و پروفیسر محمد ذکاء اللہ صاحب) ...

سکے نوکر تھے اور اُن کو یہہ حکم دیا گیا تھا کہ اُس کو اِس دیوانگی کی حرکت سے
باز رکھیں چنانچہ اُنہوں نے اُسے سمجھایا کہ اگرچہ تمہارا یہہ قصد پسندیدہ اور
باعثِ عزت اور خوشنودی خاندان اور سراسر لائق تحسین اور ہمت کا کام ہے
لیکن تمکو یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ تمہارے بچے کم عمر ہیں اور اُنکو چھوڑنا نہایت
بیرحمی ہے اور تمکو اپنے فرزندوں کی بہبودی کا فکر اُس محبت سے جو
تُم اپنے متوفی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیئے۔ اِس بیوقوف
اور دیوانی عورت نے جب اِن کی فہمایش کو کسی طرح نہ مانا تو اُنہوں نے
مجھسے درخواست کی کہ آپ چلکر سمجھائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی
مرضی تھی اور اُس خاندان سے میری دیر سے دوستی تھی اسلیئے میں اُسکے پاس گیا
جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بدصورت بڑھیا عورتیں
اور چار پانچ مُسن اور ضعیف العقل برہمن لاش کے اردگرد جمع ہیں اور یہہ سب
عورتیں باری باری بڑے شور و فغاں اور آہ و زاری سے روتی اور بڑے
زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں یہہ عورت لاش کے پائنتی بیٹھی
تھی اور بال کُھلے ہوے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر آنکھوں میں آنسو نتھا لیکن جب حاضرین مجلس
کی طرح وہ بھی بہت زور سے چلاکر رونے لگی تو آنکھیں لال انگارا ہو گئیں۔
اور باتفاق اُس خوفناک گروہ کے اپنی باری پر وہ بھی پیٹتی رہی جب
یہہ رونا پیٹنا فرد ہوا تو میں اُس کم بخت گروہ کے قریب گیا اور آہستگی
اور نرمی کے ساتھ اُس بیوہ سے کہا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے
تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ نواب تمہارے دونوں بیٹوں کیواسطے

دہ دو گزدن یعنی پانچ پانچ روپیے ماہواری کا وظیفہ جاری رکھیگا بشرطیکہ
تم اپنی جان تلف نہ کرو - کیونکہ تمہارا جیتا رہنا تمہارے بچوں کی خبرگیری اور
تربیت کے واسطے ازبس ضرور ہے اور تمکو خوب معلوم رہے کہ ہم ہیت
طرح سے تمہارا چتا پر بیٹھنا اور ستی ہونا روک سکتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو
تمہیں اس نامعقول بات کی جرات دلاتے ہیں سزا دیسکتے ہیں - تمہارے
سب عزیز واقارب تمہاری اولاد کی زندگی کی خاطر تمہارا زندہ رہنا چاہتے
ہیں - اور اس حالت میں تم پر کمہتی کا الزام اور وہ بدنامی بھی عاید ہوگی
جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہوسکتی ہے جو باوجود اولاد نہ ہونے کے
اپنے مالک کے ساتھ ستی ہونے کی جرات نہ کرے اور میںنے کئی بار اس تقریر
کو دوہرایا لیکن اُسنے مطلق جواب نہ دیا آخر کار بڑے استقلال سے آنکھ ملاکر!
یوں بولی کہ " خیر اگر میں ستی ہونے نہ پاؤنگی تو دیوار سے سر پھوڑ کر
مرجاؤنگی " یہہ سُنکر میںنے اپنے دل میں ذرا سوچا اور پھر نہایت غصہ سے
چلا کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی بھوت چڑھا ہے ! بہت اچھا ستی ہوجا
لیکن اے بدبخت بیرحم پہلے اپنے بچوں کے گلے کاٹ کر اُن کو اسی چتا
پر جلادے کیونکہ ہمکو یہہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تو تو ستی ہوکر اس دُنیا سے
چل دے اور اُن کو بھوکا مرنے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں ابھی دانشمند خان
کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کراتا ہوں - میرے
اس مستقل طور پر بلند آواز سے کہنے کا یہہ اثر ہوا کہ وہ چپ ہوگئی اور فوراً سر
جھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے

کی طرف کھسک گئے اور یہہ دیکھکر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اسکے رشتہ داروں کے سپرد کرکے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں۔ چنانچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر کو چلا آیا۔ ! شام کیوقت جب کہ میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع کرنیکو جاتا تھا راستہ میں اُسکا ایک رشتہ دار ملا اور بعد ادائے شکر یوں کہا کہ اُسکے شوہر کی لاش بغیر اُسکے جلائی گئی اور اُسنے اپنی جان نہیں گنوائی۔

مصنف کا ایک بی بی اور اُسکی پانچ لونڈیوں کو اکٹھے ستی ہوتے دیکھنا۔

اب اُن عورتوں کا حال سنیئے جو فی الواقع جل مری ہیں۔ مینے یہہ اندوہناک واقعے اتنی مرتبہ دیکھے ہیں کہ آیندہ ستی کے کسی اَور واقعہ کے دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور نہ اُسکا اعادہ عبرت اور نفرت سے خالی ہے۔ بہرحال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے حتی الامکان اُسکا بیان کرتا ہوں* ! لیکن مجھکو یہہ توقع نہیں ہے کہ ان ستی ہونے

* مشہور و معروف سیاح شیخ ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ افریقی معروف بابن بطوطہ جو سن سات سو چونتیس (۷۳۴ھ) ہجری میں محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں جو عربی زبان میں ہے اور جسکی ایک نقل خوش قسمتی سے ہمارے کتب خانہ میں بھی موجود ہے لکھتا ہے کہ جب کبھی ستی کا کوئی واقعہ سلطان ہند کی قلمرو میں ہوتا ہے تو اوّل سلطان سے اجازت حاصل کیجاتی ہے اور اُسکے بعد عورت ستی ہوتی ہے ! اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے کہ "میں ملک سندھ ہی میں تھا کہ ایک شہر کے قریب (جس کا نام اُسنے امبر ہی لکھا ہے) قزاقوں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سلطان کی حکومت نہیں مانتے تھے چند مسافروں کو لوٹ لیا اور حاکم شہر کے ہمراہیوں میں سے جو مسلمان تھا اور اُسنے

والی دیوانی عورتوں کی جرأت اور بیدھڑک جان کھونے کا بیان
ٹھیک ٹھیک کرسکوں۔ جو جو کچھ اس پُر اندوہ اور خوفناک اور بدانجام
رسم میں ہوتا ہے غالب ہے کہ بے دیکھے کوئی بھی اُسکو سچ نہ جانیگا
! جب میں احمد آباد سے راجستان ہوکر آگرہ کو جاتا تھا اور ہمارا
قافلہ دوپہر کاٹنے کو ایک قصبہ میں سایہ تلے ٹھہرا ہوا تھا مینے سُنا کہ
ابھی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہوا چاہتی ہے
! پس میں فوراً دوڑا ہوا وہاں گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں
جو بجز تھوڑی جگہ کے زیادہ تر خشک پڑا تھا ایک بڑا گڑھا لکڑیوں سے
بھرا ہوا ہے اور اسپر مُردے کی لاش رکھی ہوئی ہے اور اُسی پر ایک
عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ برہمن اُسکو ہر طرف سے آگ لگا رہے ہیں

زنے کو کلانہ حد سے زیادہ آدمی مارے گئے اُن میں سے تین کی عورتوں نے ستی ہونے کا
ارادہ کیا۔ جو ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت ستی
ہو جاتی ہے وہ دار اور اپنے خاندان کے لیے باعث عزت سمجھی جاتی ہے۔ اور جو ستی
نہیں ہوتی وہ موٹے جھوٹے کپڑے پہننی اور رسوائی کی وجہ سے کنبہ والوں کے نزدیک
معیوب اور ذلیل خیال کیجاتی ہے گر وہ ستی ہونے پر مجبور نہیں کی جاتی۔ چنانچہ جب
انہوں نے اپنا ستی ہونا ٹھان لیا تو تین دن تک گانے بجانے اور خوشیاں منانے
میں مصروف رہیں گویا دُنیا سے رخصت ہوتی ہیں اور اِدھر اُدھر کی عورتیں اُنکی ملاقات
کو آتی رہیں۔ چوتھے روز کی صبح کو خوب بناؤ سنگار کرکے اور عطر وغیرہ لگاکر گھوڑوں پر سوار
ہوئیں اور داہنے ہاتھ میں ایک ایک ناریل اور بائیں میں ایک ایک آئینہ لیا جسکو اُچھالتی تھیں
اُن میں ایسا سودا دیکھی جاتی تھیں اور ہندو آدمی اُن سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے
باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا سلام کہدینا! جسکے جواب میں وہ ہنسکر کہہ دیتی
تھیں کہ اچھا! میں اپنے ساتھیوں سمیت اُن کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کو

اور پانچ اور میری عورتیں کسیقدر اچھی پوشاکیں پہنے ایک دوسری کا ہاتھ پکڑی
چتا کے گرداگرد ناچتی گاتی ہیں اور بہت سے زن ومرد یہہ تماشا دیکھ
رہے ہیں۔ چتا جسپر بہت سا گھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اٹھی اور
عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور زعفران وغیرہ چھڑکا ہوا تھا آگ لگ گئی
مگر مینے کوئی علامت دُکھ درد یا گھبراہٹ کی اُسمیں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ
اُسنے بڑے یقینی طور پر پانچ اور دو کا لفظ کہا جسکا یہہ مطلب تھا کہ یہہ پانچویں
دفعہ ہے کہ میں اپنے اسی خاوند کے ساتھ ستی ہوئی ہوں۔ اور اب
صرف دو دفعہ اور ستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تناسخ (اواگون)
کے مسئلہ کے موافق "مکتی" کو پہنچ جاؤنگی یعنی پیدا ہونے اور مرنے سے
چھوٹ جاؤنگی اور یہہ لفظ اُسنے اسطرح سے کہے کہ گویا اُسکے اس اخیر وقت

گیا اور کوئی تین میل چلکر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گھنے سایہ کے درخت
تھے اور اُن میں چار ہٹ سے موے تھے جسمیں پتھر کی ایک ایک مورت تھی اور ان مٹھوں
کے بیچوں بیچ ایک بڑا اور پختہ تالاب تھا۔ جسپر درختوں سے ایسا گھن کا سایہ کیا ہوا تھا کہ
دھوپ نہیں پڑ سکتی تھی یہہ عورتیں جب اِن مٹھوں کے قریب پہنچیں تو تالاب کے پاس
جاکر اُتر پڑیں اور کپڑے اور گہنا پاتا اُتار کر خیرات کر دیا اور پانی میں غوطہ لگا کر ایک بن سلا موٹا
سوتی کپڑا سر سے پاؤں تک اوڑھ لیا! تالاب کے قریب ہی ایک نشیب زمین میں بہت سی
آگ جلائی جا رہی تھی جسپر بھڑکانے کے سبب گھیوں کا تیل ڈالا جا رہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی ایک
ایندھن کے گٹھے ہاتھوں میں لیئے کھڑے تھے اور قریباً دس آدمیوں کے پاس بڑی بڑی
لکڑیاں تھیں۔ اور ڈھول اور سنکھ بجانے والے لوگ اِن عورتوں کے منتظر کھڑے
تھے۔ اور اس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ڈر نجائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات
سے پردہ کر رکھا تھا جسکو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ القصہ اِن میں سے ایک
عورت کو مینے دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اُسکو لوگوں کے ہاتھ سے جھٹک کر

میں کسی اوتار یا رشی کی روح نے اُس میں حلول کیا ہے۔ لیکن ابھی اس دزدیدانہ طور پر جان کھونے کی واردات کی ابتدا ہی تھی اور مینے یہہ سمجھ رکھا تھا کہ وہ پانچ گانے والی عورتیں بجز ایک امر رسمی کے کسی خاص مطلب کے لیئے نہونگی۔ مگر جب مینے یہہ دیکھا کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُسنے بھی اپنے تئیں سر کے بل اُس آتشیں گڑھے میں گرا دیا اور اسی طرح جب ایک دوسری کے کپڑے جلنے لگے اُسنے بھی اس وحشت ناک حرکت کی تقلید کی اور اسی طرح باری باری وہ تینوں عورتیں بھی جو ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے کمال بیفکری اور آرام سے ناچ رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر جل مریں۔ تب تو مجھپر سخت حیرت طاری ہوئی مگر اب مجھکو ایک شخص کے ساتھ کئی عورتوں کے ستی ہونے کا مطلب بھی جلد معلوم ہوگیا یعنی یہہ یہہ پانچوں عورتیں لونڈیاں تھیں جو اور جب اُن کی بی بی کا مالک مرض الموت میں مبتلا تھا انہوں نے اس

مسیح لیا اور سکر ونی کر" اما میتہ سالی از آمیش (آتش) من مے دانم کہ او آمیش ست رانگنی مارا" جسکے یہہ معنی ہیں کہ کیا تم مجھکو آگ سے ڈراتے ہو میں جانتی ہوں کہ یہہ جلاڈالنے والی آگ ہے۔ پھر اُسنے آگ کو سلام کرنیکی خاطر اپنے دونوں ہاتھ سر پر جوڑے اور اُس میں کود پڑی اور معاً نقارے اور سنکھ اور نفیریاں بجنے لگیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں ایندھن تھا وہ اُنہوں نے اُسپر ڈال دیا۔ پھر اور لوگوں نے لکڑیاں ڈال دیں تاکہ ہل نہ سکے اور بڑا شور و غل ہوا۔ اور یہہ سانحہ دیکھکر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے ساتھی مجھکو نہ سنبھالتے اور پانی سے میرا مونہہ نہ دھوتے تو قریب تھا کہ میں اپنے گھوڑے سے گر پڑتا۔ س۔م۔ح

بی بی کی جانب سے اپنے شوہر کی نسبت کمال محبت دیکھی تھی جس نے اُس سے یہہ وعدہ کیا تھا کہ تمہارے بعد میں بھی زندہ نہ رہونگی - پس یہہ لونڈیاں بھی جوش اُلفت سے اسقدر مغلوب ہوئیں کہ اُنہوں نے بھی اپنا مرنا ٹھان لیا اور اُسی آگ میں جل مریں جسمیں اُنکی پیاری بی بی ستی ہوئی تھی

ستی ہونا محبت کے سبب سے نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے۔

بہت سے لوگ جن سے میں نے اُسوقت ستی ہونے کی نسبت گفتگو کی مجھکو اس بات پر یقین لانے کی جانب مائل کرتے رہے کہ ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے کا سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ شدت محبت ہے - لیکن مجھے جلد معلوم ہو گیا کہ اِس مکروہ رسم کا باعث صرف ایک قسم کے تعصب اور توہم کا اثر ہے - جو لڑکپن ہی سے لڑکیوں کے دلوں میں جمایا جاتا ہے - اور رفتہ رفتہ ایک عمیق جڑ پکڑ گیا ہے - کیونکہ ہر ایک لڑکی کو اُسکی ماں یہہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پارسائی اور تعریف اِسی میں ہے کہ اپنے پتی کے ساتھ ستی ہو جائے - اور پتی برتا عورتوں کا یہہ ہی طریق ہے کہ اس مقررہ رسم سے ہرگز مونہہ نہ موڑیں - علاوہ بریں مرد بھی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ عورتوں کی توجہ اپنے مالکوں کی اطاعت اور تیمارداری میں مشغول رہنے کیواسطے باسانی حاصل ہو - اور اس طرح پر عورتوں کی طرف سے مالکوں کو زہر وغیرہ دیدینے کا ڈر بھی نہیں رہتا -

اب میں ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک

بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اپنے خاوند کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا۔

واقعہ کا بیان کرتا ہوں۔ اگرچہ واقعی یہہ حادثہ میرا چشم دیدہ نہیں ہے۔ مگر اِس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جسقدر ستی کے واقعات میں نے دیکھے ہیں یہہ واقعہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے اُن سب سے کہیں بڑھکر ہے۔ اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجود دیکھ لینے خود دیکھے ہیں مگر میں اُنپر اعتماد اور یقین نہیں کرتا لیکن آپکو یا مجھے یہہ نہیں چاہیے کہ اِس حکایت کو صرف اسوجہ سے نامعتبر تصور کرلیں کہ اُسمین ایک خاص طور کا انوکھا پن ہے۔ ہندوستان میں یہہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا جاتا ہے۔ اور شاید کہ ابتک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو۔ چنانچہ وہ قصہ یہہ ہے کہ ایک عورت کچھ مدت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اُسکا ہمسایہ تھا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا ناجائز لگاؤ رکھتی تھی۔ اُسنے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جاکر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کرلو اور جھٹ پٹ کہیں کو نکل چلو۔ کیونکہ اگر ذرا بھی دیر ہوگی تو مجھے بسبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے خصم کے ساتھ ستی ہونا پڑیگا۔ مگر جب اُس جوان نے اِس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھکر انکار کردیا تو یہہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش واقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگہانی موت سے مرگیا ہے اور میرا مصمم ارادہ ستی ہونیکا ہے۔ وہ لوگ اُسکی اِس پرہمت ارادہ سے جو باعث افتخار خاندان تھا بہت خوش ہوئے۔ اور چتا تیار کرکے لاش کو

اُسپر رکھدیا اور آگ لگادی۔ جب سب تیاری ہوچکی تو وہ چِتا کے گرد اِس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مِل مِل کر اپنے خویش و اقربا اور ہمسایوں وغیرہ سے رخصت ہو۔ اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبورہ نواز بھی کھڑا تھا جو اَور سازندوں کے ساتھ جو مُلک کی رسم کے موافق ستی کے سامنے باجے بجاتے ہیں بُلایا ہوا آیا تھا۔ بس جونہیں یہہ عورت اُسکے قریب پہنچی تو غصہ سے آگ بھبوکا ہوکر آخری رخصت کے بہانہ سے اُسکا گریبان اِس شدت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھوڑا نہ سکا اور کھینچکر اپنے ساتھ چِتا میں لے گری اور اسطرح پر اِس جھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لیلیا۔ *

مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوتے دیکھا۔

سورت سے ایران کو آتے ہوئے مینے ایک اَور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھی اُسوقت کئی اہل فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر پیرس کے رہنے والے۔ چارڈن صاحب بھی موجود تھے! یہہ عورت عمر کی ادھیڑ اور اچھی خاصی صورت دار تھی۔ مگر میری زبان میں یہہ طاقت کہاں ہو اُسکی وہ حیوانوں کی سی جرأت اور دلیری اور وہ وحشیانہ چاؤ جو اُسوقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھا اور اُس کا وہ بیدھڑک چِتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دلجمعی کے

---

* مندرجہ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی ہجو کے موقع پر استعمال کیجاتی ہے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض عورتیں اس طرح بھی فرد ستی ہوتی تھیں "تریا چلتر جانے نہ کوے۔ خصم مارکے ستی ہوے" مترجم

چارڈن ۔ جے آر ڈن — Mr Chardin

حرکت نے ہندو دھرم کو کلنک لگایا۔ اسلیئے وہ ہمیشہ انہیں اپنے ذلیل اور کمینے نئے محافظوں کی بدسلوکیاں سہتی اور زندگی کے دن پورے کرتی ہیں۔

> جو عورت ستی ہونا نہ چاہے مغل اسکو پناہ نہیں دیتے مگر پرتگیز پناہ دیتے ہیں

جب کوئی ستی چتا پر جا پہنچے تو کسی مغل کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اسکی جان بچائے۔ یا کہ جب وہ برہمنوں کے پنجے میں سے بھاگ نکلی ہو اسکو پناہ دینے کی جوکھوں اٹھائے۔ کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے یہ لوگ ڈرتے ہیں۔ البتہ پرتگیزوں نے بعض بندرگاہوں میں جہاں اُنکا زور زیادہ تھا ستی بیواؤں کو بچا لیا ہے۔

> مصنف کا ایک کمسن لڑکی کو زبردستی جلائے جاتے دیکھنا

میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ ان حرکات کو دیکھکر غصہ کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا تھا۔ اور میں کس جوش سے چاہتا تھا کہ کوئی قابو ان کم بخت برہمنوں کے استیصال کا ہاتھ لگے! چنانچہ لاہور میں مینے ایک نہایت خوبصورت کمسن بیوہ کو ستی ہوتے دیکھا۔ جسکی عمر بارہ ۱۲ برس سے زیادہ نہو گی۔ یہ بدنصیب لڑکی جب چتا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اسپر مُردنی چھا گئی۔ اور میں بیان نہیں کرسکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور بلک بلک کر روتی تھی۔ لیکن تین برہمنوں اور ایک بڑھیا نے جس نے اُسے گود میں رکھا تھا زبردستی اُسے چتا پر بٹھا ہی دیا اور اُسکے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تاکہ بھاگنے نہ پائے۔ اور اس طرح پر اس بیچاری معصوم کو جلاکر خاک کردیا۔

...کچھ نہ پوچھئے کہ غصہ کے مارے کیا حال تھا - اور میں نے کس طرح سو
...یں تھا - لیکن چونکہ کچھ بس نہ چلتا تھا - دل ہی دل میں کڑھتا تھا کہ
...ضب یہ لوگ کیسے قابل نفرت توہمات میں گرفتار ہیں اور میں نے شاعر
...یہ اشعار جو اُس نے "(۱) ایگیمم نن" کی بیٹی "(۲) ایفیجینیا" کے باب میں
...تھے - جس کو اُسکے باپ نے "(۳) ڈائینا" پر قربانی چڑھایا تھا - اِن کے
...حال پائے -

خلاصہ معنی اشعار لیکرٹن

...ہی چیزوں کے نیست و نابود کر دینے میں بھی جو خوبصورت اور اچھی
...بعض اوقات مذہب نے بڑے بڑے بد کام کئے ہیں - چنانچہ
...ی نوجوان اِف یانا سا (یعنی ایفیجینیا) کو کس بے دردی سے
...کی قربان گاہ پر قربانی کرنے کو بٹھایا گیا تھا - افسوس! یہ مذہب
...ن سے کیسے بد کام کرا دیتا ہے "

ڈاکٹر برنی آر کے اِس خط میں ڈائنا - ایگیمم نن اور ایفیجینیا کا ذکر جو کہ قصہ طلب باتیں ہیں - اسلئے انسائیکلوپیڈیا برٹیانیکا اور کتاب جام جم وغیرہ سے انکا علیحدہ علیحدہ ذکر اجگہ لکھدینا مناسب معلوم ہوا -

ڈائنا

ڈائنا قدیم زمانہ کے یونانیوں اور رومیوں کی ایک دیوی تھی جسکو وہ شکار وغیرہ کی دیوی کہتے تھے - اور اُسیں مار ڈالنے اور بچا لینے کی دونوں قدرتیں خیال کرتے تھے اور اِسی مناسبت سے اُسکی مورت ایک ایسی سرو قد کنواری اور جوان عورت کی سی بناتے

...ے گ ے م م نَ ن *Agamemnon* | (۳) ڈائی ئے ن ا
...ت یِ ج می نی آ *Iphigenia* | *Diana*

جلا دینے کے عوض کبھی زمین میں گاڑ دیتے تھے

بیٹے ابھی پیدا ذکر ان کی وحشت اور سنگدلی کا نہیں کیا کیونکہ ہندوستان کے بعض حصوں میں تو یہ نسب ڈہاتے ہیں کہ جلا کر ستی کردینے کے عوض عورت کو اول رفتہ رفتہ گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دو تین برہمن یکایک آکر اُسکی مُنڈیا مروڑ ڈالتے ہیں۔ اور جب دم نکل جاتا ہے تو مٹی کی ٹوکریاں ڈالکر پانوں سے دبا دیتے ہیں۔ *

تھے۔ جسکے سر کے بال گردن کے پیچھے بٹ پڑے ہوئے ہوں اور دائیں ہاتھ میں ترکش میں سے تیر نکالتی اور بائیں ہاتھ سے بارہ سنگے کو جو بھاگا جاتا ہو سینگ سے پکڑے ہوئے اور پانوں تک ایک لمبی پوشاک پہنے ہوئے ہو اور اس خیال سے کہ وہ چاند کی اوتار ہے اُسکے ماتھے کو ہلال کی صورت سے سجاتے تھے۔ ایشیا کوچک کے لوگ بھی اسکو پوجتے تھے مگر (مثل ہندوستان کی دیبتو دیوی کے) یونانیوں کے عقیدہ کے برخلاف وہ اسکو صرف مخلوق کے پالنے والی خیال کرتے تھے۔ اور اسلئے اُنکی صورت ایک ایسی عورت کی سی بناتے تھے جسکی بہت سی چھاتیاں ہوں اور اُنکے پر چاروں طرف سے جوش ہوتے تھے اسکا مندر جو شہر ایفیسس واقع ایشیا کوچک میں تھا لکھا ہے کہ دو سو بیس (۲۲۰) برس میں تن کر تیار ہوا تھا۔ اور اس مُدت میں ایک سو ستائیس بادشاہوں نے اُسکی تعمیر کے واسطے روپیہ دیا تھا یہ مندر چار سو پچیس (۴۲۵) فٹ لمبا اور دو سو پچیس (۲۲۵) فٹ چوڑا تھا اور سنگ مرمر کے ایک سو ستائیس (۱۲۷) ستونوں پر جو ساٹھ ساٹھ (۶۰) فٹ اونچے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو ٹن (ایک ٹن اٹھائیس من انگریزی کا ہوتا ہے) کے وزن کی تھی بنایا گیا تھا۔ اور بیس ہزار (۲۰۰۰۰) آدمی اس میں بآرام بیٹھ سکتے تھے۔ تین سو چھپن (۳۵۶) برس قبل از سن عیسوی یعنی جس رات کو سکندر اعظم کی ولادت ہوئی اراس طرتوس نامے ایک شخص نے اس مجنونانہ خیال سے جلا ڈالا کہ اس حرکت سے اُسکا نام دُنیا میں باقی رہیگا! یہ مندر اگرچہ دوبارہ

* دیکھو ایکٹ نمبر ۱۷ سنہ ۱۸۲۹ء سن اٹھارہ سو انتیس عیسوی مصدرہ گورنمنٹ ہند بابت انسداد رسم ستی

ایفیسس (اے ف ی س س) Ephesus

اراس طرتوس - اِراس طِرتوس

ہندو اپنے مُردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں

دریا دیگر لاش کو دریا میں بہا دینے کی رسم کا ذکر

اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ مگر بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ دریا کے کنارے مُردے کے کسی عضو کو گھاس پھوس سے جھُلس کر ایک اُونچے اور سیدھے کنارہ سے پانی میں دھکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ مینے اِس داغ دیگر بہا دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لاش کے

بھی بنایا گیا مگر ویسا نہ بنا اور پھر اسکو بھی گاتھ(۱) قوم کے لوگوں نے (جو پُرانے زمانہ میں ملک جرمنی کی ایک مشہور لڑاکا اور وحشی قوم تھی) ۲۵۶ء دو سو چھپن عیسوی میں جلا ڈالا اور اسکے بعد پھر کسی نے اسکو تعمیر نہیں کیا۔ شہر ایفیسس شہر ازمیر(۲) سے جو ایشیائے کوچک میں بالفعل سلطنت ترکیہ عثمانیہ کا ایک حاکم نشین مقام ہے ستائیس میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے زمانہ میں اسکا نام(۳) آیا زلوک مشہور ہے۔

اگے ممنن اور افیجینیا

قدیم زمانہ میں بحیرہ شام کے کنارے ایشیائے کوچک میں ٹرائے(۴) ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا۔ اُسکے گرد نہایت مضبوط پچاس ہاتھ اونچی دیوار جسکا محیط چار میل تھا بنی ہوئی تھی۔ پوڈاکیر(۵) ملقب بہ پرائم(۶) جب یہاں کا راجہ ہوا تو اُسنے اپنے دشمن یونانیوں کے پاس اپنے بیٹے پیرس(۷) لمے کو صلح کا پیام دیکر بھیجا۔ پیرس نے بیہودہ نالایق حرکت کی کہ سپارٹا(۸) کے راجا منی لاس(۹) کی رانی ہیلن(۱۰) کو بھگا لایا۔ اسپر یونان کے تمام راجاؤں کو نہایت غصہ ہوا اور اِس امر کا بدلہ لینے کو اُن کی متفقہ فوج جو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی۔ ایک بڑا ایک سو چھیانوے ۱۱۹۶ جہازوں پر بندرگاہ آلس(۱۱) سے جو یونان کے صوبہ بوتیا

---

(۱) گ ا ث Goth (۲) ا ز م ی ر (۳) آ ی ا ز ل و ک (۴) ٹ ر ا ئے Troy
(۵) پ و ڈ ا ک ی ز (۶) پ ر ا ئ م Priam (۷) پ ے ر س Paris (۸) س پ ا ر ٹ ا Sparta
(۹) م ن ی ل ا س Menelaus (۱۰) ہ ی ل ن Helen (۱۱) آ ل س Aulis (۱۲) ب ی و ٹ ی ا

...راور مُرچیلوں اور کوّوں کی ٹکڑیاں کی ٹکڑیاں منڈلاتی رہتی ہیں اور
...بندے اور دریا کی مچھلیاں اور مگرمچھ اُس سے اپنا پیٹ بھرتی ہیں

...لوگ بیمار کو بتدریج دریا ...بو دینے کی رسم کا بیان

بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب المرگ بیمار کو دریا کے کنارے لے آتے ہیں اور اُسکے پانوں
...پانی میں رکھکر بتدریج اُسکو گردن تک ڈبوتے ہیں۔ اور جب سمجھ لیتے
...ہیں کہ اب مرنے ہی کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں۔ اور اُسکو وہیں چھوڑ
...اور رو پیٹکر چلے آتے ہیں۔ اِس رسم کا جسکو مینے اپنی آنکھوں سے دیکھا
...ہے یہہ مدعا ہے کہ اس طرح پر تمام گناہ جن سے مردہ کی روح اپنی جسمانی
...ملن کے وقت ناپاک ہو رہی تھی دھوئے جاتے ہیں۔ یہہ بے معنی خیال
...عام لوگوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ مینے بڑے بڑے مشہور پڑھے لکھے شخصوں کو

میں ہے سوار ہو سے اور سی لاس کا بھائی اگیمنن ان کا سپہ سالار بنا اتفاق سے
ایک بارہ سنگا جو ڈائینا کا خاص جانور سمجھا جاتا تھا ! اگیمنن کے ہاتھ سے شکار
میں مارا گیا۔ اور اسکے بعد موافق ہوا بند ہوگئی اور جو لوگ جہازوں میں ایک قسم کی وبا
سے مرنے لگے جسکو اپنی جہالت سے انہوں نے ڈائینا کی خفگی سے منسوب کیا اور
اگیمنن نے بارہ سنگا مارنے کی ہتیا کا یہہ پراس چت (یعنی کفارہ) تجویز کیا کہ اپنی
بیٹی ایفجینیا کو ڈائینا پر قربانی چڑھانا چاہا۔ جس وقت قریب تھا کہ وہ قربانی ہو جاوے تو
ڈائینا نے خوش ہو کر ایفجینیا کو معاف کر دیا۔ اور اُسکے عوض کوئی اور بدنصیب عورت قربانی
کی گئی ! اور یونانی اپنے جہاز ٹرائے کیطرف بڑھا لیگئے اور دس برس کے محاصرہ
کے بعد ایک فریب سے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو قتل کر ڈالا اور شہر کو جلاکر راکھ
کا ڈھیر بنا دیا ! خیال کیا جاتا ہے کہ یہہ واقعہ سن گیارہ سو چوراسی ۱۱۸۴ قبل از سن
عیسوی وقوع میں آیا تھا۔ انتہے۔ س-م-ح

بڑے زور شور سے اسکی تائید کرتے سُنا ہے۔

ہندو فقیروں کا حال

گرو یا مہنت کا ہونا ضروری ہے

ہندوستان کے فقیروں اور درویشوں میں جو بیشمار اور طرح طرح کے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے ڈیرے اور اکھاڑے ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ایک گرو یا مہنت ہوتا ہے جسکے سامنے اُسکے چیلوں سے یہہ عہد و پیمان لیئے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دُنیا اور عاجزی سے گرو کی اطاعت میں رہ کر زندگی بسر کریں۔

ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور عجیب طور سے زندگی بسر کرتے ہیں

یہہ لوگ ایسے عجیب طور پر عمر بسر کرتے ہیں کہ اگر میں اُسکو بیان کروں مجھے شک ہے کہ آیا اُسپر کوئی اعتبار بھی کریگا۔ خصوصاً میرا اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں! اور جسکے معنی ہیں خدا سے ملا ہوا ! بہت سے جوگی بالکل ننگے رات دن اکثر تو تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے اِرد گرد کے مکانوں میں راکھ کا بستر کئے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں! بعض کی جٹیں پنڈلیوں تک لٹکتی ہیں۔ اور اُلجھکر اُن میں اُس طرح گرہیں پڑجاتی ہیں جس طرح پر کہ ہمارے ملک کی پشمی کُتوں کی بالوں میں۔ خصوصاً جن کو وہ آزار ہو جس کو پولش ڈسیز کہتے ہیں! پڑی ہوئی ہوتی ہیں

بہت سے جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخنوں کو اسقدر بڑھاتے ہیں کہ بڑھکر مڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے جس سے مینے اُن کو ناپا تھا زیادہ تھے۔ اِن کے بازو ایسی سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب اُن لوگوں کی طرح جو مُزمن بیماریوں میں مبتلا ہکر مرجاتے ہیں سُوکھکر نہایت دُبلے پتلے ہوجاتے ہیں۔ اور رگوں اور پٹھوں کے خُشک اور سخت ہوجانیکے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر اپنے کچھ مونہہ میں ڈال سکیں! اِن فقیروں کے پاس اِن کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو اِن کو نہایت ہی مہاتما سمجھکر اِن کا بڑا ادب کرتے ہیں! جوگیوں کا ننگا اور کالا جسم لمبے لمبے بال دُبلی اور پتلی پتلی باہیں اور بل کھائے ہوئے ناخن اور وہ ڈراونی وضع جو مینے بیان کی ہے اِس عالم سفلی میں اس سے زیادہ متھور شکل خیال میں نہیں آسکتی۔

ننگے فقیروں اور اُن کی نسبت لوگوں کی خوش اعتقادی کا ذکر

مینے عموماً بعض بعض راجاؤں کے راج میں اِن ننگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی ہیں جنکے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ (جیسے کہ اُوپر بیان ہوچکا ہے) اُوپر کو اُٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے دہشتناک بال یا تو کھُلے لٹکتے ہیں یا سر کے گرد بندھے ہوئے اور بل دئیے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے۔ اور بعض کے کاندھے پر شیر کی خشک اور نامُلائم کھال ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔

لیکن اس وجہ سے پینے اُن کو سخت بیحیائی کی حالت میں بالکل ننگے بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب کو پھرتے دیکھکر کوی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور لڑکیاں اِن کو کچھ تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں۔ بلکہ عورتیں بڑے اعتقاد سے اِن کو خیرات لاکر دیتی ہیں۔ اور اُن کو یہہ یقین ہے کہ یہہ لوگ بڑے ہی متقدّس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو میں رکھنے والے ہیں۔

مشہور و معروف - مرد کا ذکر

میں دیر تک سَرمَد نام ایک مشہور فقیر سے جو دہلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگا مادرزاد پھراکرتا تھا نفرت کرتا رہا۔ اُس نے نہ تو اورنگ زیب کی دھمکیوں ہی کو مانا اور نہ اُسکے وعدوں ہی کو! اور آخر اِسی وجہ سے کہ اُسنے کپڑے پہننے سے بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی رکھّا اُس کا سر اُتار گیا۔ *

* سَرمَد کاشان کا رہنے والا اور قوم کا یہودی تھا مگر مسلمان ہوگیا تھا اور صاحب علم اور تجارت پیشہ تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہہ بتقریب تجارت اپنے وطن ایران سے شہر ٹھٹھہ واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک مہاجن کے ایک پسر جسکا نام ابھے چند تھا عاشق ہوگیا اور تمام مال و دولت کھو بیٹھا اور دیوانگی کی سی حالت ہوگئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال و دولت سے ہاتھ اُٹھا اُسی کے رنگ میں مل گیا۔ اور شاہجہاں کے عہد میں دونو بالاتفاق دہلی میں آئے اُسوقت کے اکثر لوگ اُس کو بڑا خدا رسیدہ اور عارف موحد اور صاحب کشف سمجھتے تھے۔ چونکہ دارا شکوہ بھی جو فقیر دوست تھا اکثر سرمد کے پاس آتا جاتا۔ اور بادشاہ سے اُسکے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا اسلیئے شاہجہاں نے عنایت خاں

ہندو فقیروں کی عبادت اور ریاضت کے بعض سخت اور غیر معمولی طریقوں کا ذکر اور انکی نسبت مصنف کے ذاتی خیالات ـــــــ

بہت سے فقیر لمبی لمبی تیرتھ جاترا کرتے ہیں اور اس موقعہ پر وہ صرف ننگے ہی نہیں ہوتے بلکہ بڑی بڑی لوہے کی زنجیروں سے جیسی کہ ہاتھیوں کے پانوؤں میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں! لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سے فقیروں کو دیکھا ہے کہ جو کسی خاص تپسیا کی خاطر سات آٹھ روز تک بغیر اسکے کہ کبھی بیٹھ جائیں یا پڑ جائیں سیدھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور بجز اسکے کہ رات کے وقت

[illegible]

بات ایسی ہوئی کہ اُس کے نصف حال ہو اسطے اس کا اور اُسنے سر کو دیکھ بھال کر بطور عرض حال یہ شعر پڑھا ٥ ۔ ۔ ۔ ۔ کرامات بہت بہت + بستے کہ جا بہت اور کشتن عورت“ سے شاہجہان کو اورنگ زیب نے قید کر لیا۔ اور دارا شکوہ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تو ملا شیخ عبد القوی کو جو بڑا عالم تھا اور اعتماد خاں کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب رکھتا تھا حکم ہوا کہ سرمد کو کپڑے پہننے کا حکم دیوے۔ پس سرمد طلب ہوا۔ اور ملا نے اُس سے پوچھا کہ ”عریاں چرا میباشی“ سرمد نے اس کا یہ طریقہ جواب دیا کہ ”شیطان قوی است“ تاسف ہ علماء کی اتفاق رائے سے اسکے قتل کا فتویٰ لکھا۔ اور بادشاہ نے اسکو منظور کیا۔ لکھا ہے کہ جب جلاد تلوار لیکر سامنے آیا تو سرمد نے کہا ” سرمدا کردہ ہیم فرو تیغ بابا یار بود + قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود“ اور عاقل خاں رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالمگیری میں لکھا ہے۔ کہ جب جلاد قتل کرنے لگا تو سرمد نے نہایت بے تکلفی اور بیغمی کی حالت میں اخیر وقت یہ شعر پڑھا ” عریانی تن بود غبار رہ دوست + آن نیز بہ تیغ از سرما واکردہ“ سرمد کو شعر گوئی میں بھی اچھا دخل تھا۔ چنانچہ اُس کا دیوان رباعیات جو چھوٹا سا ہے۔ انہیں دنوں یعنی سنہ اٹھارہ سو چورانسی میں جبکہ یہ کتاب تیار کی جا رہی ہے شہر دہلی میں چھپ بھی گیا ہے۔ سرمد کی قبر مسجد جامع دہلی کے قریب ہی ہے اور لوگ اُس پر اکثر پھول چڑھاتے اور روشنی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور سرمد کے قتل کی نسبت ابتک عام گمان یہ ہے کہ محض دارا شکوہ کی دوستی اس بیچارہ کے قتل کا باعث ہوئی تھی۔ فقط س م ا ح

چند گھنٹے ایک طناب کے سہارے آگے کو جھک جائیں اور کوئی سہارا نہیں لیتے اور اس عرصہ میں انکی پنڈلیاں سوجکر رانوں کے برابر ہوجاتی ہیں۔ بعض کو مینے دیکھا ہے کہ گھنٹوں ہاتھوں کے بل سر نیچے اور پانوں اوپر بڑے استقلال سے کھڑے رہتے ہیں !

میں ایسی ہی اور بہت سی حالتوں کے نام لے سکتا ہوں جن میں کہ یہہ بے نصیب لوگ اپنے جسم کو بیفائدہ دُکھ دیتے ہیں۔ اِن میں سے بہت سی صورتیں تو ایسی سخت اور مشکل ہیں کہ ہمارے مُلک کے نٹ بھی اِن کی تقلید نہیں کر سکتے۔ اور یہہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہہ تمام باتیں تقویٰ اور دینداری کے ایک مفروضہ خیال سے کیجاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے کسی حصّہ میں بھی تقویٰ اور دینداری نے اپنا سایہ تک نہیں ڈالا !

جب میں پہلے پہل ہندوستان میں آیا تو اِن لوگوں کے یہہ بھید تو بہت دیکھکر حیران رہگیا۔ اور کُچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اِن کی نسبت کیا رائے قائم کرُوں بعض اوقات تو میں اس خیال کی طرف مائل ہوتا تھا کہ یہہ فقیر اگر حکمائے قدیم یونان کے اُس پرانے اور بدنام فرقہ کے جنکا نام "سنے نکس"* (یعنی کلبیین) تھا بانی نہیں ہیں تو اُن کا بقیّہ تو ضرور ہیں۔ بشرطیکہ اِن میں

* زبان یونانی میں لفظ سنے نک کے معنی کٹ کھنے کُتّے کے ہیں۔ اور حرف (س) علامت جمع کی ہے۔ چونکہ اس قدیم فرقے کے حکما ایسے اس طرح زندگانی بسر کرتے تھا کہ تمام اہل ولایت اور عادات [illegible] اور تہذیب و صفائی اور سب سے نفرت کرتے ہیں اسلئے بلحاظ انکی ترشی روئی اور بد مزاجی کے ان کا یہہ لقب پڑ گیا تھا۔ س۔م۔ع

سنے نکس (س ے ن ک س) Cynics کلبیین (ک ل ب ی ی ن)

حیوانیت اور جہالت کے سوا اور کوئی بات دیکھ پاتا۔ یا اگر مجھے ان میں کوئی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیت کی بھی دکھائی دیتی۔ کبھی مجھے یہ خیال گزرتا تھا کہ اگرچہ یہ گمراہ ہیں مگر ہیں سچے فقیر۔ لیکن آخر کار معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں یہ لوگ تقویٰ اور تقدس سے جہاں تک خیال کیا جائے بالکل معرا ہیں۔ میں نے یہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی ان پر قوی اثر رکھتی ہے۔ اور ان کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ یا یہ کہ خود پسندی جو انسان کے ہر کام میں ملی ہوئی ہے۔ اور جو دیوجانس* کی بھی

---

* Diogenes دیوجانس جو ملک یونان میں مشہور حکیم گزرا ہے۔ گروہ بالا سے تک فرقہ میں سے تھا اور اسی وجہ سے اہل عرب اسکو دیوجانس کلبی کہتے ہیں۔ یہ شہر سنوپ کا رہنے والا تھا اور سنہ ۴۱۲ برس قبل از سنہ عیسوی پیدا ہوا تھا۔ وہ نوے ۹۰ برس کا ہو کر سنہ تین سو تئیس ۳۲۳ قبل از سنہ عیسوی میں فوت ہوا۔ یہ تارک الدنیا تھا اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنے اور ایک لکڑی کا پیالہ سر پر اٹھائے گلی کوچوں میں پھرا کرتا تھا اور جو کچھ ملتا کھاتا اور جہاں جاتا سو رہتا اور کبھی اس لکڑی کے پیپے میں گھس کر آرام لے لیتا تھا! کہتے ہیں کہ جب سکندر اعظم نے شہر کارنتھ کو فتح کیا اور اسکی ملاقات کو گیا تو اس وقت یہ سو رہا تھا۔ سکندر نے ٹھوکر مار کر کہا کہ تو پڑا سوتا ہے اور میں نے تیرا شہر فتح کر لیا۔ اس نے جواب دیا کہ شہروں کا فتح کرنا بادشاہوں کا کام ہے لیکن لات مارنا گدھوں کی خصلت ہے۔ سکندر نے خفا ہو کر کہا کہ شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ تجھکو کبھی مجھ سے غرض پڑے گی اور یہ ممکن نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ مجھکو اپنے غلام کے غلام سے کبھی غرض نہ پڑے گی۔ سکندر نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا تو! کیونکہ حرص شہوت کو میں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو اس کا غلام ہے! ایک روز سکندر نے اس سے پوچھا کہ نیکی کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے؟ جواب دیا نیک کام کرنے سے۔ اور تو تو ایک دن میں وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے جو اور لوگ برسوں میں نہیں کر سکتے! کہتے ہیں کہ ایک روز سکندر جو اسکی ملاقات کو گیا تو یہ اپنے اس لکڑی کے پیپے میں بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا۔

پرانی گدڑی میں ایسی ہی صاف معلوم ہوتی تھی جیسے کہ افلاطون کے خوشنما لباس میں۔ ان تمام اعجوبہ کاریوں کی پوشیدہ باعث ہوگی۔

سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت فرمایئے۔؟ جواب دیا کہ بس یہی خدمت ہے کہ آپ پرے ہٹ جائیں اور میری دھوپ نہ روکیں فقط ماخوذ از ناسخ التواریخ و جام جم   س م ح

افلاطون چار سو برس قبل سن عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور اکیاسی برس کا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا۔ بس اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کیسا شخص تھا۔ ابتدا عمر میں اس کو کشتی اور شعر گوئی کا شوق تھا۔ اور بہت ہی خوب شعر کہتا تھا۔ مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اول سقراط سے اور اسکی وفات کے بعد مصر وغیرہ میں تحصیل علوم کرتا رہا۔ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیگانے سے بڑے احسان و نیکوئی سے پیش آتا تھا۔ اس نے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اٹھائیس کتابیں اپنی تصنیفات سے دنیا میں چھوڑیں۔ مرنے کے بعد یہ اس باغ میں دفن کیا گیا جو اسکی ملکیت سے تھا اور اسکی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ اور ایک لوٹا اور سونے کا ایک کان کا سا تھا جسکو کہ وہ کان میں پہنا کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کا کوئی بنانے والا اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے موجود ہے۔ اور اپنی تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔ اور اصل میں اسکے وجود کے ساتھ کوئی ظل وجود نہ تھا مگر چند مثالیں جن سے اسکی مراد چند مجرد و بسیط چیزیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں اور تمام محسوس و مادی صورتیں انہیں کلیات بسیط کی جزئیات ہیں اور اس جہان میں جو کچھ موجود ہے وہ اس جہان یعنی عالم مثال کا نمونہ ہے اور یہ کہ ہر اثر کے لیئے ایسے موثر کا ہونا ضروری ہے جو کسی نہ کسی طرح پر اس اثر سے مشابہت رکھتا ہو۔ مطلب یہ کہ عالم مثال یا عالم مجردات عالم کلی ہے اور عالم مادی یا عالم مرکبات عالم جزئی ہے۔ اور جو کچھ اس عالم جزئی میں ہے وہ اس عالم کلی کا نمونہ ہے۔

(ماخوذ از ناسخ التواریخ)   س م ح

ہندو فقیروں کی نہایت سخت ریاضتیں اور اس عقیدہ پر ہے کہ دوسرے جنم میں ان کا حال عمدہ ہو جاوے گا۔

مینے سنا ہے کہ یہہ فقیر بڑی بڑی سخت تپشیا اس اُمید پر کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں راجہ ہو جاوینگے۔ اور اگر راجہ بھی ہوئے تو ہماری حالت زندگی ایسی تو ضرور ہوگی کہ ہمکو اُن سے بھی زیادہ آرام و عیش حاصل ہوں۔ لیکن جیسے کہ اکثر اُن سے میرا قول تھا یہہ کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے کاٹا جائے حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرور ایسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہوگی جیسی کہ یہہ زندگی ہے۔ اور جس میں زیادہ آرام اور خوشی ملنے کی اُمید نہیں کیجا سکتی۔ خواہ کوئی شخص اودے پور کے راناہی کے رتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے اور خواہ اُسکی حالت ہندوستان کے دو طاقتور راجاؤں جے سنگہ اور جسونت سنگہ ہی کے مشابہ کیوں نہ ہو جائے! مینے اُن سے کہدیا کہ میں تو ایسی جلدی تمہارے فریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ یا تو تم سخت احمق ہو یا تمکو خراب ارادوں کی تحریک ہے جنکو تم ہوشیاری کے ساتھ دُنیا سے چھپاتے ہو۔

بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بود و باش اور عادات و حرکات کا بیان اور اُنکی نسبت مصنف کی رائے

بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے روشن ضمیر ست اور کامل جوگی اور حقیقت میں خدا رسیدہ ہیں۔ اور اِن کی نسبت بالکل تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہہ فقیر ہمارے راہبوں کی طرح آبادی سے دُور کسی باغ میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ کوئی اِن کو بھوجن لاکر دیدے تو لیلیتے ہیں۔ اور اگر نہ لائے تو لوگوں

...یال ہے کہ بغیر بھوجن کے بھی یہہ مہاتما سادھو زندہ رہ سکتے ہیں اور
...بلی فاقہ کشیوں اور نفس کشیوں کی بدولت یہہ خدا کے بھروسہ پر جیتے ہیں
یہہ مقدس جوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں۔ انکا یہہ ادّعا ہے اور
فقیر نے جسے لوگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ ہماری روحیں
...ں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں۔ ہمارے حواس ظاہری
...ح ہو جاتے ہیں۔ اور جوگیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل البیان
...ور چمکدار نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہمکو دنیا کے الجھیڑوں
...یسی نفرت ہو جاتی ہے اور سرورِ خالص کی حالت میں ہم ایسے محو
...تے ہیں جو قابلِ بیان نہیں۔ اور میرے اِن مقدس سنت صاحب نے
...ے یہہ کیفیت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گھنٹوں ایسی محویّت
...ت میں ہو جاتا ہوں۔

جو لوگ جوگیوں کے پاس آتے جاتے ہیں ان میں سے کسیکو ان
...وگزاف کے استغراقات کے سچ ہونے میں کلام نہیں مگر یہہ
...ہیں یہہ امر ممکن ہے کہ انسان کا دل ہمیشہ کی تنہائی اور فاقہ کشیوں
...ہ سے کمزور ہو کر اِس قسم کے تخیلات میں پڑ جاتا ہوگا۔ یا اِن فقیروں
...ہ استغراقات اُن طبعی بے خودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ جنکی نسبت
...ن* کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اِس حالت میں ہو جاتا تھا۔

...ب رُوم کارڈن ملک اِٹلی کا رہنے والا ... سو ایک (سنہ...) عیسوی میں پیدا
...ے رُوم کارڈن Jerome Cardan ملک اِٹلی Italy

جوگیوں کے تصور اور دھیان جمانے کے طریقہ کا بیان۔

یہہ خیال اِس وجہ سے بالتخصیص قریب القیاس ہے کہ یہہ لوگ اپنے اِن اشغال میں کسی نہ کسی ترتیب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ حواس کو بتدریج روکنے کی غرض سے وہ اپنے لیئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کا بیان ہے کہ بہت سے دنوں تک کھانا پینا ترک کرنیکے بعد کسی تخلیہ کی جگہ میں تنہا بیٹھنا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیئے۔ اور جب کچھ عرصہ تک اِس کے عادی ہوجائیں تو پھر دونوں آنکھوں کو بتدریج نیچے کو کریں۔ اور اس طرح پر دھیان جمائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی پھننگ اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھلائی دینے لگیں۔ اور یہہ تصور کا طریق علی الاتصال اُسوقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ نورِ عرفان صاف جلوہ گر ہوجائے۔ ! یہہ تصور اور مُراقبہ اور اُسکے حاصل کرنے کا طریقہ

[illegible]

ہوا تھا اور اپنے زمانہ کا ایک مشہور طبیب ریاضی داں اور فلسفی تھا۔ اِس عجیب شخص کے سوانح عمری بھی عجیب ہی ہیں۔ اس کا باپ شہر میلان میں ایک اچھا ذی مقدرت شخص تھا مگر جیروم اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت سے مصیبتوں اور افلاس میں رہا ہوں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہہ اپنے باپ کا حرامی بیٹا تھا اور جب وہ حمل میں تھا تو اسکی ماں نے ہرچند اسقاط کے لیئے کئی دفعہ کوششیں کیں مگر یہہ سخت جان بچہ ہرگز نہ نکلا اور آخرکار جب نکلا تو اِس طرح پر کہ اُسکی ماں کا پہلو چیر کر نکالا گیا۔ روزِ پیدائش سے یہہ بیچارہ ضعیف القویٰ تھا اور اِس کے علاوہ اِس کے باپ کے گھر میں اسکے ساتھ طرح طرح کی بدسلوکیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ مگر تحصیل ریاضیات میں اسنے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اور اگرچہ ابتدا میں فرانسسکن گروہ کے تارک الدنیا درویشوں میں شامل ہوگیا

ٹ م ی ل ان Milan شہر ف ر ان س س کن Franciscan

ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں میں ایک بڑی بھاری راز کی بات ہے اور میں اس کو راز اسلیئے کہتا ہوں کہ وہ اِن باتوں کو آپس ہی میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور ایک ہندو پنڈت کی مدد کے بغیر جس کو دانشمند خان نے نوکر رکھ لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپا نہ سکتا تھا مجھکو یہہ معلومات ہرگز حاصل ہوتیں اور ایک یہہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا

جوگیوں کے درویشی صورت دکھائی دینے کی وجہ

اِن فقیروں کی صورتیں جو بظاہر درویشانہ نظر آتی ہیں۔ اس کا بڑا سبب میرے گمان میں یہہ ہے۔ کہ ریاضات شاقہ و مدتوں کے برت اور فاقہ کشیاں اور سخت

تھا مگر تھوڑے دنوں بعد اسے پیرس ... شوق سے علم طب اور علم فلسفہ کو حاصل کرنا شروع کیا۔ یہانتک کہ اسنے ایک مشہور و معروف مدرسہ طبی سے ایم۔ ڈی کی ڈگری یعنی چٹھی ... حاصل کیا اس مدرسہ میں ایسا مستعد طالب علم تھا کہ استاد کی غیر موجودگی میں اقلیدس اور منطق کی جماعت کو خود تعلیم دیا کرتا تھا اور آخر اسکے علم و فضل و ذہانت کی شہرت اسقدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے اُمرا اور بادشاہوں سے بھی اسکی ملاقاتیں ہوئیں ... جگہ ... اپنے طبی مدارس میں اس کو تدریس وغیرہ بھی مقرر کیا۔ مگر اس کا قدیمی رفیق افلاس اسکے ساتھ تھا یہانتک کہ ایکبار سنہ پندرہ سو ستر ۱۵۷۰ء میں زیرباری قرض کے باعث کچھ عرصہ تک قید بھی رہا۔ اور جب وہاں سے رہائی پائی تو پوپ گریگوری سیزدہم کے پاس چلا آیا جس نے از راہ قدردانی اس کو اپنے مدرسۃ الاطبا کا ایک ممبر مقرر کرکے گذر اوقات کے لیئے کچھ پنشن بھی کردی۔ اور اسنے بقیہ عمر کو روم ہی میں بسر کرکے بعد اختتام اپنی

Rome ۲ Pope Gregory ۱

حالت افلاس اِن کو دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

ہندو جوگیوں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے راہبوں کی ریاضت کا مقابلہ

ہمارے یورپ کے درویشوں اور راہبوں کو ہرگز یہہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اِن باتوں میں ہندو جوگیوں یا دیگر ممالک ایشیا کے مذہبی فرقوں سے وہ کبھی فوقیت لیجا سکتے ہیں۔ چنانچہ مثلاً اگر طریق عبادت و ریاضت اور روزہ داری وغیرہ میں آرمنی قبطی یونانی نسطوری۔ جیکوبٹ یعنی یعقوبی اور میرونیٹ عیسائیوں کو بنظر مقابلہ دیکھا جائے تو ہمارے یورپین زاہد بالکل مبتدی معلوم ہوں گے۔ مگر ہاں اُس تجربہ کی رو سے جو مجھے ہندوستان میں ہوا ہے یہہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ جسقدر تکلیف فاقہ اور روزہ رکھنے سے

کتاب سوانح عمری کے سنہ پندرہ سو چھہتر ۱۵۷۶ عیسوی میں قضا کی! یہہ شخص احکام نجوم کا اسقدر معتقد تھا کہ ایک بار اُسنے ملک سکاٹلینڈ کے ایک مشہور و معروف پادری کو جو سخت مریض تھا۔ جسکو جرمنی کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اپنے معالجہ سے تندرست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اسکو یہی خیال تھا کہ چونکہ یہہ اُسکی جنم پتری کے حساب کو جس طرح سمجھ کر علاج کیا تھا محض اسیوجہ سے یہہ فائدہ ہوا ہے! اسکے شدت اعتقادِ نجوم کی نسبت اسکے زمانہ کے دو مشہور عالموں نے ایک یہہ روایت بھی کی ہے کہ اُسنے اپنی جنم پتری کی رو سے اپنی عمر کی ایک حد قرار دے رکھی تھی۔ پس جب وہ وقت قریب آیا چونکہ یہہ بھلا چنگا تھا اور کوئی بیماری وغیرہ نہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا اس وجہ سے اسکو یہہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میری جنم پتری کا حساب غلط ہو جاوے! اِسلئے اسقدر بھوکا مرنا شروع کیا کہ آخر جنم پتری کی مدت مل گئی! اسکی تصانیف سے کئی رسالے اور کتابیں طبعیات - ریاضیات علم ہیئت فن احکام نجوم - فصاحت و بلاغت - تاریخ

ترکستان کے سرد ملکوں میں ہوتی ہے - ہندوستان وغیرہ میں اتنی نہیں معلوم ہوتی -

بہروپیے اور شعبدہ باز اور ضمیر بتلانے والے رسمی جوگیوں کا ذکر

اب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو اُن فقیروں سے جنکا بیان اوپر ہو چکا ہے بالکل مختلف ہیں مگر ہیں یہہ بھی عجیب لوگ ! یہہ ہمیشہ تمام مُلک میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا اُنکی زندگی کیسی بیفکر بسر ہوتی ہے - اور بڑے رازداں ہونے کا ادّعا کرتے ہیں - عموماً لوگوں کا یہہ خیال ہے کہ یہہ مقبول شخص سونا بنانا جانتے ہیں - اور پارہ کو ایسے عمدہ طور سے تیار کر سکتے ہیں کہ ہر صبح کو ایک دو چاول کی برابر کھانے سے بیمار آدمی تندرست اور توانا ہو جاتا ہے - اور معدہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ شوق سے جتنا چاہے کھائے اور آسانی سے ہضم ہو جائے - اور صرف

پیراسیلسس: منطق نیچرل ہسٹری یعنی علم ہیئت وحقایق طبعیات - موسیقی علم الادویہ فن تشریح وغیرہ میں بہ نسبت ایک سو اُنیس ۱۱۹ ہیں - اور ان میں طرح طرح کے بیان ہیں - مگر اس شخص نے مسائل علمیہ کے ساتھ بیحد مبالغہ آمیز تخیلات اور بیہودہ تصورات کو اُن سب میں شامل کر لیا ہے - اور بسبب اسکے کہ وہ سن طفولیت سے آخر عمر تک بدسلوکیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا اُسکے مزاج میں تلخی وتندی اور انتقام پسندی کی عادت تھی اور اسکی خصلت اور مزاج اس درجہ نرالا اور انوکھا تھا کہ لوگ اسکو عموماً پاگل اور خبطی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو نوع انسان سے بالکل علیحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اسکو پکا یقین تھا کہ میرے ساتھ ہمیشہ ایک ایسی روح جسکو میں بخوبی پہچانتا ہوں حاضر رہتی ہے اور اُسکے باعث سے میں جب چاہتا ہوں عالم ارواح سے بات چیت کر لیتا ہوں (ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹانیکا) س م ح

بین نہیں ہے۔ بلکہ اِس قسم کے دو جوگی جب کہیں آپس میں مل جاتے ہیں
اور اُن میں تقابل کا جوش پیدا ہوتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب
طاقتیں ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے شک ہی کہ آیا "سیمن میگس"* بھی باوجود
اپنی تمام شعبدہ بازیوں کے ایسے عجیب کام کرسکتا تھا یا نہیں۔ وہ کسی
شخص کے دل کا بھید بتلا دیتے اور گھنٹہ بھر میں درخت کی ایک شاخ
کو زمین میں گاڑ کر اُس میں پتے اور پھول پھل لگا دیتے ہیں اور آدھ گھنٹہ
سے کم عرصہ میں انڈے کو بغل میں رکھکر جو جانور کوئی چاہے وہی پیدا کر دیتے
ہیں جو کہ سے میں اِدھر اُدھر اُڑنے لگتا ہے اور بہت سے اور ایسے
ہی تماشے کرتے ہیں جنکے بیان کی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ
لوگ جو کچھ اِن شعبدہ بازوں کی نسبت بیان کرتے ہیں میں اُسکے سچ
ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دیسکتا۔ میرے آقا نے اِنہیں
سے ایک کو بلایا اور وعدہ کیا کہ اگر تو کل کو میرے دل کی بات تبلا دیگا۔
تو میں تین سو روپیے تجھے دونگا۔ اور اس خیال سے کہ میری طرف سے
بے ایمانی کا گمان نہو میں اُس بات کو ابھی تیرے روبرو کاغذ پر لکھدونگا
۔ اُسی وقت مینے بھی یہ کہا کہ اگر تو میرے دلکی بات تبلا دیگا پچیس
روپیے میں بھی نذر کرونگا۔ مگر وہ پھر کبھی ہمارے مکان کے پاس
بھی نہ پھٹکا !!! ایک مرتبہ پھر مینے ایک شعبدہ باز کو کسی بات پر بیس
روپیے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی محروم و مایوس ہی رہا! اگرچہ

* Simon Magus کہ اس شخص کا حال بعد تلاش کے کہیں نہیں ملا۔ س مہرع

میں انکی ہر بات کی تہ کو پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن یہہ میری بدقسمتی تھی کہ میںنے کبھی کوئی ایسا عجیب تماشا نہ دیکھا جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اور جب میں کسی ایسے تماشے کے ہوتے جا نکلتا تھا جسکو دیکھکر لوگ متحیر تھے تو یہہ عموماً میری بدبختی تھی کہ میں اُن سے بہت سے سوال کیا کرتا اور اُن کا امتحان کیے جاتا تاوقتیکہ مجھے یقین نہ ہو جاتا کہ اس میں کیا فریب ہے یا کیا ہتھ پھیری ہے!

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میںنے ایک شخص کا فریب پکڑ لیا تھا! جسنے دعوی کیا تھا کہ کٹورا دوڑانے سے میں اُس شخص کو بتلا دونگا جسنے میرے آقا کا روپیہ چرایا تھا۔

لیکن بہرحال ایسے فقیر بھی ہیں جو اِن فقیروں سے جنکا ہم ذکر کرتے آئے ہیں بہت چپ چاپ اور شایستہ صُورت معلوم ہوتے ہیں اور اُنکی

جیسے بہت کے سادھوؤں اور اُنکی ناپاکی اور اس غلط فہمی کا ذکر کہ اپنے دق کیلیے ہم بھی منتر یاد ریاں کے ہیں

زندگی کا طرز اور طریق عبادت بھی اتنا فضول نہیں ہے! یہہ ایک دھوتی باندھے ہوئے جو انکے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے جو دائیں بغل کے نیچے سے ہوکر بائیں کاندھے پر جا گرتی ہے سر و پا برہنہ گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے ہیں۔ اور اسکے سوا اور کوئی کپڑا انکے بدن پر نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہمیشہ دُھلے* ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بہرصورت صاف معلوم ہوتے ہیں۔ عموماً وہ بڑے اعتدال کے طریق کے ساتھ دو دو ہوکر پھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک

* یہہ لوگ نہاتے تو نہیں البتہ کپڑا تر کرکے بدن کو اُس سے ہمیشہ صاف کر لیتے ہیں۔ مترجم

چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا پیالہ ہوتا ہے - جسکے تین پائے اور دو دو منہ ہوتے ہیں - یہہ اور فقیروں کی طرح دکان دکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں اُنکی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے - اور اِن کا آنا گھر والوں کے واسطے موجب برکت گنا جاتا ہے -

اِن پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو کچھ حال گزرتا ہے اگرچہ اُسکو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام اُن کو لگا دے تو اُسکا خدا ہی حافظ ہے - مگر اِس بات کو اِس مُلک کی رسم خیال کیا جاتا ہے اور اِسی وجہ سے اِن کے تقدس میں کچھ فرق نہیں آتا - گھروں کی عورتوں کے ساتھ اِن فقیروں کے جو جو معاملات گزرتے ہیں اُنکے بیان پر میں چنداں زور دینا نہیں چاہتا - کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں ! لیکن بڑی ہنسی کی بات حقیقت میں یہہ ہے کہ یہہ بے ادب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں - بعض اوقات میں اِن کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلا لیا کرتا تھا اور اِن سے بڑے خلق اور مدارات سے بولتا - اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا - چنانچہ فوراً آپسمیں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرکے وہ لوگ

---

* یہہ ظرف مٹی کا تو کم اور اکثر روغن کیا ہوا ایک کاٹھ کا برتن شکل لوٹے کے ہوتا ہے جسکے اکثر بہت چھوٹے تین پائے بھی ہوتے ہیں اُسکو اُنکی اصطلاح میں پاترا اور پاتری کہتے ہیں - س م ح

کہنے لگتے تھے "یہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں"

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم وفنون وغیرہ کا ذکر

میں ان فقیروں کا بہت کچھ ذکر کر چکا اور اب مجھے ان کے دھرم شاستر اور علوم کی پوتھیوں کا ذکر کرنا چاہیئے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جو اب ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کل برہمنوں کی عام زبان تھی ناآشنا ہوں اور باوجود اس کے سنسکرت کی پوتھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میرے آقا دانشمند خان نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر رکھ لیا تھا جو پہلے شاہجہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلق تھا۔ اور تین سال کے عرصہ میں صرف یہی شخص میرا ہمیشہ کا ہم صحبت نہ تھا بلکہ اُسنے اَور کئی بڑے بڑے ودیاوان پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی۔ جنکو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔! جب میں اپنے آقا کو پیکیٹ[1] اور ہاروے[2] کے علم تشریح کے معلومات جدیدہ کا حال سُناتے

montpellier — Pecquet

۱؎ ڈاکٹر پے کیٹ ایک فرانسیس طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر واقع فرانس کا تھا۔

۲؎ ڈاکٹر ولیم ہاروے قوم انگریز سے تھا۔ یکم اپریل سنہ پندرہ سو اٹھتر (۱۵۷۸ء) عیسوی کو Harvey

بنائے تحقیقات او ر گیسینڈی اور ڈسکارٹس* کے فلسفہ پر (جسکا مٹنے

Gassendi

(۱) بلیز پاسکل — پاسکل وہ محقق ہے جسنے سنہ سولہ سو سینتالیس (۱۶۴۷) عیسوی میں برخلاف عقیدہ جمہور اطبا متقدمین کے یہہ نئی بات نکالی۔ فکر کو ہوا کے بار سے کچھ تعلق نہیں بلکہ عروق باساریقا سے منفوث کیلوس اول شیلا یک سفید عروق کے ایک بڑی رگ سے ہوکر قلب کے دہنے خانہ میں جاکر مبدل بخون ہوجاتا ہے!! س م ح

(۲) ولیم ہاروے — شہر فوکسٹون[1] واقع صوبہ کینٹ[2] میں پیدا ہوا۔ انیس برس کی عمر میں کیمبرج[3] کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ پھر پیڈوا[4] واقع ملک اٹلی کے مدرسہ طبی میں جو اس زمانہ میں بہت مشہور مدرسہ طب کا تھا داخل ہوا اور بڑے بڑے نامی استادوں سے تعلیم پاکر چوبیس برس کی عمر میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی۔ سنہ سولہ سو پندرہ (۱۶۱۵) میں یہہ شخص انگلستان کے ایک طبی مدرسہ میں فن تشریح اور جراحی کا لیکچرار مقرر ہوا اور یہاں اسے اپنی تحقیقات سے جدید مسئلہ دوران خون کو ظاہر کیا۔ اور کئی برس تک اپنے اور یورپ کے اور ملکوں کے ڈاکٹروں کے ساتھ بحث مباحثے کرکے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا۔ ڈاکٹر ہاروے اپنی لیاقت کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس[5] اول کا طبیب مقرر ہوا۔ اور اس کے بعد بادشاہ چارلس[6] اول کا بھی بہت اعتماد رہا۔ اور جبکہ اسکی شہرت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی تیسری جون سنہ سولہ سو ستاون (۱۶۵۷) کو اسی برس کی عمر میں مرض فالج سے قضا کی۔ حقیقت یہہ ہے کہ ان دونوں محققوں کے ان مسائل خصوصاً ہاروے کے مسئلہ دوران خون نے فن طب میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا طبابت قدیمہ کے اصول ہی کو مل ڈالا ہے!! (ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا۔ س۔ م ح۔

* Descartes — ڈس کارٹس جسکو ڈی کارٹس بولتے ہیں مشاہیر حکمای فرانس سے ہے جو سنہ پیدائش یعنی سولہ سو چھیانوے (۱۵۹۶) عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سنہ سولہ سو پچاس (۱۶۵۰) عیسوی میں مرا۔ یہہ پہلا شخص تھا جسنے علم مناظر و مرایا کے مسائل کو دلائل ہندسی سے ثابت کیا۔ اور خواص مقناطیس کے باب میں تجربات کثیر حاصل کئے اور بسبب اپنی خاص رایوں کے مجدد علم

(۱) فوکسٹون Folkstone (۲) کینٹ Kent

(۳) Cambridge (۴) Padua (۵) James (۶) Charles

اپنے آقا کو فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا اور پانچ چھ سال تک با تصنیف میں اسکا یہی شغل تھا) گفتگو کرتے کرتے تنگ ہو جاتا تھا تو اسوقت ہم اپنے پنڈت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ ہاں پنڈت جی! اب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سنائیے! چنانچہ وہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اثنائے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا تھا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخرکار ہم اُس کی کہانیوں اور لڑکوں کی سی دلیلوں سے ناخوش ہو گئے

فلسفہ مشہور ہے۔ اثبات نفس ناطقہ کی بحث میں اسنے یہ لکھا ہے کہ ہم ہر شے کے وجود کی نسبت شک کر سکتے ہیں لیکن اپنے شک کے وجود کی نسبت شک نہیں کر سکتے اور شک کرنا خود بمنزلہ مدرک ہونیکے ہے اور مدرک ہونا صاحب ادراک کے وجود کی دلیل ہے۔ پس ہمارا یہ کہنا کہ ہم ہیں۔ یا ہم ذی وجود ہیں ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم اِن کو زبان پر لائیں یا اسکے تصور کو دل میں جگہ دیں ہر حال میں اسکی صحت پر ہمکو اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس کہنے سے ہمکو نہ صرف اپنے وجود ہی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذی ادراک ہونیکا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے میں ایک ایسی غیر مادی شے پاتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے منزہ ہے تو ضرور ہے کہ اسکے لیے کوئی علت ہو۔ کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہے اور چونکہ ناقص کامل کی علت نہیں ہو سکتا۔ اسلیے ہم جو ایک ادنیٰ اور ناقص وجود ہیں اُسکی علت نہیں ہو سکتے اور اسلیے ضرور ہے کہ ہمارے سوا اُسکی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہو جسکی عظمت اور کمال اور قدرت سے یہ معلول ہمیں خبر دیتا ہے۔ اور جس وجود نے بذریعہ اپنے اس معلول کے ہمارے نفس پر اپنا ایک نشان منقش کر دیا ہے۔ مگر یہ نشان سوا خود اُس علت کا وجود مُراد نہیں ہے پس ہمارا ہونا ہمکو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔ س م ح

ہندوؤں کے چار بید اور ان کے نام

ہندوؤں کا یہ ادعا ہے کہ خدا نے جسکو وہ اچر[۵۵] (یعنی غیر متحرک) کہتے ہیں۔ ہمارے واسطے چار بید[۵۶] بھیجے ہیں (بید ایک لفظ ہے جسکے معنی علم کے ہیں) چنانچہ اُن کا قول ہے کہ بید میں سب علوم ہیں۔ **اوّل** بید کا نام اتھربن بید ہے **دوسرے** کا یجر بید **تیسرے** کا رگ بید **چوتھے** کا سام بید۔

---

۵۵ مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق غالباً غلطی سے لفظ اَکْشَر کو جسکے معنی معدوم کے ہیں اچر سمجھا ہے اور اسی بنا پر اصل کتاب میں توسین کے اندر اسکے معنی غیر متحرک کے لکھے ہیں کیونکہ مصنف کی تحریر میں جو حروف سی ایچ حرف تہجی ترشت کے معنی کے لئے مستعمل ہوتے ہیں انکا اکثر یہ تلفظ زبان انگریزی میں حرف چ یعنی جیم فارسی کا ہے س م ح

---

۵۶ جس طرح برہما کی عمر کا شمار ہزار برس سے کرتے ہیں اُسی طرح بیدوں کی نسبت اہل ہند کا یہ دعویٰ ہے کہ لاکھوں برس سے ہیں۔ مگر یورپ کے محققوں نے بڑی چھان بین کے بعد ان کی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی قرار دیا ہے اور اُن کی اس رائے کا صحیح ہونا بہت پختگی کے ساتھ ایک مقام سے جسکو سر ایڈمنڈ کالبروک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ تشریح اسکی وہ یوں لکھتے ہیں کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ تہواروں کی ترتیب معلوم ہووے اور اُس سے زمانہ مذہبی کے اوقات دریافت ہو جایا کریں پس وہ صریح اور قطعی دلیل جسپر انہوں نے اپنی مذکورہ بالا رائے قایم کی ہے یہ ہے کہ جو مقام راس سرطان اور راس جدی کا اس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی میں ان دونوں راسوں کا تھا۔ پس کچھ شک نہیں ہے کہ بیدوں کی تالیف اسی زمانہ میں ہوئی تھی (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن صاحب) س م ح

...وؤں کے چار برنوں یعنی فرقوں کے ...شادی کے ممنوع ہونے کا ذکر

بید کا قول ہے کہ تمام لوگ جیسے کہ وہ حال میں ہیں چار قوموں پر تقسیم ہوں گے۔

...وّل برہمن یعنی حاملان شریعت دوسرے چھتری یعنی جنگجو۔ ...سرے بیش یعنی سوداگر اور دوکاندار جنکو عرف عام میں بنیا بولتے ...ں چوتھے شودر یعنی دستکار اور مزدور۔! اور ان مختلف قوموں ...پسمیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی برہمن کی چھتری کے ...ں شادی نہیں ہوسکتی۔ علیٰ ہذا اور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

...خ ارواح اور جیو ہتیا یعنی قتل ...ات کی ممانعت اور گائے بیل کے ...کا بیان اور کی نسبت ...دے

ہندو لوگ تناسخ ارواح یعنی آواگون کے مسئلے کے قائل ہیں اور جانداروں کے مارنے اور کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ مگر ...تری اس سے مستثنےٰ ہیں۔ بشرطیکہ وہ گائے اور خوک کا گوشت نہ کھائیں ...نکہ ہندو ان دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً گائے کا اس ...ال ہے کہ اسکی دم پکڑکر اس دریا (یعنی بیترنی) سے پار ہونا ہے ...دنیا اور آخرت کے مابین حائل ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے پرانے ...وں میں ایسے قانون بنائے تھے انہوں نے مصر کے چرواہوں کو آتی ...ح بائیں ہاتھ سے بھینس یا گائے کی دم پکڑتے ہوئے اور ان کے ...کنے کو لئے دائیں ہاتھ میں لاٹھیاں لئے ہوئے دریائے نیل سے پار ...تے دیکھا ہوگا۔! یا گائے کا ایسا بڑا لحاظ غالباً اس وجہ سے ہوگا کہ وہ ...ت نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے۔ اور دودھ اور گھی جو انکی بڑی غذا

ہے اس سے حاصل ہوتا ہے اور یہہ کہ بیل زراعت کا بڑا ہی مددگار ہے
ہے۔ اور اسی وجہ سے گویا کہ گائے بیل انکی زندگی کے محافظ ہیں
یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ چراگاہوں کی قلت کی وجہ سے ہندستان
ں بہت سے مویشی کا پالنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ سال میں آٹھ مہینے گرمی
یسی سخت پڑتی ہے اور زمین ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے
ارے سوروں کی طرح تمام قسم کے خس و خاشاک اور نجاستیں چرجاتے
ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح گوشت کھایا
جائے تو تمام جانور فوراً نابود ہوجائیں اور ملک بالکل بے زراعت ہوجائے۔

ؤکشی کی ممانعت کے بات
ں جہانگیر کے ایک حکم کا ذکر

چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے جہانگیر نے
برہمنوں کی درخواست پر چند سال کے لیئے
گاؤکشی کی ممانعت کردی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ انہوں نے ایک
یسی ہی عرضی اورنگ زیب کو بھی دی تھی اور اُسکی منظوری کی خاطر بہت سا
زرانہ دینا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو
ملک کے بہت سے حصے ویران اور بے تردد ہے اسکی وجہ یہی تھی
کہ بیل کم اور گراں قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم راجاؤں کو
جنہوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہہ اُمید ہوگی کہ گوشت کھانے
کی ممانعت کردینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہوگا۔
اور جب انکو قطعاً یہہ حکم دیا جائیگا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی
سے پیش آئیں تو وہ آپسمیں بھی بیرحمی کے مرتکب نہوں گے تناسخ

کا سبب بھی جانوروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا باعث ہوا کیونکہ انکو یہہ یقین ہے کہ کسی جانور کو مار ڈالنا یا کھالینا بغیر کسی اپنے باپ دادا کی ارواح ستانے کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے ملک میں بجز تھوڑی مدت جاڑے کے موسم کے گائے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش بھی نہیں ہوتا

ہر کامل ہندو صالح ہر روزمرہ کے اشنان کے فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے موافق اشنان کے فرض ہونے کی وجہ

بید کی بموجب ہر ہندو کو فرض ہے کہ رات دن میں تین مرتبہ صبح دوپہر اور شام کو مشرق کی طرف مونہہ کرکے پوجا اور تین ہی مرتبہ اشنان کرکے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو ضرور ہی نہانا چاہیئے۔ اور ٹھیرے ہوئے پانی کی نسبت بہتے پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب کی بات ہے ؛؛؛ یہاں غالباً اسی بات کا لحاظ کیا گیا ہو گا جسکا ہندوستان جیسی گرم ولایت میں کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ازبس فائدہ مند اور ضروری تھا مگر جو لوگ سرد ولایت میں رہتے ہیں یہہ قانون اُنکے مناسب حال نہیں ہے۔ اور میں نے اپنے سفر کی حالت میں اکثر لوگوں کو اس قانون کی پابندی کے باعث دریاؤں اور تالابوں میں کودتے اور غوطے لگاتے اور اگر یہہ میسر نہوں تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ڈول ڈالتے اور اس وجہ سے جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات میں نے اُن کے مذہب پر یہہ اعتراض کیا کہ اسمیں یہہ ایک ایسا قانون ہے جسکا سردی کے موسم میں سرد ولایتوں میں عمل میں لانا ممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سے میرے بھی

میں صاف یہہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہہ کچھ خدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانی ایجاد ہے۔ انہوں نے یہہ ہنسی کا جواب دیا کہ ہم یہہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون ہر جگہہ برتا جا سکتا ہے بلکہ خدا نے یہہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم غیر شخص کو اپنے مذہب میں نہیں ملا سکتے اور ہم یہہ بھی نہیں کہتے کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے۔ یہہ تمہاری حالتوں اور حاجتوں کے مناسب ہوگا۔ کیونکہ خدا نے جنت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کر دیئے ہیں۔ میں نے اُنکو اس بات کا یقین دلانا ناممکن سمجھا کہ تمام روئے زمین کے واسطے صرف ایک ہی مذہب ہی سچا ہے اور تمہارا مذہب محض ایک قصہ اور بیہودہ بناوٹ ہے۔

ہندو مت میں دنیا کی پیدائش اور صفات کا بیان

بید کا قول ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ دنیا کو پیدا کرے تو اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے سے پہلے اُسنے یہہ تین دیوتا پیدا کئے برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ برہما کے معنی تمام موجودات میں رچے ہوئے کے ہیں۔ بشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے کے ہیں۔ مہادیو کے معنی بڑا دیوتا۔ اِلّا برہما کے ذریعہ سے اُسنے دنیا کو پیدا کیا۔ بشن کے وسیلہ سے وہ اُسکو قائم رکھتا ہے۔ اور مہادیو کے ہاتھوں وہ اسکو نیست و نابود کریگا۔ اور خدا کے حکم سے برہما نے چار بیدوں کو رچا۔ چنانچہ اِسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی مورت چومکھی ہوتی ہے۔

بید میں تثلیث کی مسئلہ کے موجود ہونیکا گمان

یورپین پادریوں سے میری گفتگو آئی ہے

جنکا گمان تھا کہ ہندو بھی اُس اسرار کا جو تثلیث کے مسئلہ میں ہے کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہہ تینؔ وجود اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ درحقیقت ایک ہی خدا ہے۔

برہما بشن مہیش کی حقیقت پنڈتوں نے بیان کی اسکو ہم سے صفحہ [illegible] کا ذکر۔

یہہ ایک مسئلہ ہے کہ جسکی نسبت میںنے پنڈتوں کو نہایت طولانی بحث کرتے سُنا ہے۔ لیکن اُنکا بیان ایسا اُلجھا ہوا ہوتا ہے کہ اُنکی راے صاف طور پر میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی۔ بعض اُن میں سے یہہ کہتے ہیں کہ تین وجود جنکا ذکر ہے حقیقت میں تین مستقل وجود ہیں۔ جنکو وہ دیوتا کہتے ہیں مگر وہ یہہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ لفظ دیوتا سے اُنکی اس جگہہ کیا مُراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم بُت پرست جینائی[1] اور نیومینا[2] دو نام لیا کرتے تھے اور میری راے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُنکی مراد ان الفاظ سے کیا ہے۔ ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہہ دیوتا بمنزلہ اُنہی جینائی اور نیومینا کے ہونگے بعض نہایت ذی علم پنڈتوں نے گفتگو کرنے پر یہہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہہ تینؔ[3] وجود ایک ہی خدا سے مُراد ہے جو تینؔ مختلف صفتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ پالنے والا۔ اور نابود کرنے والا۔ لیکن انہوں نے یہہ نہیں کہا کہ خدا بلحاظ ان تینؔ علحدہ علحدہ صفتوں کے کسی قسم کے جدا جدا وجودوں کا اپنے وجود واحد میں جامع ہے۔

(1) Ganz (2) Numina

برہما بشن مہیش اور ان کے اوتاروں کی بابت فادر روآ نام ایک مشنری کا تحریر کیا ہوا بیان

فادر روآ[1] نے جو آگرہ میں ایک جیسوئیٹ مشنری تھے اور سنسکرت خوب جانتے تھے مجھ سے کہا کہ ہندوؤں کی پوتھیوں میں صرف یہی نہیں لکھا کہ تین دیوتا مگر ایک خدا ہے بلکہ یہہ بھی ہے کہ دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ اوتار لیا ہے یعنی مجسم ہوکر دنیا میں ظہور کیا ہے۔ انہوں نے یہہ بھی کہا کہ جب میں شہر روم کو واپس جاتا ہوا شیراز میں ٹھہرا وہاں کارمیلائٹ[2] فرقہ کے ایک پادری نے عمدہ طور سے اس بات کو تحقیق کردیا کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں! ہندو کہتے ہیں کہ انکی تثلیث کے دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نو مرتبہ دنیا میں اسوجہ سے اوتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اُن سے لوگوں کو چھڑایا جسمیں سے آٹھویں دفعہ کا اوتار لینا بہت مشہور ہے۔ کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیا دیتوں کی طاقت سے مغلوب ہوگئی تو بشن نے آدھی رات کیوقت کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوکر اوتار لیا اور دُنیا کو نجات دی۔ اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی بارش ہوتی رہی اور فرشتے گاتے رہے۔ یہہ بات کسیقدر عیسائی مذاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھکر یہہ کہانی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ساتھ ہی یہہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس اوتار نے ایک دیت کو مارنا شروع کیا جو آسمان کی طرف اُڑگیا اور وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اُسنے آفتاب

(1) Father Roa (2) Carmelite

کو دھکا دیا اور جب نیچے گرا تو تمام زمین کانپنے لگی اور وہ اپنے ہی بوجھ سے اسقدر زمین میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا - اس قوی الجثہ دیت کے ساتھ لڑتے لڑتے کشن جی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے لیکن ان کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ پھر اُٹھے اور دُنیا کو اس بلا سے چھوڑا کر آسمان پر چلے گئے - اور چونکہ ان کے پہلو میں زخم لگ گیا تھا اسلئے وہ عموماً زخمی پہلو* والے کے نام سے مشہور ہیں ۔ ہندو یہہ بھی کہتے ہیں مگر بید سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو مسلمانوں کے ظلم سے بچانے کے واسطے دسواں اوتار ظہور ہوگا اور ہم عیسائی لوگوں کے اندازہ کے بموجب یہہ اُسوقت ہوگا جبکہ دجّال ظہور کریگا - ہندو کہتے ہیں کہ مہادیو بھی دُنیا میں آئے ہیں - اور اُنکی نسبت یہہ روایت ہے کہ کسی راجہ کی لڑکی جب سن بلوغ کو پہنچی تو اُسکے باپ نے پوچھا کہ تو کس سے شادی کرنا چاہتی ہے - اور جب اُسنے یہہ جواب دیا کہ میں بجز کسی دیوتا کے اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی تو مہادیو آگ کا روپ دھار کر راجہ کے

---

* اگرچہ ہمنے اپنے بعض دوست پنڈتوں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ کشن پران کی جس کتھا سے ڈاکٹر برتی ار نے یہہ مضمون لیا ہے اس سے صحت اور تشریح اسکی کیجائے خصوصاً کشن بنفسہٖ نام میں سے کشن کا وہ لقب صحیح کرکے لکھا جائے جس کے معنی لحاظ اُس کتھا کے زخمی پہلو والے کے ہوں - مگر اطمینان کی لایق کوئی بات حاصل نہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح غیر ملک کے لوگ بعض اوقات غلطیاں کیا کرتے ہیں اُسی طرح یہاں بھی کچھ خلط بحث ہوگیا ہے اور دوسری کرشن جی جو بشن کے اوتار تھے کچھ تو انکی ولادت وغیرہ کی کتھا اور کچھ بشن کی کتھا کو باہم ایسے طرح ملا دیا گیا ہے کہ جس سے کسی اصل کتھا کے ساتھ یہہ بیان مطابق نہیں ہوتا - (س م ح)

سامنے آئے اور راجہ نے بیٹی کو اِس پُر مُسرت واقعہ کا حال لکھ بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کرنے پر راضی ہوگئی۔ اور مہادیو اِس آگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بُلائے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ راجہ کے وزیروں کی رائے شادی کی نسبت نہیں ہے تو انہوں نے اول اُنکی داڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر اُن سب کو مع راجا کے خاندان کے جلا کر بھسم کر دیا اور اِسکے بعد راج کنیاں سے شادی کرلی! بشن جی کی نسبت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا اوتار شیر کا دوسرا سوٗر کا تیسرا کچھوے کا۔ چوتھا سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بونی برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں مچھ کا۔ آٹھواں جو اُوپر بیان ہو چکا ہے نواں بغیر دُم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑی بہادر کا ہوگا[۵۷]! مجھے اِس میں کچھ شک نہیں کہ فادر روآ کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور اُنہوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا بیشک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بُنیاد ہے۔

---

۵۷ مصنف نے پادری روآ کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہ مضمون لکھا ہے اسمیں کئی غلطیاں ہیں۔ جسکو ہم ہندوؤں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ شیر کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دوسرا یہ کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ پادری روآ نے بیان کیا ہے۔ سویم یہ کہ بغیر دُم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین اکبری میں بہت سی شرح وبسط کے ساتھ درج ہے [illegible] ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے ہیں۔ اول پُورن اوتار دویم انش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علی وجہ الکمال ذات الٰہی کے مظہر ہوئے ہیں۔ اور انش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من وجہ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ شمار اوتاروں کا چوبیس تک بھی مانتے ہیں مگر منجملہ اُنکے

مصنف کے ایک رسالے اور فادر گرزگز کی ایک کتاب کا ذکر

کچھ عرصہ ہوا کہ مینے مذہب ہنود کی نسبت ایک رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی مورتوں کی تصویریں مع سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اُس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری کتاب کا جو لب لباب تھا وہ فادر گرزگز کی کتاب سے یہ چائنا السٹریٹا[†] میں موجود ہے۔ اور فادر گرزگز کو فادر رُوتھ سے جب وہ روم میں ملے معلومات کا ایک معتد بہ حصہ حاصل ہوا تھا۔ اسلیئے میں آپکو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہہ مجھے یہہ ضرور کہنا چاہیئے کہ لفظ انکارنیشن[*] (یعنی ظہور ربانی یحیثیت اوتار) جسکو اس محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھکو نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے مینے اس لفظ کو ٹھیک اِن معنوں میں بولے جاتے کبھی نہیں سُنا تھا۔

لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں کی کیا مراد ہے

بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں اِن میں خدا ظہور فرما رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا عجائبات اُسنے انہیں صورتوں میں پورے کیئے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر اور سورما بھی دیوتا ہو گئے ہیں

بعض پنڈتوں کا یہہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سورما اور بہادروں کی روحیں جنکو ہم فرنگستان والے ہیرُو کہتے ہیں اُن مختلف جسموں میں جن کا اُوپر

[illegible]

[†] China Illustrata [*] Incarnation

ذکر ہو اب آتی رہی ہیں۔ اور وہی دیوتا ہو گئے ہیں یا اگر قدیم بُت پرستوں کی اُن اصلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جاوے تو وہ طاقت ور دیوتا تیوتمینیا جینتا ہی ٹیمپن خواہ یہ کہو کہ سپرٹ اور فیری

(جنّی روح بھتنی چھلک)

جگنے کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بجز الفاظ مذکورہ بالا میں بیان نہیں کرسکتا

ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح انسانی پرم آتما یعنی ذات الٰہی کا ایک جزو ہے۔

لیکن جب یہ خیال کیا جائے کہ ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے کہ ہماری روحیں ذات الٰہی کی جزو ہیں تو یہ دوسرے معنی بھی قریباً پہلے ہی معنی بن جاتے ہیں

بعض ہندوؤں نے کہا ہے کہ اوتار اور راچھس کے لفظ سے خدا کی مختلف صفتیں مراد ہیں۔

بعض پنڈتوں نے یہ عمدہ تشریح کی کہ جن اوتاروں یا راچھسوں کا ہماری پوتھیوں میں ذکر ہے اِن کے معنی پوشیدہ ہیں اور اِن سے یہ غرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہوں نہ یہ کہ اِن کے لفظی معنی لئے جاویں۔

بعض پنڈتوں کے نزدیک اوتاروں کے قصّے محض مذہبی افسانے ہیں۔

بعض نہایت فاضل پنڈتوں نے آزادانہ صاف طور پر یہ کہا کہ اِن اوتاروں کے قصّے سے زیادہ لغو اَور کوئی قصہ نہیں ہے اور اُن اچارجوں نے جنہوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں

باقی۔ پرشرام ساتواں رام یعنی رامچندر جی مہاراج آٹھویں کرشن جی نویں بدھ مہاراج نہم بودھ دسواں کلکی جسکا ابتک ظہور نہیں ہوا۔ سرام

ہیں کو صرف اِس غرض سے ایجاد کرلیا تھا کہ لوگ کسی نہ کسی قسم کے مذہب کے پابند رہیں۔

اوتار اور پرم آتما کے ایک ہونے پر مصنف کا اعتراض۔

ہندوؤں کا عموماً یہہ عقیدہ ہے کہ ہماری روحیں ذات باری کے جُزو ہیں اور باوجود اسکے اس منطقی بُرہان کو نہیں سمجھتے ہیں کہ درحالیکہ وہ خود خدا ہیں پھر اپنے اوپر کس لیئے سی پوجا پاٹ اور مذہبی پرستش کو قائم کرتے اور اگنٹ اور نرک اور سُرگ کو مانتے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے قوی اعتراض کے بھی پنڈت لوگ یہہ کہتے ہیں۔ کہ اس سے اوتاروں کے وجود اور اصلیت میں ہرگز کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی۔ بلکہ اُنکی حقیقت کو بطور ایک مذہبی اسرار کے ماننا ضروریات سے ہے۔

ہنری لار صاحب اور ابراہام راجر صاحب کی عمدہ کتابوں کا تذکرہ ہندوؤں کے علوم و فنون کے بارے میں ہے

ہنری لار[1] صاحب اور ابراہام راجر[2] صاحب کا اُتنا ہی ممنون ہوں جتنا کہ فادر کرز اور فادر رواً کا کیونکہ اگرچہ مینے ہندوؤں کی نسبت بہت سے حقایق جمع کیئے تھے مگر بعدازان۔ ان صاحبوں کی لکھی ہوئی کتابوں میں دیکھا کہ اُنہوں نے حقایق و حالات مذکورہ کو ایک نہایت نظم و ترتیب سے لکھا ہے۔ جن کو بغیر بڑی مشقت اور جانکاہی کے میں اُس خوبی سے نہیں لکھ سکتا۔ اسلیئے میں ہندوؤں کے علوم و فنون کی نسبت بلالحاظ نظم و ترتیب ایک سیدھے اور

(1) Henry lar (2) Ibraham Rager

عام طور پر مختصراً لکھتا ہوں۔

شہر بنارس ہندوؤں کا دار العلم ہے

شہر بنارس* جو دریائے گنگا کے کنارے ایک خوبصورت موقع پر اور ایک بڑے خوشنما اور نہایت ہی زرخیز ملک میں واقع ہے۔ ہندوؤں کا دار العلم خیال کرنا چاہیئے۔ اور یہہ ہندوستان میں اسی مرتبہ کی جگہ ہے جیسا کہ یونانیوں کے لیئے شہر ایتھنز(۱) تھا۔

---

* یہہ مترجم کہتا ہے کہ مسٹر جارج فاسٹر(۲) صاحب نامے ایک انگریز سیاح کی تحریروں سے قصبہ بنارس کی نسبت ایک حاشیہ لکھا ہے جسکو دلچسپ سمجھکر ہم بھی اپنے اس ترجمہ میں بطور خلاصہ نقل کرتے ہیں قولہ شہر بنارس اپنی دولتمندی اور عالیشان عمارتوں اور کثرت آبادی کی وجہ سے اُن شہروں میں جو اب عمل ہندوؤں کے قبضہ میں باقی ہیں اوّل درجہ کا شہر گنا جاتا ہے۔ اس شہر میں ہندوؤں کے بیشمار دیوتاؤں کے بیشمار مندر ہیں اور یہہ شہر ہندوؤں کے مانی ہوئے علوم و فنون کا گویا مخزن ہے۔ جب کوئی شخص گنگا کے راستہ سے اس شہر کو آتا ہے تو اُسکو آٹھ میل کے فاصلہ سے ایک مسجد کے دو بلند مینار نظر پڑتے ہیں۔ جسکو اورنگ زیب نے مہادیو کے ایک قدیمی مندر کی بنیادوں پر تعمیر کرایا تھا۔ ہندوؤں کی ایسی متبرک جگہ پر ایسی عالیشان و شوکت اسلامی عمارت کے بنانے سے جو اپنی بلندی کی وجہ سے بزبان حال اپنے غلبہ اور فتحمندی کو جتا رہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل میں یہہ بیہودہ خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیر کروں۔ اگر فی الواقع اُسکی یہی خواہش تھی تو وہ حقیقت میں کامل طور پر کامیاب ہوا !!! ان میناروں پر سے تمام شہر بخوبی نظر آتا ہے۔ جو گنگا کے شرقی کنارے پر طولاً ڈھائی میل اور عموماً ایک میل تک عرض میں آباد ہے۔ اکثر مکانات اس شہر میں پتھر کے بہت اونچے اونچے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی پنجمنزلہ اور کوئی سات منزل کا ہے۔ یہہ پتھر جو اس نواح میں بکثرت دستیاب ہوتا ہے۔ اُس قسم کا ہے جو فرنگستان میں پورٹ لینڈ(۳) کی کان سے نکلتا ہے۔ لیکن شہر کے گلی کوچے جسمیں یہہ اونچی اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی ہیں ایسے تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں بھی برابر نہیں چل سکتیں علاوہ اُس عنصر جنس کے جو

---

(1) Athens (2) George foster (3) Portland

بنارس میں پنڈتوں کے طرز بود و باش اور تعلیم و تعلم کا بیان

یہاں برہمن اور پنڈت ہر ملک سے آتے رہتے ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنی اوقات تحصیل علوم اور مطالعہ میں صرف کرتے ہیں - اس شہر میں ہماری یونیورسٹیوں کی طرح کوئی کالج یا باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں بلکہ قدیم زمانہ کے مکتبوں کی سی حالت ہے - استاد یعنی پنڈت شہر کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے گھروں اور خصوصاً شہر کے باہر باغوں میں جہاں رہنے کی بڑے بڑے ساہوکاروں نے ان کو اجازت دے رکھی ہے رہتے ہیں - بعض کے پاس چار پانچ شاگرد ہوتے ہیں بعض کے پاس چھ سات - اور جو بڑا ہی فاضل پنڈت ہو اُسکے پاس بارہ یا پندرہ مگر اس سے بڑھکر تعداد نہیں ہوتی - یہہ ایک معمولی بات ہے کہ یہہ شاگرد دس بارہ سال تک اپنے اپنے اُستادوں کے زیر تعلیم رہتے ہیں مگر اس عرصہ میں اُنکی تعلیم بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے کیونکہ عموماً

[illegible] اِن مکانات کے بے ڈھکے پن سے ہوا میں پیدا ہوتا ہے گرمی کے موسم میں اُس پانی سے جو شہر میں بہت سی جگہہ بھرا رہتا ہے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے - اور یہی پانی مع اپنے کناروں کی زمین کے اہل شہر کی حوائج ضروریہ کے لیے مخصوص ہے - اسکے علاوہ میل کچیل جو اہل شہر اپنے گھروں سے نکال کر گلی کوچوں اور رستوں پر ڈالدیتے ہیں اُسی جگہہ پڑی رہتی ہے - کیونکہ ہندوؤں میں مہتر اِن بہت ہی کم ہے - اور یہ ایک اور ذریعہ ہے جو اور بدبوؤں میں شامل ہوکر باعث کثرت عفونت ہو جاتا ہے - یہہ شہر اپنی عمدہ عمارات کے سبب سے اُن تمام بڑے بڑے شہروں پر فوق رکھتا ہے - جنکے دیکھنے کا مجھے ہندوستان میں اتفاق ہوا ہے - بشرطیکہ اُسکی گلیاں ایسی بیقاعدہ اور تنگ اور طرز تعمیر ایسا گنجان نہوتا جنے عالیشان شہر کی زیب و زینت کے لطف کو کم کر دیا ہے - (س م ح)

ہندوستانیوں کی طبیعت زیادہ تر انکی غذا اور ملک کی گرمی کی وجہ سے کاہل ہوتی ہے اور چونکہ ان میں نہ تو مسابقت کا جوش وغیرہ ہی ہوتا ہے اور نہ یہہ اُمید ہوتی ہے کہ اگر معمولی اندازہ سے کچھ زیادہ کمال حاصل کرینگے تو کوئی بار آور پیشہ اور اعزاز یعنی خطاب فضیلت حاصل ہوسکتا ہے۔ اسلئے یہہ لوگ معمولی اور سست طور پر اپنی تحصیل کو جاتی رکھتے ہیں اور ایام طالب علمی میں انہیں کھانے کو صرف کھچڑی ملتی ہے جو بعض دولتمند ساہوکاروں کی طرف سے ان کے لیئے تیار ہوا کرتی ہے

بابت سنسکرت اور اسکی قدامت کا بیان

سب سے اوّل سنسکرت سکھلائی جاتی ہے جو ایک ایسی زبان ہے جسکو صرف پنڈت ہی جانتے ہیں۔ اور اُس بولی سے جو آجکل ہندوستان میں بولی جاتی ہے بالکل مختلف ہے۔ نادر کرز کرنے جو ایک الف بے تے چھپوا کر مشتہر کی ہے وہ سنسکرت ہی کے حروف ہیں اور اُن کو یہہ حروف نادر روآ سے حاصل ہوئے تھے۔ لفظ سنسکرت کے معنی خالص یا منجھی ہوئی زبان کے ہیں۔ اور چونکہ ہندوؤں کا یہہ اعتقاد ہے۔ کہ خدا نے چار بید برہما کے ذریعہ سے سنسکرت ہی میں بھیجے تھے اسلیئے وہ اسکو دیو بھاشا یعنی زبان مقدس یا زبان الٰہی کہتے ہیں۔ اُن کا قول ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کس دلیل سے ہے کہ یہہ زبان ایسی ہی قدیم ہے جیسے کہ خود برہما اور برہما کی عمر کا شمار لاکھوں برس سے کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ انکی مذہبی کتابیں جو حقیقت میں نہایت پُرانی ہیں۔ اسی زبان میں ہیں اسلئے اسکے نہایت درجہ قدیم ہونے کو نہ ماننا ناممکن ہے سنسکرت

ہیں فلسفہ اور طب کی کتابیں نظم میں ہیں اور اِن کے سوا بہت سی اور طرح طرح کی کتابیں بھی ہیں کہ جن سے بنارس میں ایک بہت بڑا کمرہ بالکل بھرا ہوا ہے۔

یورانوں کی تعلیم اور بیدوں کی ضخامت اور کمیابی وغیرہ کا ذکر۔

جب طالب علم اِس قدیم اور مشکل زبان کی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور میں اسے مشکل اسوجہ سے کہتا ہوں کہ اسکی صرف و نحو اچھی نہیں ہے۔ تو علماء انکو پڑھتے ہیں۔ جو بیدوں کی تشریح یا اختصار ہوتا ہے یہ کتابیں جو مجھے بنارس میں دکھلائی گئی تھیں اگر وہ بید ہی تھے تو بڑی ضخامت کی ہوتی ہیں اور یہہ ایسی نایاب ہیں کہ میرے آقا کو باوجود بڑی تلاش اور شوق خریداری کے ایک کتاب بھی نہیں ملی۔ ہندو انکو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مبادا مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ اور جیسا کہ اکثر ہوا ہے جلادی جائیں

---

* "اکثر ہوا ہے" کہنا صحیح نہیں ہے مؤلف کتاب آئینہ تاریخ نما جو دربار عالی کے قابل لوگوں میں سے معزز بہت کا ایک بہت نامور سند و معتمد ہے اور جسکا طرز تحریر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نسبت نہایت متعصبانہ ہے۔ اور جس نے اُن کے عیب چن چن کر اپنی کتاب میں درج کئے ہیں باوجود بڑی تلاش اور جستجو کے اُسکو بھی اس قسم کی صرف ایک ہی بات ملی ہے۔ چنانچہ کتاب فتوحات فیروز شاہی کے حوالہ سے وہ لکھتا ہے کہ "کچھ ہندوؤں نے ملکر مصنوع کو آنہ میں بُت خانہ بنایا تھا۔ بس میں نے (یعنی فیروز شاہ تغلق نے) حکم دیا کہ انکی پوتھیاں اور تمام بُت اور پوجا کے برتن سب اُسی جگہ پھونک دیے جائیں" مگر ہندوؤں پر کیا منحصر ہے فیروز شاہ نے تو شیعہ مذہب کے مسلمانوں کی کتابیں بھی جلادی تھیں۔ چنانچہ مورخ موصوف اسی مضمون کے ضمن میں فتوحات فیروز شاہی کے حوالہ سے

فلسفہ کی تعلیم کا ذکر

پنڈتوں کے بعد بعض طالب علم تحصیل علم فلسفہ پر اپنا جی لگاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اسمیں ترقی بہت کم کرتے ہیں۔ اور یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں سست اور کاہل ہوا کرتی ہیں اور جیسا کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں کسی معزز پیشہ میں ترقی کرنے کی خاطر لوگوں کو شوق ہوا کرتا ہے وہ ان کو مطلقاً نہیں ہوتا۔

چھ شاستروں کے پیرووں کا بیان

ہندوستان میں جو بڑے بڑے اچارج (حکیم) ہوئے ہیں ان میں چھ شخص بہت نامور ہیں جو ہندوؤں کے علمی و عملی چھ* فرقوں کے بانی ہیں۔ اور جن اختلاف عقائد کے

---

(۱) مترجم — [illegible] فرقہ شیعہ کے جن لوگوں نے اہل سنت کو [illegible] مذہب میں لایا جاتا تھا اور کتابیں اور رسالے جن میں اسمیں لکھے تھے۔ تب [illegible] (یعنی فیروز شاہ سلطان) سب [illegible] کو گرفتار کیا اور جو ان کے سردار تھے ان کو سیاست میں ڈالا۔ اور انکی تمام کتابوں کو آگ سے جلا دیا۔ اور مسبوق الذکر مؤلف اس سے چند صفحے پہلے طبقات ناصری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ "قطب الدین ایبک کے راج میں بختیار خلجی نے شہر بہار کو جب فتح کیا تو ہندوؤں کا وہاں ایک کتب خانہ نہایت عظیم الشان دستیاب ہوا۔ لیکن قتل عام ہو جانیکے باعث سے کوئی آدمی ان پوتھیوں کا مضمون بتانے والا [illegible] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بختیار نے ان پوتھیوں کو جلوایا نہیں بلکہ برعکس اسکے وہ ان کے مضمون سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ س م ح

* (از مترجم) مصنف نے جن چھ فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں۔ اول میمانسک یعنی میمانسا شاستر کے پیرو جسکی بنیاد جیمنی† رشی سے ہے۔ اسکی دو شاخیں ہیں ایک قدیم جو جیمنی کے اصول کی پیرو ہے۔ دوسری جدید جسکا بانی بیاس† جی کو بتلاتے ہیں اور ویدانتی کہلاتے ہیں۔ تیسرا نیائک یعنی منطقی فرقہ جسکا بانی گوتم ہوا۔ اس

† ج سے مُراد نی + س ی ن ۰ ن ت ار ک ۲ گ ذ ت م

باعث اُنکے پیرؤوں کے باہم ازبس رشک او بحث مباحثے رہا کرتے ہیں - کیونکہ ہر فرقہ کے پنڈت یہی ادّعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور بید کے موافق ہیں -

بودھ مت اور اُسکے پیرؤوں کا ذکر

اور ساتواں فرقہ بودھ کے پیرؤوں کا ایک اور ہوگیا ہے - جسکی بارہ شاخیں ہیں - لیکن اس فرقہ کے لوگ شمار میں اُسقدر کثرت سے نہیں ہیں جیسے اَور فرقوں کے ہیں اور اِنکو حقارتاً لامذہب اور دہریہ کہا جاتا ہے - اور قابل نفرت اور حقیر شمار کئے جاتے ہیں - اور یہہ لوگ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرنے میں جو اُنہیں سے مخصوص ہے

بید الہٰی موجود ہیں تسکے بات میں ہندوؤں کی مختلف مذاہب کا ذکر

First Principles

ہندوؤں کی تمام پوتھیوں میں فرسٹ پرنسپلز یعنی اُصول و مبادی اشیاء کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں -

جیسے اجزاے لایتجزی کو کائنات کی اصل مانتے تھا

چنانچہ بعضے تو یہہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے ناقابل التقسیم اجسام سے مرکب ہے اور یہہ ناقابلیت انقسام اسوجہ سے نہیں ہے کہ وہ سخت یا غیر متحلحل اور ٹھوس وغیرہ ہیں - بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بدرجہ غایت چھوٹے ہیں اور

ورق کے بعض مسئلے ارسطو کے مسائل منطق سے ملتے جلتے ہیں چوتھا بے شری تک مسئلہ ای کا درس ہے پانچواں سانکھ مسئلہ اس کپل منی ہوا چھٹا جوگ یعنی پاتنجل شاستر کا پیرو جسکو پاتنجل رشی نے قائم کیا - یہہ دونوں فرقے موفق ادکر بہت سی دلیل میں متفق ہیں - ان سب دینوں کے مسائل کی تفصیل اگر کسیکو دیکھنی ہو تو الفنسٹن صاحب کی تاریخ ہندوستان کے پہلے حصہ میں اور اُس سے بھی زیادہ شیخ ابو الفضل کی آئین اکبری میں لکھا ہے -

اہلِ خیال پردہ اپنے اور بہت سے تصورات کی بنیاد قائم کرتے ہیں جو کسی قدر ڈِمی ماک رِیٹس* (دِمی مقراطیس) اور اپی کیورس کے
Epecarees Domacritus
خیالات سے مشابہ ہیں۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور ناتحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا مطلب سمجھنا مشکل ہے اور خواہ کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہیں۔ لیکن اگر انکی بیجا نافہمی پر غور کیا جائے تو اس میں شبہ ہے کہ آیا یہ بیہودگی اُن کتابوں کے اصل مصنفوں سے منسوب ہونی چاہئے یا کہ اُنکے ان مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر منسوب ہوسکتی ہے

---

* یہ یونانی حکیم جو [illegible] سے ماقبل [illegible] پہلے پیدا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اسکی تقلید کی ہے اور علوم عقلیہ اس سے سیکھے ہیں۔ جیسا کہ اپی کیورس بھی جسکا ذکر متن میں ہے اسی کا شاگرد تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا میں جو باعتبار اپنی ماہیتوں کے ہم شکل اور باعتبار صورتوں کے مختلف اور ایسے چھوٹے ہیں۔ انکی تقسیم صرف وہم ہی سے ممکن ہے۔ اور یہ کہ یہ اجزا [illegible] ہمیشہ سے ہیں اور ایسی خلا کے اندر جسکی کوئی حد نہیں پھیلے ہوئے اور دائم الحرکت ہیں۔ بس کبھی [illegible] ہوتا ہے کہ یہ اجزا آپس میں ٹکراتے اور کبھی خاص صورت پر اکٹھے ہوجاتے ہیں اور اسی تعاقب اور اجتماع ہی سے جہان کا وجود ہے۔ اور یہ کہ ہمارے اس جہان کے مانند بےشمار جہان ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے ساتھ خلاء غیر متناہی کے اندر موجود ہیں۔ لیکن اسکی رائے میں اسباب جزئی یعنی حیوانات اور نباتات کے وجود کا سبب اجزاء مذکورہ کا اتفاقاً باہم ٹکرانا اور مجتمع ہوجانا نہیں ہے۔ اسکے شاگرد اپی کیورس کی بھی یہی رائے ہے اور اسکا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہ اجزا حقیقتاً آپس میں نہیں ملجاتے بلکہ صرف باہم چسپ جاتے ہیں اور اجسام محسوسہ کی مانند بالفعل موجود اور ایک [illegible] اجسام محسوسہ کا اصل [illegible] بلکہ صرف ان اجزا کی باہم [illegible]

بعض مادہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں

بعض کا قول ہے کہ ہر چیز "پرکرت"(1) اور "آکار"(2) یعنی مادہ صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی پنڈت مادہ اور صورت کو صاف صاف بیان نہیں کرسکتا۔ اور مادہ کی بابت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کر سکتے ہیں۔ بہرحال اُن کا بیان صرف اسیقدر قابلِ فہم ہے کہ اُس سے مجھے ظاہر ہوگیا کہ یہہ لوگ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہماری مدارس میں جبکہ قوت مادیہ میں سے صورت نوعیہ کے ظہور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علموں کو ایک معمولی طور پر سمجھا دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ مصنوعی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ مثلاً مٹی بطور مادہ کے ہے اور کمہار اسکو پھرا پھرا کر جو طرح طرح کی شکلیں بنالیتا ہے یہہ صورت ہے۔

بعض عناصر اربعہ اور اکاش کو موجودات کی اصل جانتے ہیں۔

بعض کی یہہ رائے ہے کہ ہر چیز عناصر اربعہ اور "نِتھنگ"(3) یعنی اکاش سے مرکب ہے۔ لیکن
[printed under "نِتھنگ":] بمعنی عدم

وہ عناصر کے اتحاد یا آپس میں مل جانے کے نسبت کچھ نہیں کہتے۔

لفظ اکاش کا تنک لفظ پرائی ویشن کے قریب المعنی ہونا۔

اور "نِتھنگ"(3) یعنی اکاش کی جو ہمارے لفظ "پرائی ویشن"(4) یعنی عدم مطلق کے قریب المعنی ہے کئی قسمیں بتلاتے ہیں۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں کہ نہ تو وہ خود سمجھتے ہیں نہ دوسرے کو سمجھا سکتے ہیں۔

(1) Matter (2) Form (3) Nothing

(4) Privation

بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصل اول ہے۔

بعض نور اور ظلمت ہی کو اصل اول مانتے ہیں۔ اور اس بات کی تائید میں وہ ایسے بعض دلائل پیش کرتے ہیں جو صحیح فلسفے کے خلاف محض ہیں اور ایسی ایسی طول طویل قیل و قال ایسے ہیں کہ جسکو صرف عامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سن سکتے ہیں

بعض کے نزدیک ایک یا چند دیوتا اصل اصول ہیں

بعض ایک یا چند پرانی دیوتاؤں ہی کو اصل اصول تسلیم کرتے ہیں۔ جنکو وہ تھنگ سے جدا سمجھتے ہیں اور جنکی تعداد کی نسبت ایک ایسا عجیب حکیمانہ طول طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی بیہودہ باتوں کی خاطر ان کے مصنفوں نے قلم اٹھا کر کچھ لکھا ہو۔ اور اسلیئے نہیں کہا جا سکتا۔ کہ انکی کتابوں میں یہ بیہودہ باتیں موجود ہوں۔

بعض کے نزدیک سمبدھ [illegible]

بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جسکو پنڈت لوگ سمبدھ کہتے ہیں اور اسکی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لائق ہوتی ہیں۔

ہندؤں کے نزدیک اصول و مبادی اشیا ازلی و ابدی ہیں۔

ان تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے کہ یہ ازلی و ابدی ہیں۔ اکاش سے کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی سمجھے ہوئے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم حکما کے دلوں میں خیال تھا۔ مگر البتہ وہ کہتے ہیں کہ ایک اچارج نے اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شرح اور بسط سے تحریر کیا ہے۔

ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر

علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ کوئی باترتیب کتاب ہو ان کو صرف نسخوں کے مجموعے کہنا چاہیئے اور ان میں سب سے پرانی اور بڑھ کی کتابیں نظم میں لکھی ہوئی ہیں۔

ہندوؤں کے طریق معالجہ کا جو یورپ سے مختلف ہے ذکر اور اسکی مثالیں اور انکی نسبت مصنف کی رائے

میں اس طرز کو بیان کرتا ہوں جسمیں کہ اُن کا طریق علاج ہمارے طریقہ سے بالکل مختلف ہے اور وہ اختلاف مندرجہ ذیل مسلمہ اُصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے بیمار کو غذا کی کچھ بڑی ضرورت نہیں۔ اور فاقہ سب سے بڑا علاج ہے اور اس مرض میں شوربے یا یخنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہہ دو چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوراً خراب ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے نزدیک بجز خاص خاص اور نہایت ضروری موقعوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا اندیشہ ہو یا جب کبھی گردہ یا جگر یا سینہ میں ورم پیدا ہو جاوے فصد نہ لینی چاہیئے۔ اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیبوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ہاں صرف اتنا میں بھی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہہ طریقے کارگر ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض معالجات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں

اور مغل اور اور مسلمان طبیب جو ابو علی سینا اور ایوردس (یعنی ابن* رشد) کے پیرو ہیں

* ابن رشد کا نام محمد تھا اور اسکے اجداد میں سے رشد نامے ایک شخص کی نسبت سے محمد ابن رشد

وہ بھی ہندوؤں کی طرح ان طریقوں - خصوصاً یخنی یا شوربے سے پرہیز کرانے کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں -

مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں

مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں فصد لینے کا عمل زیادہ ہے - کیونکہ جہاں انکو مندرجہ بالا اورام کا اندیشہ ہوتا ہے - عموماً ایک دو مرتبہ خون نکلوا ڈالتے ہیں اور یہ عمل وہ گوآ اور پیرس کے زمانہ حال کے اطبا کی طرح جزوی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدماء کے اطبا کی طرح اٹھارہ یا بیس اونس یعنی دس گیارہ چھٹانک تک خون نکلوا ڈالتے ہیں یہانتک کہ بعض اوقات غشی کی نوبت ہوجاتی ہے -

---

ابن رشد

کمالات تھا - یہ ان لوگوں کی نسل میں سے تھا جنھوں نے سنہ ۹۲ بانوے ہجری مطابق سنہ سات سو گیارہ عیسوی میں ملک سپین کو فتح کرکے ممالک اسلامیہ میں شامل کیا تھا - یہ ملک اسپین کے مشہور شہر قرطبہ (کارڈووا) میں جہاں اسکے باپ دادا قاضی رہے تھے سنہ ۵۲۰ پانسو بیس ہجری مطابق گیارہ سو چھبیس عیسوی میں پیدا ہوا تھا - یہ نہایت مشہور حکماء عرب میں سے تھا - اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندسہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا - اسکے زمانہ میں علم فلسفہ اہل عرب میں کمال کو پہنچ گیا تھا - اور اسکے بعد قوم عرب کی تاریخ میں کوئی بڑا فلسفی نہیں پایا جاتا - اسکی اکثر تصنیفیں زبان عربی و عبری میں ہیں - چونکہ اسنے کتب ارسطو کی شرحیں لکھی تھیں اسلیے شارح حکمت ارسطو کے معزز لقب سے جسکا وہ حقیقتاً مستحق تھا مشہور آفاق تھا - بعض آزادانہ رایوں کے ظاہر کرنے کیوجہ سے لوگوں نے اسکو الحاد سے منسوب کرکے اسکو اسکے مولد قرطبہ سے جلاوطن کرادیا تھا - مگر اسکے کمال نے سلاطین وقت کی مہربانی کو پھر اپنی طرف کھینچ لیا - اور دربار مراکش (مراکو) میں پھر آ حاضر ہوا - جہاں کہ وہ سنہ ۱۱۹۸ گیارہ سو اٹھانویں یا ننانویں عیسوی میں مرگیا -

(ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹانیکا و تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران)

س م ح

ہیں وہ گیلین* (جالینوس) کی ہدایت کے موافق اور جیسے کہ
ہیئے اکثر حکیم سب بیماری کو ابتدا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت

یہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح کو بالکل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ کبھی کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی کسی زندہ بچہ یا بکری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آدمیوں کو دوران خون کا طرز اور وہ رگیں دکھلاؤں جنکو تیکٹ نے دریافت کیا تھا۔ وبہرن دکرکیٹوس کا خاصہ قلب کے داہنے خانہ میں پہنچتا ہو تو ہندو مارے ڈر کے حیران اور خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے تھے۔ مگر باوجود اسکے کہ ہندو اس فن سے محض ناآشنا ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان کے

* [illegible] گیلین [illegible] جالینوس [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
تعلیم [illegible]
[illegible]
استاد [illegible] تحصیل [illegible]
مشہور و معروف حکما سے جو فن تشریح و علم الادویہ [illegible] انکی تعلیم [illegible]
ابھی سترہ برس کی عمر تھی۔ ہوئی تھی کہ اسکا والد [illegible] استاد [illegible]۔ بعد ازیں [illegible]
بہت سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علمائے نامور وقت مشہور تھے سیر کیے اور [illegible] شہر

[illegible] [illegible]

(3) Pergamus (2) Galen — Galenus Claudius

جسم میں پانچ ہزار رگیں ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور غور سے اُنہوں نے انکا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر

علم ہیئت کا یہہ حال ہے کہ ہندو اپنے پتروں کی رو سے خسوف اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگرچہ انکے بیان میں فرنگستانی اہل ہیئت کی سی باریکی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔

چاند گرہن کی بابت ہندوؤں کا عقیدہ

لیکن خسوف کی نسبت بھی انکا وہی بیہودہ اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہے یعنی یہہ کہ ایک کالا اور ناپاک اور شریر راکھس جس کا نام راہو ہے چاند کو پکڑ لیتا اور اُسکو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے

ہندو چاند کو بالذات نورانی مانتے ہیں

اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہہ بھی کہتے ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے ڈیڑھ لاکھ میل

اسکندریہ میں جاکر بعض استادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور انتالیس برس کی عمر تک وہاں رہ کر ایسا ہو گیا کہ جو علوم اُس زمانہ میں اُستادوں سے حاصل ہو سکتے تھے وہ سب سیکھ لئے اور اپنے شہر پرگمس میں واپس آکر اٹھائیس برس کی عمر میں بڑی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اسے ایسے ایسے زخمیوں کو اچھا کیا جنکے زخم مہلک سمجھے جاتے تھے۔ اور چونکہ چھتیس برس کی عمر میں اُسکے شہر میں کچھ عداوت ہو گئی تھی اسلئے وہ شہر روم کو چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پرگمس میں پھر آکر آخر کار روم میں ہی جا ٹھہرا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا طبیب خاص رہا تھا مگر وفات اُسکی شہر پرگمس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی ایسی اصطلاحیں قائم کر گیا ہے کہ ابتک بھی وہی چلی آتی ہیں۔ اور یہہ بڑے شوق اور سرگرمی سے ہمیشہ مُردہ اور زندہ حیوانوں کو چیر چیر کر دیکھتا رہتا تھا۔ اور اگرچہ زمانہ حال کا فن تشریح اُسکی معلومات سے بہت بڑھا ہوا ہے

اونچا ہے۔ اور وہ ایک بالذات نورانی جسم ہے اور اس سے انسانوں کی دماغ میں اثر پہنچتا ہے جو دماغ سے اُتر کر آگے اور اعضا میں سرایت کرتا ہے۔ چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لایق ہو جاتے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک چاند اور سورج بھی دیوتا ہیں

ان کو یہہ بھی یقین ہے کہ چاند سورج اور ستارے یہہ سب دیوتا ہیں۔

خیالی پہاڑ سُمیر کا ذکر

اور جب سورج سُمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ اُسوقت رات ہو جاتی ہے۔ سُمیر ایک خیالی پہاڑ ہے جسکو فرض کر لیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اُلٹے کوزے کی طرح واقع ہے۔ اور معلوم نہیں کتنے ہزار کوس بلند ہے۔ پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے نکل نہیں آتا اُسوقت تک دن نہیں نکلتا۔

علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفی کا ذکر۔

علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناواقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ دُنیا چپٹی اور مثلث شکل کی ہے اور اسمیں سات ولایتیں ہیں جو باعتبار اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص سمندر سے گھری ہوئی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سمندر دودھ کا

لیکن وہ اپنے وقت میں یکتائے روزگار اور اپنے تمام متقدمین سے اسمیں ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اُس قسیم زمانہ میں اُسکی وفات کو فن تشریح کی وفات کہنا کچھ بیجا نہ تھا۔

(انسایکلو پیڈیا برٹانیکا) م م ح

ہے دودھ کا تیسرا گھی کا چوتھا شراب کا اور آگے اسیطرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہانتک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ سمیر میں ہے جو وسط میں واقع ہے۔ اول ولایت جو سمیر کے نہایت قریب ہے اول سب کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُنسے کم درجہ کے دیوتا ہیں۔ اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جنکے باشندے ہرایک پہلی ولایت کے مرتبہ میں کم ہیں۔ اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جسمیں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا بہت سے ہاتھیوں* کے سروں پر اٹھائی ہوئی ہے جنکے ہلنے سے کبھی بھونچال آجاتا ہے۔

ہندو ودیا کی بابت عام رائے

اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جنکی اسقدر شہرت ہے یہی تمام بیہودہ باتیں بھری ہوئی ہیں جنکو میں نے بالتفصیل لکھا ہے تو لوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ ان کے علم و عقل کی نسبت دیر سے ایک ایسی تعریف اور مدح سرائی کرتے چلے آئے ہیں۔ اور بالضرور مجھے اپنے تئیں اس امر پر

---

* ہاتھیوں کے سروں پر دنیا کے اُٹھائے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اسکی کچھ صحت معلوم ہوئی۔ البتہ شیش ناگ یعنی ہزار سر والے مقدس سانپ کے سر پر اس دنیا کا ٹھہرے ہونے ہونا ضرور مانا جاتا ہے۔ اور ایک عام روایت یہ بھی ضرور رائج ہے کہ ایک بیل کے سینگوں پر یہ پرتھوی قائم ہے۔ اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے۔

س م ح

مائل کرنے میں دقت پیش آتی کہ فی الواقع حقیقت حال یہی تھی بشرطیکہ میں ان باتوں پر غور نہ کرتا کہ اوّل تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے چلا آتا ہے جسکا حال کچھ معلوم نہیں۔ اور پھر انکی مذہبی اور علمی کتابیں سب سنسکرت زبان ہی میں ہیں جو مدت دراز سے ایک ایسی زبان ہو گئی ہے جسکو کوئی نہیں بولتا اور اب صرف پڑھے لکھے لوگ ہی اسکو سمجھتے ہیں اور اسکی اصل نامعلوم ہے غرض کہ ان تمام باتوں سے بہت ہی قدامت اور کہنگی ثابت ہوتی ہے *

مصنف کا بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ ... پنڈتوں سے ملنا ... سب اس کے حوالے

جب میں دریائے گنگا سے نیچے کے ملک کی طرف جاتا تھا تو میں بنارس میں جو گیا تو ایک سب سے بڑے پنڈت سے جو اس مشہور دارالعلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو انکی فضیلت کے لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اُسکے واسطے دو ہزار روپیہ سال کی پنشن مقرر کر دی تھی وہ ایک موٹا تازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اسکی پوشاک یہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑھی باندھے رہتا ہے جو پنڈلیوں تک لٹکتی رہتی ہے اور ایک کسیقدر بڑی سی سرخ ریشمی چادر کاندھوں پر ڈالی ہوئی ہوتی ہے! میں نے دلّی میں اس شخص کو بادشاہ اور امرا

* مصنف کے نزدیک یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن سے اصلی حقائق پر ایک تاریکی کا پردہ پڑ جاتا ہے اور انکے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔ س م ح

کے مدبد بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور دہلی کے بازاروں
میں وہ مجھے یا تو پیدل یا پالکی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ
میرے آقا کے پاس اس اُمید پر آتا رہا کہ وہ اورنگ زیب سے سفارش کر کے
اسکی پنشن بحال کرا دے جو اورنگ زیب نے جسکو اپنی دینداری دکھانیکا
بڑا شوق تھا تعصب ہی کی وجہ سے تخت پر بیٹھتے ہی بند کر دی تھی! مینے
اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کر لی تھی۔ اور میری اُس سے اکثر دیر
تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اُس سے بنارس میں ملا تو وہ نہایت
خلق اور مدارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا کتب خانہ دکھانے لیگیا۔ جہاں
اُسنے اور بھی چھ بڑے بڑے پنڈتوں کو بلا لیا تھا۔ جب مینے اپنے تئیں
ایسی ستودہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس بات کی تحقیق کروں کہ انکی رائے
بت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ مینے اُن سے کہا کہ میں ہندوستان کو اب
چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے
انسان کے نزدیک بھی خلاف عقل ہے اور آپ جیسے اچاریوں کی شایاں
نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بیشک مختلف
مورتیں مثلاً برہما۔ مہادیو۔ گنیش۔ اور گوری کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے
بڑے دیوتا ہیں۔ اور ان کی مورتوں اور علاوہ بریں اور بہت سے دیوتاؤں
کی مورتوں کا جو ان سے درجہ میں کم ہیں ہم بڑا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ
ان کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے پھول چاول گھی
زعفران خوشبوئیں اور اور ایسی ہی چیزیں انپر چڑھاتے ہیں مگر باوجود

اسکے ہمارا یہہ اعتقاد نہیں کہ یہہ مورتیں خود برہما یا بشن ہیں - بلکہ یہہ قریب قریب انکی اصلی صورتوں یا شبیہوں کے ہیں اور ہم انکا ادب صرف اس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جنکی یہہ مورتیں ہیں - اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ مورت کے لیئے - ہمارے مندروں میں مورتیں اسلیئے رکھی جاتی ہیں کہ دلکو قائم رکھنے کیواسطے جب تک نظر کو کسی خاص چیز پر نہ جمایا جاوے تب تک پوجا قاعدہ طور سے نہیں ہو سکتی - لیکن حقیقت میں اعتقاد ہمارا یہی ہے کہ خدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے - اور صرف وہی سبکا مالک اور سب سے بڑھکر ہے - پنڈتوں نے جو جواب مجھے دیا مینے اسکو کم زیادہ کرکے نہیں لکھا - لیکن مجھے شک ہے کہ انہوں نے اس مدعا کو عمداً ایسے قالب میں ڈھالکر بیان کیا تھا کہ جو رومن کیتھلک* فرقہ والوں کے خیالات کے مشابہ ہو جاوے - کیونکہ اور برہمنوں کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے

عمر دنیا کی نسبت ان پنڈتوں کا بیان

پھر مینے دنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت پنڈتوں نے ہمارے معتقدات سے بھی بڑھکر اسکی قدامت ظاہر کی - یہہ تو

---

* تعجب ہے کہ بعض نے ہندوؤں کی پرستش کے طریقہ کو تو اعتراض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنے طرز عبادت کی بیہودگی پر جو گرجاؤں میں حضرت مسیح و حضرت مریم کی شبیہیں اور تصویریں جماتی ہیں نے جوتے کی نقل رکھتے اور انکو مقدس جانکر انکی پرستش اور ہندوؤں کی طرح دھوپ جپ کرتے اور گھنٹے بجاتے ہیں غور نہ کی اور انجیل مقدس کی اس آیت پر عمل کیا جو لکھا ہے " تو اگر اپنے بھائی کی آنکھ سے تنکا نکالنا چاہے تو اول اپنی آنکھ کا شہتیر نکال" افسوس انسان خواہ کیسا ہی عقلمند اور ذی علم کیوں نہ ہو اسکو اپنے مذہب کے اوہام اور بیقاعدگی بُرائی کبھی بہت کم معلوم ہوتی - اور انکی اصلیت ہمیشہ غیروں ہی کی عیب جوئی پر منحصر اور بالخصوص انکے برادر خوبیاں بھی انکو برائی اور عیب ہی معلوم ہوتی ہیں ع

نہیں سمجھا کہ دُنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں۔ مگر جو عمر اُنہوں نے بتلائی۔ اُس سے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ اسکو قدیم سمجھتے ہیں اُن کا یہ بیان تھا کہ دُنیا کی
عمر چار جُگوں سے شمار کی جاتی ہے ہر ایک جُگ بارہ قرنوں کی طرح شمار کیا
کا معلوم ہوتا۔ بلکہ وہ جُگوں کا شمار کروڑ برس سے کرتے ہیں جو عمر اُنہوں
نے ہر جُگ کی علیحدہ علیحدہ طور پر بتلائی وہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہی
مگر میں نے یاد رکھا ہے کہ پہلا جُگ یعنی ست جُگ سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار برس تک رہا
پھر دوسرا بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال تک تریتا جُگ رہا پھر دواپر جُگ جو تیسرا ہے
آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک رہا اور یہ میں بھول گیا کہ چوتھا
یعنی کل جُگ چار لاکھ بتیس ہزار برس تک رہیگا انہوں نے کہا کہ پہلے
تین جُگ تو بہت مدت ہوئی کہ ختم ہوئے اب یہی کل جُگ کا دور ہے اسی
طرح کہ ان جُگوں کے خاتمہ پر دنیا پھر ست جُگ سے شروع ہو
پر ایسا ہوگا کہ دُنیا پھر سے نیست و نابود ہو جائیگی اور تمام چیزیں اپنے
مبدء کی طرف عود کر جائیں گی۔ جب میں نے پنڈتوں کو اس بات کے لئے مجبور کیا
کہ وہ دُنیا کی عمر مجھے ٹھیک ٹھیک بتلائیں تو اُنہوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا
مگر جب میں نے دیکھا کہ وہ بیچارے حسابوں میں بالکل اُلجھے ہوتے ہیں اور صرف لاکھوں
کی تعداد کی نسبت اُنکا اختلاف ہے تو میں نے اپنے تئیں اسی عام واقفیت پر
مطمئن کرلیا کہ یہہ دُنیا نہایت ہی قدیم ہے اور اسکی عمر کا حساب بڑا ہی تعجب انگیز ہے
۔ جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وجوہات پوچھتا ہے جن سے کہ دُنیا
کے بیحد پُرانا ہونے پر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں۔ تو وہ ایک قسم کے بیفائدہ

افسانے سنانے لگتا ہے۔ اور آخر یہ کہہ دیتا ہے کہ بید میں ایسا ہی لکھا ہے*

دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت ان پنڈتوں کا بیان

پھر میں نے اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت اُن سے دریافت کیا مگر اُنکا بیان نہایت منتشر پایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں نیک۔ بد۔ اور نہ نیک نہ بد۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا آگ سے بنے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نور سے۔ اور بہتوں کی یہ راے ہے کہ وہ بیاپک ہیں (اور لفظ بیاپک کے معنی میں بجز اسکے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا بیاپک ہے ہماری روح بیاپک ہے۔ اور جو چیز بیاپک‡ ہے وہ لازوال ہے) اور زمان و مکان سے مبرا و منزہ ہیں۔ اُس فاضل فقیر اور اُسکے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض پنڈت دیوتاؤں کو اجزار ذات الٰہی کہتے ہیں۔ اور بعض کی یہ راے ہے کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

لنگ سریر کا مسئلہ جو تناسخ سے متعلق ہے اسکی نسبت ان پنڈتوں کا بیان

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اُنسے لنگ شریر کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جسکو اُن کے بعض مصنف مانتے ہیں۔ مگر جو واقفیت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل ہو چکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے نباتات اور درختوں اور حیوانات کے بیج نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ ابتدای آفرینش

* عیسائیوں بلکہ مسلمانوں کے پاس بھی بجز اسکے کہ توریت مقدس کا حوالہ ہیں دنیا کی عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔ س م ع

‡ فارسی خواں ناظرین کو لفظ بیاپک با ہمہ و بے ہمہ کا مرادف المعنی سمجھنا چاہئے۔ س م ع

سے انکی وجود پھیلاتی ہے۔ اور وہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے اور دوسرے
مادوں میں مثل نیچے پڑے رہتے ہیں۔ نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج
بالکل ویسے ہی کامل ہیں جیسے کہ خود وہ ساتھ درخت یا حیوان جنکے وہ
بیج ہیں۔ لیکن وہ اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ
[illegible] صاف طور پر نظر آسکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مناسب
جگہ پر آ رہے ہیں اور وہاں پرورش پاتے ہیں۔ [illegible] پہنچنے سے بخوبی
نمایاں ہوں [illegible] پس ہر ایک سیب یا نباتی شے [illegible] جسکا بیج
[illegible] یا [illegible] کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری
اجزا [illegible] ایک قطرہ سے یا ہاتھی یا آدمی کا بیج ایک شیر
[illegible] ایک چھوٹا [illegible] ہاتھی یا آدمی ہے جسکے واسطے صرف جان اور پرورش کی
ضرورت [illegible] صاف طور پر اپنی صورت مرئیہ عرفیہ کو حاصل کر سکے
[illegible] اب میں آپکو ایک اور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا
حال سناتا ہوں تھوڑی ہی عرصہ گزرا کہ اس مسئلہ کی بابت ہندوستان میں بڑا
شور وغل تھا یہاں تک کہ بعض پنڈتوں نے اسکو شاہجہاں کے بیٹوں دارا شکوہ
اور سلطان شجاع سے بھی ذہن نشین کردیا تھا آپ اس بات کو یقیناً جانتے
ہیں کہ اکثر قدیم علما ثالث گو بک پرنسپل یعنی وحدت وجود کے مشہور و معروف
مسئلہ کے قائل ہیں اور انکا قول ہے کہ ہم تم جتنی جاندار مخلوقات ہیں سب
ایک ہی وجود واحد کے اجزا ہیں۔ چنانچہ اگر ہم غور سے ارسطو اور افلاطون
کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہمپر یہہ بات ظاہر ہوجائیگی کہ وہ بھی اسی رائے

کی طرف مائل تھے - اور یہی عقیدہ ہندوستان کے قریباً تمام پنڈتوں کا ہے
اور یہہ وہی مسئلہ ہے جسکی نسبت صوفیوں اور اکثر شعرا ایران کے بہت بڑائی
حماقت ظاہر کرتے ہیں - اور جسکو گلشن راز میں جو ایک فارسی نظم کی کتاب ہے
بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے * فلڈ[1] کی بھی یہی راے تھی جسکو
ہمارے نامور کیہنڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رد کیا ہے - یہہ

---

* اس کتاب کے مصنف شیخ سعد الدین محمود تبریزی [illegible] کالو کے رہنے
والے [illegible] تمام مشایخ صوفیہ سے تھے یہہ کتاب [illegible] سنہ ۷۱۷ [illegible]
ماہ شوال [illegible] شیخ [illegible] کی درخواست سے تصنیف کی تھی جیسا کہ انکے اس شعر
سے جو اسی کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے "گذشته هفت ده از هفت صد سال
ز هجرت ناگهان در ماه شوال" یہہ کتاب [illegible] کی سمجھی جاتی ہے اور اکثر بزرگوں
نے اسکی شرحیں لکھی ہیں لیکن شرح موسوم بمفاتیح الاعجاز [illegible] آخری
زمانہ میں لکھی گئی تھی اور جسکے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ الاہیجانی ہیں جو فرقہ سلسلہ
نوربخشیہ کے [illegible] ستودہ اور نوربخش کے عظیم خلفا میں سے تھے [illegible] چنانچہ
ملا [illegible] قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے ایک
[illegible] شرح [illegible] کے لیے ملا عبدالرحمن جامی نے اس [illegible]
[illegible] کی شرح میں [illegible] کہ [illegible] باطنی [illegible]
نوربخش [illegible] گلشن راز [illegible] برس قلبم اندازہ
شاید کہ [illegible] تحفہ [illegible] * س م خ

---

[1] Robert Fludde رابرٹ فلڈ [illegible] انگریز تھا و ۱۵۷۴ [illegible] میں پیدا ہوا تھا - یہہ اپنے
زمانہ میں ایک مشہور طبیب اور ایک ایسے فرقہ کا پیرو تھا [illegible] رکھتے تھے [illegible]
[illegible] سے تعلق رکھتی ہیں اور [illegible] بہت سی معلومات اور
اسرار [illegible] - اسی شخص کے خیالات کا بیان [illegible]

ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے اِس کے مقدس لوگ اکثر اسکے سبب سے خراب و برباد ہوئے ہیں۔ ہندو پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طول دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا یا اُس اعلیٰ وجود نے جسکو وہ اپنی زبان میں اَلشِّر کہتے ہیں صرف یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دنیا کی ہر ایک مادی اور جسمانی چیز کو بھی اسیطرح اپنی ذات سے پیدا کیا ہے۔ اور اس مسئلہ خلق عالم کو وہ اس طرح پر خیال نہیں کرتے کہ علتِ تامہ کا وجود مستلزم وجود معلولات کا ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر تصور کرتے ہیں جیسے کمڑی جب چاہتی ہے اپنے ہی اندر سے جالا تن دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اُسکو سمیٹ لیتی ہے۔ پس اِن خیال بند فلسفیوں یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدائش صرف اِسکا نام ہے کہ خدا نے اپنی ہی ذات کو پھیلا دیا ہے۔ یا یہ کہ ایک کمڑی کا تار ہے جو اُسنے اپنے اندر

شلا ہے جبا پچ سعلوان کے اُسلا ایک یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس عالم میں دو طرح کی قوتوں کو موجود سمجھتا تھا ایک قوت انقباضی۔ دوسری انبساطی اور اِنپر کتنے ہی حیات کو موکل جانتا تھا۔ اور اُن کے خاص طور کے اجتماعات کو باعث وجود امراض قرار دیتا تھا۔ اور اس بات کا بھی معتقد تھا کہ مکرا کوزم[1] کہ جسکا ترجمہ عالم صغیر یا انسان کیا جا سکتا ہے۔ مکرا کوزم یعنی عالم کبیر یا نیچر[2] سے ایک خاص مشابہت اور مناسبت ہے۔ اِسکے معتقدات خواہ کیسے ہی معقول اور لا یعنی تھے مگر چونکہ اسنے انکو بہت عمدگی سے معقولات کے پیرایہ میں بیان کیا تھا۔ اسلئے اُس زمانہ کے حکما کو بالعموم اُسکی سمت متوجہ ہونا پڑا یہانتک کہ اوّل کپلر[3] نام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسنڈی نے اُسکی تردید میں سن سولہ سو انتیس ۱۶۲۹ میں کتابیں لکھیں فقط (ماخوذ از انسائکلوپیڈیا برٹمیانیکا) س م ح

---

(1) Microcosm (2) Nature (3) Kepler

سے نکالدیا ہے۔ اور فنا یہ ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی میں کھینچ لے۔ چنانچہ قیامت کے دن جسکو وہ پرلئے یا مہاپرلی کہتے ہیں۔ اور جسکی نسبت انکا یہ عقیدہ ہے کہ اُسوقت تمام چیزیں نابود ہوجاوینگی خدا اپنے تمام اُن تاروں کو جو اُسنے اپنے اندر سے نکال کر پھیلا دیئے تھے بالکلیہ اپنے اندر کھینچ لیگا۔ اسلیئے انکی راے ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے یا سنتے یا سونگھتے یا چکھتے یا چھوتے ہیں ان میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا صرف ایک خواب و خیال ہے۔ پس جو طرح طرح کی چیزیں کہ یہ حواس ظاہری محسوس ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں۔ یعنی وہ سب حقیقتاً خدا ہیں جیسے کہ اکائی کے عدد کو بار بار دوہرانے سے دس بیس۔ سو اور ہزار کے اعداد بن جاتے ہیں اور درحاصل وہ ایک ہی عدد ہے۔ لیکن اگر تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات الٰہی کے پھیل جانے اور پھر سمٹ جانیکی کچھ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی وجہ دریافت کرو۔ یا یہ پوچھو کہ خدا جو غیر جسمانی اور بقول تمہارے بیاپک اور غیر متغیر ہے تو پھر کسطرح اسقدر اجسام متعددہ اور ارواح مختلفہ میں تقسیم ہوگیا ہے تو وہ اسکی عجیب مثالیں بیان کرینگے۔ مثلاً یہ کہ خدا بمنزلہ ایک بڑے سمندر کے ہے جسمیں بہت سے بلبلے تیرتے رہتے ہیں۔ خواہ یہ بلبلے کہیں چلے جائیں مگر وہ ہمیشہ اُسی سمندر اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ بکھر جائیں تو جس پانی سے وہ بنے تھے وہ اُسی سمندر میں مل جائیگا۔ ✦

✦ مترجم کہتا ہے کہ اس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے۔

یا وہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو بیشمار شیشوں
پر پڑ رہی ہے۔ پس اگرچہ ہر جگہ اُس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے مگر
جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے انکی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہوجاتی ہیں کہ وہ
مختلف صورتوں میں سے ہو کر ان چیزوں پر پڑتی ہے۔ غرضکہ وہ تشبیہیں ایسی
ہی اتفاقاتی تشبیہیں دیکر جنکو خدا سے کچھ نسبت نہیں اور جو صرف
جاہلوں سے بیعت کرنے کے لائق ہوتی ہیں ٹال دینگے۔ اور تمہارا جواب جو شافی
[illegible] نیا مد وست ہے۔ اگر کوئی انکو یہ جواب دے کہ مثلاً وہ حباب ایک پانی
پر جب اگرچہ ویسے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں کبھی
پانی ایک نہیں ہیں اور اسی طرح تمام دنیا پر آفتاب کی روشنی گو ایک سی ہے
لیکن سب جگہ وہی نہیں ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس تمہارے ان تمام تصورات
پر اگر بھی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح تشبیہوں اور
استعاروں کو لے بیٹھیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے
عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

مصنف کے حالات۔

اب میں بلحاظ اُس تمام بیوقوفی اور اُس خطرناک خوف و
ہراس کے جسکا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور بلحاظ اُس متوہمانہ اتفاق و بیہودگی
کے خیالات کے جو سوج کو اُس بد طبیعت اور کالی بلا سے نجات دلانے کی
غرض سے سورج کی نسبت ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اور بلحاظ اُس دکھاوے کی
پوجا اور اشنان اور پن دان اور خیراتوں کے جو برہمنوں کو دیجاتی ہیں اور یاد

دریا سے حباب کہے ہے سدا تو اور ہمیں ہیں اور ہیں باطل کو سمجھ اپنی سر کہ صدا تو اور نہیں ہیں اور ہم نہیں ہیں

ہیں پھینکی جاتی ہیں اور بلحاظ عورتوں کی اُس مجنونانہ جرأت کے کہ اپنے ایسے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ بھی جل کر مرجاتی ہیں کہ جسے اُنکی حیات میں وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تھیں اور بلحاظ فقیروں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال و اشغال کے- اور سب - ماخیہ میں بلحاظ بیدوں اور ہندوؤں کی پوتھیوں کی اُن تمام خرافات کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے متعین اشخاص سفر کے مصائب اور تکالیف اُٹھانے بعد گھر تشریف لا کر اپنی تحریروں کے ایسی ایسے سرگذشت وغیرہ گھڑنا اور بیان کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہیں مگر میرا یہ خط جو میرے ان دور و دراز سفروں اور متعدد تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود ماحاصل ہے اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو میں اسکا عنوان قرار دوں تو کیا میں ایسا کرنے کی نسبت کوئی وجہ نہیں رکھتا ؟ اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ کیسے ہی فضول اور بے معنی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں جگہ پا ہی جاتے ہیں"

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ چیپل صاحب کے نام کا ملفوفہ خط* اُن کے حوالہ کر دینگے- یہ چیپل صاحب ہی تھے جنہوں نے پہلے پہل آپکے نامور اور دلی دوست گیندی صاحب سے میری ملاقات کرائی تھی جو میرے حق میں بہت ہی مفید ہوئی ہے- اُنکی اس عنایت کا میں اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر مجکو لیجائیگی مجھے محبت کے ساتھ وہ ہمیشہ یاد رہینگے ! میں آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں- اور نہ صرف اسوجہ سے کہ آپ میرے حال پر نظر عنایت مبذول فرماتے۔ میں ہمیشہ آپکا ادب کرتا رہونگا- بلکہ اس سبب

* اس سے مراد وہ خط ہے جو ہندوستان کے متعلق لکھا تھا- اسکا ترجمہ پیشتر دیا گیا ہے- مترجم

سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے فائدہ مند صلاحیں دیتے رہے ہیں جنسے میرے سفر میں مجھے بہت مدد ملی - اور میں اس باعث سے بھی آپکا بڑا احسان مند ہوں کہ آپنے بے غرضانہ اور محض اپنی عنایت سے دُنیا کے اِس بعید حصہ میں جہاں میرا شوق مجھکو لے آیا ہے میرے لئے عمدہ عمدہ کتابیں بھیجدی ہیں - حالانکہ جن لوگوں سے مینے کتب مذکورہ کے لئے درخواست کی تھی - اور جنکو اُن کی قیمت کا روپیہ مقام مارسیلس Marseilles میں میرے ردا امتی سے مل سکتا تھا - اور جن پر بلحاظ اہلیت اور انسانیت کے یہہ بات فرض تھی کہ کتب مطلوبہ میرے پاس بھیجدیتے وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھکر ہنسا کیے گویا کہ اُنہوں نے مجھے ایسا گیا گزرا سمجھ لیا جسکا پھر کبھی مونہہ ہی نہیں دیکھنا -

---

A Letter to Monsieur De La Mothe le Vayer,

مُصنّف کا خط بنام مانشیور ڈی لا ماتھی لی وَیے آر

جسمیں شہر دہلی اور آگرہ اور شہنشاہ مغل کے دربار اور
ہندوستانی لوگوں کے ذہن و ذکا اور رسم و رواج
کا بیان ہے مورخہ یکم جولائی سنہ ۱۶۶۳ء بمقام دہلی

صاحب من - میں خوب جانتا ہوں کہ جسوقت میں فرانس کو واپس آؤنگا تو سب سے پہلے آپ مجھ سے یہہ پوچھیں گے کہ بمقابلہ پیرس اس مُلک کے دار السلطنت شہروں آگرہ اور دہلی کی وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا

نیا حال ہے! پس آپ کے شوق کی وجہ سے میں اوّل انہیں امور کا بیان کرتا ہوں۔ اور اُنکے ضمن میں بعض اَور حالات بھی گزارش کرونگا۔ جن کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ آپ غالبًا اُنکو بھی دلچسپ تصوّر کرینگے۔

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے مختلف الوضع ہونے کا سبب

ان دونوں شہروں کی خوبصورتی کی نسبت کچھ کہنے سے پہلے مجھے یہہ بیان کرنا لازم ہے کہ اہل فرنگ مقیم ہند کو حقارت کے ساتھ یہہ کہتے دیکھکر کہ ان دونوں اور نیز ہندوستان کے اور شہروں کی عمارتیں فرنگستان کی سی خوش وضع نہیں ہیں مجھے حیرت ہوئی۔ لیکن وہ اسپر غور نہیں کرتے کہ عمارت کی قطع اور وضع شہر ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے! مثلًا جس وضع کی عمارت پیرس اور لنڈن یا امسٹرڈم میں فائدے اور آرام کے اعتبار سے وہاں کے لایق ہے دہلی اور آگرہ میں بالکل ناکارآمد ہے! چنانچہ بفرض اسکان اس امر کے کہ یہہ شہر ہندوستان میں آجائیں اور یہاں کے شہر وہاں جا رہیں تو انکی عمارات کو توڑ پھوڑ کر بالکل ایک نئی قطع پر بنانا ضروری ہوگا۔ بے شبہ فرنگستان کے شہر بہت خوبصورت ہیں اور اس ملک کی سرد آب ہوا کے موافق ہیں۔ لیکن دہلی بھی اپنی وضع پر اس گرم ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش وضعی سے خالی نہیں۔

ہندوستان کی گرمی اسقدر شدید ہے کہ کوئی اور تو کیا خود بادشاہ بھی بازوؤں کی حفاظت کے لیئے پائجامے نہیں پہنتا۔ اور صرف ہلکے سلیپر کیطرح کی ایک چیز پہنتا ہے۔ جسے پاپوش کہتے ہیں۔ اور سر کی محافظت کے لیئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی پگڑی ہوتی ہے۔ اور اَور لباس بھی ایسا ہی

ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرہانے کسنگیر پر شکل سے ہاتھ یا سر رکھا جاتا ہے! اور چھ مہینے سے زیادہ ہر ایک شخص مکان کے باہر بغیر کسی قسم کے سایہ کے سوتا ہے! عوام کا یہ حال ہے کہ گلیوں اور کوچوں ہی میں پڑ رہتے ہیں اور بڑے بڑے تاجر اور آسودہ حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چبوترے پر جسکو پہلے سے پانی چھڑک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ آپ اس حالت میں اگر بالفرض پیرس کے مشہور محلے سینٹ جیکس یا سینٹ ڈینس مع اپنے بند وضع اور بیشمار منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آجائیں تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں یہاں کوئی رہ سکیگا۔ یا رات کو جبکہ ہوا کے حبس سے گرمی کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے کوئی سو سکیگا؟! فرض کیجئے کہ ایک شخص گھوڑے پر دوپہر پھرا کر گھر میں آیا ہے۔ اور گرمی اور گرد کے مارے ادموا ہو رہا ہے۔ اور حسب معمول سینہ میں تر بتر ہے تو کیا ہی لطف ہو اگر اسکو تنگ و تاریک زینہ سے چڑھکر چوتھی یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر واں ایسے کمرہ میں ٹھہرنا پڑے کہ جہاں مارے گرمی کے دم ہی گھٹ جائے! ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف کے سامان نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے آکر فوراً تھوڑا سا تازہ ٹھنڈا پانی یا نیبو کا شربت پی لینا اور کپڑے اتار کر اور مونھ ہاتھ دھو کر سایہ میں پلنگ پر لیٹ جانا اور ایک دو خدمتگاروں کو یہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پنکھے لیکر جھلنا شروع کریں۔

شہر دہلی کا ذکر

اب میں آپکو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ پہلا

خود غور کر سکیں گے کہ یہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں۔ ! قریب چالیس برس کے گزرے کہ شہنشاہ حال کے والد شاہجہاں نے اپنی دائمی یادگار کے لیے پرانی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام اپنے نام پر شاہجہان آباد یا اختصار کے لیے "جہان آباد" رکھا۔ اور اسکے دار السلطنت بنانے کے لیے یہ وجہ ٹھہرائی کہ گرمی کی شدت کے سبب سے آگرہ بادشاہ کے قیام کے لائق نہیں ہے لیکن اس سبب سے کہ اسکی تعمیر کے لیے اکثر مصالحہ پرانی دلی کے آس پاس کے کھنڈروں سے بہم پہنچایا گیا تھا پردیسی آدمی پرانے اور نئے شہر میں تمیز نہیں کرتے اور دونوں کو دہلی ہی کہتے ہیں! لیکن ہندوستان میں اکثر یہ نیا شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے۔ ! بہر حال آسانی کے لیے میں نے بھی اہل یورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

شہر دہلی ایک ہموار زمین پر جمنا کے کنارے پر جو لوائر کے برابر ایک دریا ہے ہلالی صورت میں آباد ہے۔ اور اس طرف کے سوا جدھر دریا کے سبب سے (جس پر کشتیوں کا پل بندھا ہوا ہے) محفوظ ہے حفاظت کے لیے سب طرف پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے! اور اگر ان برجوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر پناہ کے کنارے بنے ہوئے ہیں اور اس کچے پشتے

• شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ اسکی آبادی شاہجہان کے جلوس کے بارہویں سال مطابق [illegible] اور [illegible] میں شروع ہوئی تھی اور خافی خاں نے اپنی کتاب منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ تاریخوں میں سے جو شعرائے اسکی بیت کہی تھیں بادشاہ کو یہ بہت پسند آیا (شد شاہجہان آباد از شاہجہان آباد) جسکو صاحب آثار الصنادید اپنی سند پر کسی کاشی کا نکالا ہوا بتاتے ہیں۔ س م ح

سے جو قریب چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے اونچا ہے قطع نظر اسکی تعمیر بہت ناکمل ہے - کیونکہ نہ تو اُسکے گرد خندق ہے اور نہ کوئی اَور بچاؤ کا سامان ہے -

یہ حصار اگرچہ شہر اور قلعہ دونوں پر محیط ہے لیکن اسکی وسعت اسقدر نہیں کہ جتنی لوگ خیال کرتے ہیں ' کیونکہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اسکے گرداگرد پھر گیا ہوں - حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی گھنٹہ ایک لیگ فرانسیسی یعنی تین میل سے زیادہ نتھی[51] مگر اس تخمینہ میں شہر کے گرد نواح کی آبادیوں کو جو بہت سی ہیں - اور بہت دور تک لاہوری دروازہ کی جانب بستی چلی گئی ہیں اسمیں شامل نہیں کرتا - اور نہ پُرانی دلّی[52] کے اُس حصہ

[51] صاحب آثار الصنادید نے کتاب مرات آفتاب نما کے حوالے سے لکھا ہے کہ سنہ جلوسی مطابق سنہ ... موافق سنہ ... شاہجہاں کے حکم سے موجود شہر اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوکر یہ فصیل تیار ہوئی - مگر دوسرے برس برسات میں اکثر جگہ سے گر پڑی اور اسے سر نو اور پتھر سے بنانے کا حکم ہوا - اور سات برس کے عرصہ میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہوکر تیار ہو گئی - طول اسکا ... گز کا ہے - اور چار گز کی چوڑی اور ... گز اونچی ہے - اور اسمیں ... برج دس دس گز کے قطر سے ہیں ... میں جب سرکار عالیہ انگریزی کا تسلط ہوا تو یہ اکثر جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی جسکو بہت حوالی سے درست کرایا گیا اور اجمیری دروازہ کے باہر جو غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نظام الملک آصف جاہ کا مقبرہ تھا جو مدرسہ کرکے مشہور ہے اسکو بھی اندر لے لیا گیا - اور سنہ ۱۸۱۱ عیسوی کے لگ بھگ گرد بھی شہر پناہ بنائی گئی - س م ح

[52] صاحب آثار الصنادید کی تحقیق کے موافق پہلے اس شہر کا نام اندرپت تھا - وہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ نام بدل کر کب سے دلّی ہو گیا - مرات آفتاب نما میں لکھا ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ راجہ دلیپ نے جو چندر بنسیوں میں کا ایک راجہ ہے

بقیہ کو اور ان تین چار چھوٹی چھوٹی بستیوں کو جو شہر کے نواح میں ہیں۔ کیونکہ انکو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اسقدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر بیچوں بیچ ایک سیدھا خط کھینچا جائے تو ساڑھے چار میل سے زیادہ ہو اور اگرچہ باغات وغیرہ کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ شہر کا کل دور کسقدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے۔

اپنے نام پر دلّی آباد کی لیکن یہہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے اسواسطے کہ ہندؤوں کی کسی پوتھی میں راجہ دیلہ یا راجہ دلیپ کا ذکر ہے مگر کہیں دلّی کا نام نہیں ہے بلکہ جہاں لکھا ہے اندرپت ہی کرکے لکھا ہے۔ اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ "سنہ ۳۰۷ ہجری مطابق ۹۱۹ء میں تونوروں کے خاندان میں سے ایک راجہ نے شہر اندرپت کے برابر دلّی شہر بسایا" اور اسی مصنف نے کتاب رتبہ المعلوب کے حوالے سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی مٹی نرم تھی اور ہندی میں ڈھیلی نرم زمین کو کہتے ہیں جہاں میخ نہ ٹھہر سکے اس سبب سے وہ بستی دلّی کرکے مشہور ہوگئی مگر اس سے پہلے تونوروں کے خاندان میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دلّی نام ہونا قرین قیاس ہے۔ اس واسطے یہہ بات بھی قابل اعتماد نہیں اور مشہور بات جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے یہہ ہے کہ بقول صاحب مرآت آفتاب نما راجہ دلو قنوج کے راجہ نے اس سبب سے کہ دلّی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع رہے ہیں اندرپت میں اپنے نام پر شہر بسایا اور جب سے اس کا نام دہلی مشہور ہوا۔ بلکہ اصلی نام دہلی کا دہلو ہے۔ جیسا کہ موافق روایت صاحب جواہر الحروف امیر خسرو نے جلال الدین فیروزشاہ کو خطاب کرکے دہلو کا لفظ اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے ؎ بایک سپہ بخشش از خود بغزا بارگی۔ یا بغرا ماں دہ کہ گردون نشینم در دہلو روم۔ راجہ دہلو راجہ پورس یعنی راجہ فور والی کماؤں کا ہمعصر تھا اور اسی کی لڑائی میں مارا گیا اور قنوج تک راجہ فور کا عمل ہوگیا۔ اور اسکے بعد سکندر اعظم نے راجہ فور پر ستلج کے کنارے فتح پائی۔ اور گنگا کے کنارے یعنی قنوج تک عمل کرلیا۔ یہہ واقعہ ۳۲۶ قبل ولادت مسیح علیہ السلام میں تھا کہ تخمیناً یہی زمانہ دہلی شہر بسنے کا معلوم ہوتا ہے۔ س م ح

* قلعہ جسمیں شاہی محلسرا اور بادشاہی مکانات ہیں اور جنکا ذکر میں آیندہ کرونگا تقریبا نصف دائرہ کی شکل کا ہے۔ اور سامنے دریائے جمنا بہتا ہے۔ اور قلعہ کی دیوار اور پانی کے مابین ایک ریتلا وسیع میدان ہے جسمیں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھی جاتی ہے۔ اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کیجاتی ہیں جنکو بادشاہ محل کے جھروکوں میں سے دیکھا کرتا ہے۔

---

* شاہجہاں نے اپنے جلوس سے بارہویں سال مطابق ۱۰۴۸ ہجری ۱۶۳۸ء میں شاہجہان آباد کی آبادی کا حکم دیا۔ اور بارہویں ذی الحجہ کو قلعہ بننا شروع ہوا۔ استاد حامد اور استاد احمد جو اپنے فن میں یکتا تھے اسکی تعمیر کے لئے مقرر ہوئے۔ پہلے عزت خاں کو اس کا اہتمام ہوا۔ اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کھدیں اور کچھ مصالحہ جمع ہوا۔ اور کہیں کہیں سے بنیاد اونچی بھی ہوئی۔ پھر الہ وردی خاں کو یہ کام سپرد ہوا اور دو برس ایک مہینے گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار بارہ بارہ گز اونچی ہوگئی۔ پھر مکرمت خاں کا ذمہ ہوا۔ اور بیسویں سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہوگیا اور چوبیسویں ربیع الاول ۱۰۵۸ ہجری مطابق ۱۶۴۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اسمیں پہلا جلوس کیا۔ یہ ہشت پہل بنا ہے۔ اور اسکا طول ایک ہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جسکی کل زمین چھ لاکھ گز ہوئی۔ اور اس حساب سے یہ اکبر آباد کے قلعہ سے دوگنا ہے۔ اسکی فصیل پچیس گز اونچی ہے۔ اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے۔ دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ گز اور اوپر سے دس گز کا ہے۔ اسکی خندق چوبیس گز چوڑی اور دس گز گہری سی ہوئی ہے۔ جسکا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے۔ اس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اور کتاب مرآت آفتاب نما میں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ صرف میں آیا تھا۔ یعنی پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں اور پچاس لاکھ اسکے اندر کے مکانوں کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا۔

(از آثار الصنادید) (س م ح)

قلعہ کی دیوار اپنی پرانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پناہ کے
مشابہ ہے - لیکن چونکہ یہہ کچھ اینٹ کی اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو
سنگ مرمر کے مشابہ ہے - اِس سبب سے شہر پناہ کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت
ہے - اور شہر پناہ سے اونچان اور مضبوطی اور چکلاں میں بھی زیادہ ہے اور
شہر کے رخ چھوٹی چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور دریا کی جانب کے
سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عمیق خندق بنی ہوئی ہے - جسکی رو کار کے
پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں - اور جو پانی سے بھری رہتی ہے جسمیں کثرت
سے مچھلیاں ہیں - ! یہہ عمارت گرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے - لیکن اصل میں
کچھ مستحکم نہیں ہے اور میری دانست میں ایک متوسط طاقت کا توپخانہ اسکو
فوراً زمین کے برابر کر دیسکتا ہے - ! اِس خندق کے قریب ہی ایک بڑا
باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ ہرا بھرا رہتا - اور قلعہ کی عظیم الشان
اور سرخ رنگ کی فصیل کے سامنے ہونے کی وجہ سے بہت خوشنما معلوم
ہوتا ہے - اور اس باغ کے متصل ایک بادشاہی چوک ہے جسکے ایک طرف
تو قلعہ کا دروازہ ہے - اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آکر
ختم ہوئے ہیں ! جو ملازم راجہ حسب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں
اُن کے خیمے اس چوک کے میدان میں لگائے جاتے ہیں - کیونکہ یہہ لوگ جو ایک
قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں
اور اسلیئے قلعہ کے اندر کا پہرہ امرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے ! اور اسی
جگہ صبح کے وقت بادشاہی گھوڑے جو اسکے قریب ہی ایک بڑے اصطبل

میں رہتے ہیں پھرائے جاتے ہیں! اور یہیں سواروں کی فوج کا میر بخشی نوملازم سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھالتا ہے۔ اور اگر وہ ترکی نسل کے اور اچھے مضبوط اور بیان کے پورے ہوں تو اُن کی ران پر بادشاہی اور اُس امیر کا داغ دلوا دیتا ہے جسکی فوج میں وہ بھرتی ہوں۔ اور اِس سے یہہ فایدہ ہے کہ اُنہیں گھوڑوں کو دوسرے نوملازم سوار مستعار لیکر موجودات کیوقت پیش نہیں کرسکتے۔ یہی جگہہ انواع واقسام کی بےشمار چیزوں کی خرید فروخت کے لیئے گزری لگتی ہے۔ جو پیرس کے نوپٹ نی آف* کی طرح ہر قسم کے گٹھاولوں اور بھان متیوں اور ہندو اور مسلمان نجومیوں اور رمّالوں کا مرجع ہے اور یہہ فاضل نجومی دھوپ میں ایک میلا سا قالین کا ٹکڑہ بچھائے بیٹھے رہتے ہیں جنکے پاس علم ریاضی کے کچھ پرانے آلات ہوتے ہیں۔ اور سامنے ایک بڑی سی کتاب کھلی رہتی ہے۔ جسمیں بارہ برجوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اس طور سے یہہ راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں! اور عوام الناس غیب داں سمجھکر اُن سے رجوع کرتے ہیں۔! اور یہہ ایک پیسہ لیکر بیچارے حمقا کو بتاتے ہیں کہ اُنکی قسمت میں آیندہ کیا ہونا ہے۔ اور اُن کے ہاتھ اور چہرہ کو خوب دیکھ بھال کر اور کتاب کے ورق اُلٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ گویا واقعی کچھ حساب لگا رہے ہیں! اور یہہ لوگ جس کام کی بابت ان سے سوال کرتے ہیں اُسکے لیئے وقت اور "ساعت" یعنی مہورت بتاتے ہیں لیکن اور ناداں عورتیں سر سے پانوتک ایک سفید چادر اوڑھکر اُن کے پاس جمع

* ایک بڑے پل کا نام ہے جو شہر پیرس میں ندی پر بنا ہوا ہے۔ س م ح

ہوتی ہیں۔ اور اپنی تمام عمر کے امورات کی نسبت اُن سے پوچھ گچھ کرتی اور
اسیطرح تمام دلی بھید اُن سے کہہ دیتی ہیں جس طرح فرانس میں ایک دسواہن
عورت اپنے پادری کے پاس جاکر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گناہ ظاہر
کردیتی ہے۔ اور یہ بیوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا
مال و دنیا ان لوگوں کے اختیار میں ہے۔ ان نجومیوں میں سب سے زیادہ
ہنسی کے لائق ایک دوغلہ پرتگیز تھا۔ جو گوا سے بھاگ آیا تھا۔ یہ مسخرہ
بھی اپنا قالین بچھا کے بڑی تمکنت سے بیٹھا رہتا تھا۔ اور اسکے پاس بھی
بہت سے سائل آتے تھے۔ حالانکہ وہ کچھ لکھ پڑھ بھی نہ سکتا تھا اور اُسکے
پاس آلات نجوم کی عوض صرف ایک پرانا جہازی قطب نما تھا اور کتابوں کی
جگہ رومن کیتھلک فرقہ کی نماز کی پرتگیزی زبان میں دو پرانی باتصویر کتابیں
تھیں جنکی تصویروں کو کہتا تھا کہ فرنگستان میں برجوں کی صورتیں اسی طرح
کی بناتے ہیں! ایک دن فرقہ جیسوئٹ کے پیشوا فادر بوزی صاحب نے
اُسکو اس کام میں مشغول دیکھکر پوچھا کہ تو یہ کیا کرتا ہے تو اسنے شرمندہ ہونیکی جگہ
یہ جواب دیا کہ "ایسے بیوقوفوں کا نجومی ایسا ہی چاہیے" یہ ذکر میں اُن
غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ
منجم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ انکو بڑا علامہ سمجھتے ہیں اور
اسی طرح پر یہ دولتمند ہو جاتے ہیں! تمام ایشیا میں یہ بے معنی وہم پھیلا
ہوا ہے۔ اور خود بادشاہ اور بڑے بڑے امیر ان فریبی غیب گویوں کو
بڑی بڑی تنخواہیں دیتے ہیں۔ اور بغیر انکی صلاح کے کوئی ادنے کام بھی

شروع نہیں کرتے یہہ نجومی گویا آسمان میں لکھی ہوئی باتیں جانتے اور ہر ایک کام کے کرنیکے لیئے مبارک گھڑی تجویز کرتے اور ہر ایک شبہ کو قرآن سے فال نکال کر حل کرتے ہیں۔

دہ دو بڑے بازار جنکا ابھی ذکر ہوا اور جو اس چوک میدان میں آکر ملتے ہیں اُن کا عرض قریب پچیس یا تیس قدم کے ہوگا۔ اور جہاں تک کہ نظر پہنچتی ہے وہ سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے جو بازار لاہوری دروازہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ بلحاظ وضع عمارت یہہ دونوں بازار ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ پیرس کا بازار معروف بلیس رایل ہے اسی طرح اُن کے بھی دونوں جانب کی دکانیں محراب دار ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ایک تو انکی عمارت خشتی ہے دوسرے یہہ کہ یہہ ایک منزلی ہیں۔ اور انکی چھتیں بطور ایک سطح چبوترے کے کام دیتی ہیں۔ اور یہہ بھی تفاوت ہے کہ پلیس رایل کی دوکانوں کے برانڈے اس قطع کے ہیں کہ اُنمیں داخل ہوکر انسان بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکتا ہے اور انکی دوکانوں کے برانڈے علحدہ علحدہ ہیں جنکے بیچ میں دیواریں حائل ہیں جنمیں جھڑ کردن کے وقت اہل حرفہ اور صراف اپنا اپنا کام کرتے اور بیوپاری اپنا مال خریداروں کو دکھلاتے ہیں۔ ! ان محرابی برانڈوں کے پیچھے اسباب رکھنے کے لیئے کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ جنمیں رات کیوقت سب اسباب رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اوپر بیوپاریوں کے رہنے کے لیئے بالاخانے بنے ہوئے ہیں جو بازار کی طرف سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ اور ہوادار اور آرام کے قابل اور گرد و غبار سے محفوظ ہیں۔

اور ان کے آگے برانڈے کی چھت جو صحن کے طور پر ہے جو لوگ ان میں رہتے ہیں وہ رات کو اسپر سوتے ہیں۔ مگر ایسے بالاخانے سب دوکانوں پر نہیں ہیں۔ اور اگرچہ شہر کی بعض بعض اور اطراف میں بھی اسی طرح کسی کسی دوکان پر اچھے بالاخانے بنے ہوئے ہیں۔ مگر ان اطراف میں کوٹھریوں کے اوپر جو بالاخانے ہیں۔ اکثر ایسے پست بنے ہوئے ہیں کہ بازار میں سے بخوبی دکھائی نہیں دیتے۔ مگر متمول بیوپاری دوکانوں پر نہیں سوتے۔ بلکہ کام کاج کے بعد اپنے اپنے مکانوں کو جو شہر میں ہیں چلے جاتے ہیں۔!

ان کے سوا پانچ بازار اور ہیں۔ اور اگرچہ انکی قطع اور وضع بھی انہیں کے قریب قریب ہے۔ لیکن ایسے لمبے اور سیدھے نہیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ گلیوں اور کوچوں میں جو بیشمار بازار ہیں اور جو ایک دوسرے کو تقاطع کرتے ہیں ان میں سے اگرچہ اکثر کے سامنے کی عمارت محرابی طور کی ہے۔ مگر چونکہ وہ ایسے لوگوں کی بنائے ہوئے ہیں جنکو عمارت کے تناسب کا کچھ خیال نہ تھا۔ اسلئے ان میں بہت کم ایسے خوش قطع اور سیدھے اور عریض ہیں جیسے کہ وہ بازار ہیں جنکا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

شہر کے گلی کوچوں میں جو منصبداروں اور حکام عدالت اور دولتمند تاجروں اور اور لوگوں کے مکانات ہیں۔ ان میں بھی بہت سے اچھے خاصے خوبصورت ہیں۔ مگر اینٹ یا پتھر کے بنے ہوئے مکان بہت تھوڑے اور کچے اور خس پوش زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اسکے عموماً ہوادار اور خوشنما ہیں۔ اور اکثروں میں چوک اور باغیچے ہیں۔ اور بہت آرام کے اور

یہ قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے لمبے اور مضبوط بانس کے چھپروں سے چھائے ہوئے اور کہگل اور سفیدی کئے ہوئے ہیں اور بیشمار خس پوش اور چھوٹے چھوٹے مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں ان میں معمولی فوجی سوار اور ان گنت نفر خدمتگار اور نان بائی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے ساتھ جایا کرتے ہیں رہتے ہیں۔ اور ان کے سبب سے شہر میں اکثر آگ لگ جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے سبب سے جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے۔ قریباً ساٹھ ہزار چھپروں پر پانی پھر گیا۔ اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں بھی جل بھن گئیں کیونکہ یہہ بیچاریاں ایسی شرماؤ اور اپاہج ہوتی ہیں کہ نامحرم لوگوں سے مونہہ چھپانے کے سوا ان سے کچھ بن ہی نہیں آتا۔ چنانچہ جو عورتیں اس صدمہ سے ہلاک ہوئیں وہ اتنی ہمت نہ رکھتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں: ان کچے اور خس پوش مکانوں کے باعث سے میں ہمیشہ یہہ خیال کیا کرتا ہوں کہ سوائے اتنے فرق کے کہ آرام کے بعض سامان اسمیں زیادہ ہیں۔ دہلی گویا چند دیہات کا مجموعہ یا فوج کی چھاونی ہے۔

اُمرا کے مکانات اگرچہ اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں لیکن اور مقامات میں بھی ہیں اور اس گرم ملک میں اُسی مکان کو عمدہ سمجھتے ہیں جسمیں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاصکر شمال کے جانب کی ہوا آتی ہو۔ چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جنمیں ایک اچھا صحن اور باغ

اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوں۔ اور خوبصورت تہ خانے ہوں جنہیں بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں میں دوپہر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس نہیں لیا جا سکتا بہت آرام کی جگہہ ہوتی ہیں۔ مگر تہ خانوں کی بہ نسبت اکثر لوگ خس خانوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کمرے ہوتے ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبودار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے اندر اس غرض سے حوض کے قریب لگائے جاتے ہیں کہ خدمتگار لوگ چمڑے کی ڈولچیوں سے انکو باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ چھڑک سکیں اور اس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے جسکے چاروں طرف، قدیم اونچے دالان ہوں جنمیں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو اور ایک بڑے چمن کے اندر* بنا ہوا ہو در فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جسمیں گھر والوں کے سونیکے لئے صحن چبوترہ۔ یہ جب بارش آندھی کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے۔ پلنگ کو سرکا کر اندر لیا جاتا ہے۔ یہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرایت کر جاتی ہے۔ جس سے اکثر ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔

اچھے گھروں میں نشست کا یہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا ایک بھاری اور قریب چار انگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جسپر گرمی کے

* غالباً بارہ دری مراد ہے۔ س۔ م۔ ع

دنوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاڑوں میں ریشمین قالین بچھاتے ہیں۔ اور دالان کے صدر میں ایک یا دو گدیلے بچھے رہتے ہیں۔ جن پر ریشم کے بیل کے کام کی سوزنی جسپر سنہری اور روپہلی زری کی دھاریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں پڑی رہتی ہے۔ اور صاحب خانہ اور معزز اور ممتاز لوگ جو ملاقات کو آتے ہیں اُسپر بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک گدیلے پر کمخاب کا ایک گاؤتکیہ بھی لگا رہتا ہے اور اسکے علاوہ اہل مجلس کے آرام کے لیئے دالان کے گرداگرد کمخاب اور مخمل اور پھولدار ریشمین کپڑے کے غلافوں کے چند اور تکیئے بھی لگے رہتے ہیں۔ اور دالان کے چاروں طرف جو زمین سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معقول اور باقرینہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے جاتے ہیں اور دالان کی چھت منقش اور ملمع کاری کی ہوتی ہے۔ مگر انسان یا کسی اَور جاندار شے کی تصویر اُسپر نہیں ہوتی کیونکہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے۔

یہہ ہندوستان کے ایک عمدہ مکان کا قریباً صحیح بیان ہے۔ اور دہلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ بغیر فرنگستان کے مکانوں کی ہجو کے بلا اندیشہ یہہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں۔ مگر تاہم خوبصورتی سے خالی نہیں۔ مگر جو چیز کہ فرنگستان کے شہروں کی زیب و زینت کا باعث ہے وہ خوشنما اور شاندار دُکانیں ہیں جو دہلی میں

ہیں اور اگرچہ یہ شہر ایک عالیشان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا
م ہے جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی بیش قیمت اشیا کا جمع ہو جانا ایک ضروری
ہے۔ تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سینٹ ڈینس ہے
مقابل اور ہمسر غالباً تمام ایشیا میں نہ ہوگا۔

یہاں بیش قیمت مال اکثر مال خانوں میں دھرا رہتا ہے۔ اور فرنگستان
ع دکانیں بھڑک دار اور بیش قیمت اسباب سے شاذ و نادر ہی آراستہ
ں ہیں اور اگر ایک دکان میں ریشمی کمخاب اور زری کار مندیلیں اور
ن کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی پچیس دکانوں میں گھی تیل دال
ں گیہوں جو وغیرہ متفرق قسم کے اناج ہیں جو نہ صرف ہندوؤں کی معمولی غذا
ر کبھی گوشت نہیں کھاتے بلکہ غریب مسلمان اور بہت سے سپاہی بھی
کھاتے ہیں ٹوکروں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں البتہ
بازار ایسا ہے جس میں میوہ کھلا رکھا رہتا ہے۔ اور اس میں بہت سی
ں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایران بلخ بخارا اور سمرقند کے خشک
ں بادام پستہ فندق کشمش تیر اور زرد آلو اور جاڑوں میں سیاہ اور سفید
عمدہ تازے انگوروں سے جو روئی کی تہ میں لگائے ہوئے ان
و آتے ہیں اور ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سردے
ہر بکتے رہتے ہیں بھری رہتی ہیں مگر یہ میوے بہت مہنگے بکتے ہیں چنانچہ ایک سردہ
چار روپیہ کو آتا ہے لیکن باایں ہمہ اہل دہلی کو سب میووں سے زیادہ
اور پسند ہے! امراء کے ہاں میوہ کثرت سے خریدا جاتا ہے چنانچہ

مجھے یاد ہے کہ میرے "آغا" کے ہاں اکثر صبح کے کھانے کے موقع پر کوئی پچاس روپیہ کا میوہ صرف میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں دیسی خربوزہ بہت سستا ہوتا ہے لیکن زیادہ اچھا نہیں ہوتا اور بجز اس کے کہ ایران سے بیج منگوا کر ایک اچھی اور کمائی ہوئی زمین میں بو یا جائے جیسا کہ امرا اکثر کرتے ہیں عمدہ میسر نہیں آتا مگر پھر بھی اچھا اور عمدہ خربوزہ کمیاب ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین موافق نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہ تخم بھی بگڑ جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو مہینے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے میں۔ لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ تو کچھ اچھا ہی ہے اور نہ کچھ برا۔ اور سب سے عمدہ آم بنگالہ گولکنڈا اور گوا سے آتا ہے۔ جو فی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اسکی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تربوز سال بھر رہتا ہے۔ لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ نرم اور بے مزہ ہے۔ اور رنگت بھی اچھی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی امرا کے ہاں اچھا کھانے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیج منگوا کر بڑی احتیاط اور خرچ سے بوواتے ہیں۔!

شہر میں حلوائیوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ لیکن مٹھائی اچھی نہیں بنتی اور گرد اور مکھیوں سے بھری رہتی ہے۔ نان بائی بھی بیشمار ہیں مگر ان کے تنور ہمارے ہاں کے تنوروں سے مختلف وضع کے ہیں اور بہت برے ہیں اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب پکی

ہوتی البتہ جو روٹی قلعہ میں پکتی ہے وہ کسیقدر اچھی ہوتی ہے اور امرا تو اپنے گھر پر بھی تیار کرا لیتے ہیں۔ اور اسوجہ سے نہایت عمدہ ہوتی ہے اور اسمیں دودھ مکھن اور انڈا خوب ڈالا جاتا ہے اور اگرچہ خوب پھول جاتی ہے۔ مگر مزا اصلی روٹی کا سا ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر کیک جیسی ہوتی ہے اور پیرس کی "گیم تس" اور اور روٹیوں کو ہرگز نہیں پہنچتی اگرچہ بازار میں کئی قسم کے کباب اور قلیہ وغیرہ بکتا ہے۔ لیکن اسکا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور کا گوشت ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے یا اپاہج بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے۔ غرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار نہ ہوا ہو معین صحت نہیں ہے۔ دہلی کے ہر گلی کوچے میں گوشت بکتا ہے لیکن بکری کے گوشت کی جگہ دھوکے سے بھیڑ کا گوشت بھی دیدیتے ہیں۔ بس اس فریب سے بچنے کے لیے ہوشیار رہنا چاہیے۔ کیونکہ بیل کا گوشت اور خاص کر بھیڑ کا اگرچہ مزہ میں برا نہیں ہوتا۔ لیکن گرم ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ اور نفاخ اور دیر ہضم بھی ہے۔ حلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ بازار میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ اسلیئے زندہ جانور خریدنا پڑتا ہے لیکن اسمیں یہ بڑی دقت ہے کہ اس ملک میں صبح کا گوشت شام تک نہیں ٹھہرتا۔ دوسرے یہ کہ جانور دبلے ملتے ہیں۔ اور اسوجہ سے گوشت بے مزہ ہوتا ہے۔ اور قصائیوں کی دکانوں میں دبلی بکریوں کا گوشت ملتا ہے جو کہ سستا تو ہے۔ مگر خاص مجھکو اس امر کی شکایت نازیبا ہے۔ کیونکہ جب سے میں ان لوگوں کے رویہ سے واقف ہوگیا ہوں ایسا کم اتفاق ہوا ہے کہ مجھکو ردی

یا گوشت اچھا نہ ملا ہو۔ چنانچہ میں خاص بادشاہی باورچیخانہ کے داروغہ کے پاس قلعہ میں اپنا نوکر بھیجدیتا ہوں اور وہ خوشی سے عمدہ کھانا دیتے ہیں۔ جسپر انکی لاگت اگرچہ کم لگی ہوتی ہے۔ مگر میں برضامندی ایک اچھی قیمت دیدیتا ہوں۔ چنانچہ میرا "آغا" مجھے یہ سنکر بہت ہنسا کہ میں برسوں سے چوری اور چالاکی سے اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ ورنہ پونے چار سو روپیہ میں جو مجھے انکی سرکار سے ملتے ہیں فاقوں کے مارے مرجاتا حالانکہ فرانس میں صرف آٹھ آنہ روز میں ایک بادشاہ کا سا کھانا کھا سکتا ہوں۔

خصی مرغ دہلی میں بالکل نہیں دکھائی دیتا۔ کیونکہ اس ملک کے لوگ جانوروں پر عموماً رحم کرتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں پر رحم نہیں کرتے۔ جنکو محلسرا کے کام کے لئے خوجہ بناتے ہیں۔ لیکن پرند جانور کثرت سے بازار میں بکتے ہیں اور اچھے اور سستے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جسکا چمڑہ سیاہ ہوتا ہے۔ اور جسکا نام میں نے "حبشی" رکھا ہے وہ بھی بکتی ہے۔ کبوتر بھی ملتے ہیں مگر بچے نہیں ملتے۔ کیونکہ ہندوستان کے لوگ بچونکا مار ڈالنا بیرحمی کا کام سمجھتے ہیں! تیتر بھی ملتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے تیتر سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑکر دور سے زندہ لاتے ہیں ایسے اچھے نہیں ہوتے جیسے کہ اور پرند ہوتے ہیں یہی کیفیت مرغابیوں اور خرگوشوں کی ہے جو زندہ پکڑے جاکر پنجرے کے پنجرے بھرے ہوئے شہر میں آتے ہیں! دہلی کی نواح کے ماہی گیر اپنے پیشہ میں ہوشیار نہیں ہیں۔ لیکن بعض اوقات اچھی مچھلی بھی بکتی ہے۔ خصوصاً "سنگھاڑا" اور "روہو" جو اپنے انکی

یا مثل آمد کا آب کی شکل کی ہوتی ہیں مگر جاڑوں ہی میں ماہی گیر مچھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس ملک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی مچھلی آجاتی ہے تو خواجہ سرا اسکو فوراً خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بتخصیص اسکے شائق ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ مگر اُمرا کو بڑے کے زور سے جو ہمیشہ ان کے دروازہ پر لگتا رہتا ہے ایکو ہر ایک موسم میں مچھلی پکڑ کر بھیجتے ہیں۔!

اب میرا یہ بیان سنکر آپ غور فرما سکتے ہیں۔ کہ کیا کوئی خوش خور شخص پیرس کو چھوڑ کر دہلی کی سیر کو خوشی سے آئیگا۔؟ بیشک امیروں اور دولتمند لوگوں کو ہر ایک شے میسر ہے لیکن یہ صرف ان کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور روپیہ کے باعث سے ہے۔! دہلی میں متوسط الحال شخص کوئی نہیں ہے اور یا تو بڑے بڑے عالی رتبہ لوگ ہیں یا ایسے ہیں جنکی زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ میری تنخواہ بھی معقول ہے۔ اور میں خرچ بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسب دلخواہ کھانا نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ بازار میں اچھی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں۔ جنکو اُمرا نے ناپسند کر کے چھوڑ دیا ہو! شراب جو فرنگستان میں کھانیکا بڑا جزو سمجھی جاتی ہے دہلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ دیسی انگور کی بن سکتی ہے لیکن شرع اسلام اور شاستر کی رو سے برابر ممنوع ہے۔ چنانچہ احمد آباد اور گولکنڈہ میں بعض ڈچ اور انگریزوں کے گھروں میں مینے پی ہے جو بد مزہ نہ تھی اور

سلطنت مغلیہ میں اگر کبھی عمدہ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا جزائر کناری* کی
ہوتی ہے - چنانچہ شراب شیرازی تو ایران سے خشکی کی راہ سے بندر عباس
میں پہنچکر بذریعہ جہاز سورت تک آتی ہے جہاں سے چھیالیس دن کے عرصہ میں
دہلی میں پہنچ جاتی ہے - اور جزائر کناری سے ڈچ لوگ سورت میں لاتے
ہیں - لیکن یہ دونوں قسم کی شرابیں اسقدر گراں قیمت ہیں کہ بقول اس ملک کے
لوگوں کے ان کی قیمت ان کے مزہ کو بے لطف کر دیتی ہے - چنانچہ
ایک بڑا شیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے - پندرہ ١٥ یا سولہ ١٦ روپیہ
کو کو - تک نہیں آتا اور جو شراب خاص اس ملک میں ملتی ہے اور جسکو یہاں
عرق کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے - جو گڑ سے بھبکے میں کھینچکر

---

* یہ چھوٹے چھوٹے سات جزیرے ہیں جو شمالی حصہ بحر اٹلانٹک میں واقع ہیں ان کا عرض شمالی ستائیس سے پچاس دقیقے اٹھائیس سے لیکر انتیس تک اور طول غربی بلحاظ لندن سے تیرہ ١٣ سے قریب اٹھارہ ١٨ سے لیا جاتا ہے ان کا رقبہ بحساب انگریزی میل مربع اور آبادی حسب ذیل ہے

			آبادی	رقبہ
(١)	ٹینریف	Teneriffe	پچاسی ہزار (٨٥٠٠٠)	٩٧٧٢٦
(٢)	کناری کلاں	Grand Canary	اڑسٹھ ہزار (٦٨٠٠٠)	٧٥٨٣
(٣)	پالما	Palma	تینتیس ہزار (٣٣٠٠٠)	٧١٨٥
(٤)	لینزےروٹ	Lanzarote	سترہ ہزار چار سو (١٧٤٠٠)	٣٢٣
(٥)	فیورٹی وینٹورا	Fuerteventura	تیرہ ہزار آٹھ سو (١٣٨٠٠)	٣٢٦١
(٦)	گومیرا	Gomera	گیارہ ہزار سات سو (١١٧٠٠)	١٩٩
(٧)	ہائی رو	Hierro	چار ہزار چار سو (٤٤٠٠)	٩٢٣

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے سب سے زیادہ قریب ہے - اور فاصلہ صرف پچاس اور ساٹھ میل کے اندر ہے - ان کے سوا اور بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں - جو اکثر غیر آباد ہیں !

...نے میں گرانے کے کہنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے
...ں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر یہ عرق ویسا ہی تند و تیز ہے
...نا کہ پولینڈ کے ملک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اسکا تھوڑا سا بھی زیادہ
...ال کیا جاوے تو لاعلاج اعصابی امراض اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس
...ند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھیگا یا نہایت عمدہ
...ے کے شربت کی۔ جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آ جاتا ہے۔ اور کچھ شک نہیں
...س یہ ہے کہ اس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ
...شش ہوتی ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور
...ے کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ
امراض گردہ اور زکام نزلہ اور چوتھیئے تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو

---

* ...س کو پینے میں ... مصر کے ... میں اس کی ... اور ... اور نظاموں
سے بھی ... میں ... ان کا ... لیکن ... امتحان ...
نہیں معلوم ہوتا۔ ... اس کا ... ان کا ... کے سبب ...
... اور ... کی ... کے ... میں ... موسم ...
... اور صحت ... ایریل سے اکتوبر تک شمال یا شمالی ... کی ہوا ... ہے
اور ... ہونے کے ساتھ ... شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جاڑے کے ... کبھی کبھی
... بھی ہو جاتی ہے۔ جو ... اور ... کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔
... سے بہت ... بیماریاں پھیلتی ہیں اور بعض اوقات اسکے ساتھ ... بھی
آتی ہے۔ جیسا کہتے ہیں کہ ...ء میں ... آئی تھی کہ ... بچا ... بڑی
تھی انگور ... کثرت سے ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشت ... کے ساتھ
بنائی جاتی ہے۔ (... انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) مترجم

لوگ ان امراض سے شفا کی یہاں آتے ہیں جیسا کہ خود میرا حال تھا وہ بہت جلد بالکل اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور عضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی سی نہ تو سخت ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے برے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں۔ البتہ اس ملک کے لوگ اگرچہ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن تاہم ویسی ہمت اور جرأت نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرد ملک کے لوگوں میں ہے۔ اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کاہلی جو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری سمجھنی چاہیئے جسمیں ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ اور جو فرنگستان کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔

دہلی میں ہندوستانی کاریگروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اسکا سبب یہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صناعی اور کاریگری کی لیاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں بہت سے ہوشیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور بیشمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جنکو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں۔ اور جنہوں نے شاید کسی اُستاد سے بھی تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ اور بعض اوقات تو یہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے تقلید کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیا کے نہایت عمدہ شکاری اور جنگی بندوقیں ہیں۔ اور سونے کے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپ مین سُنار اُن سے بڑھکر شاید ہی بنا سکے۔

مُصوری اور نقاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جسے

دیکھکر میں اکثر حیرت میں آگیا ہوں - جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی بڑی مہموں کی ایک شبیہ جو ایک مشہور اور نامی مصور نے ایک ڈھال پر ساٹھ برس کے عرصہ میں تیار کی تھی اُسنے تو بالتخصیص مجھکو حیران کردیا اور مینے اسکو ایک عجیب کام خیال کیا - مگر ہندوستانی مصور اکثر تصویر میں تناسب اعضا اور اُن حالتوں کے ظاہر کرنے میں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی ہیں سچے ہیں - لیکن اگر ان کو ایک اچھا اوستاد اس فن کے اصول کی تعلیم دے تو یہ عیوب جلد رفع ہو سکتے ہیں - اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس دارالسلطنت شہر میں دستکاری اور ہنرمندی کے اعلی قسم کے نمونوں کا پایا نہ جانا لوگوں کی کُند ذہنی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں اور کارخانداروں کو کچھ ہمت دلائی جاسے تو بیشک مفید اور عمدہ صنعتوں اور حرفوں کو ترقی ہو سکتی ہے - لیکن ان بیچاروں کو واجبی اُجرت بھی نہیں ملتی - بلکہ ان کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے - اور دولتمند لوگ ہر ایک چیز ارزان قیمت پر لینی چاہتے ہیں - اور جب کبھی کسی امیر یا منصب دار کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے بلوالیتا ہے - اور نشرطا ضرورت بیچارے سے جبرا کام لیتا ہے - اور چیز کے تیار ہو جانے پر اُسکی خوبی کے لحاظ پر نہیں بلکہ صرف اپنی اٹکل سے جو قیمت چاہتا ہے دیدیتا ہے - اور کاریگر کوڑوں کی مار سے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے - پس اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخاندار لوگ ایک دوسرے سے بڑھکر ہنر دکھانے میں سعی کریں - بلکہ اُن کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنیکے لیئے

...لک پر قربان کر ڈالی۔ اور یہہ اُنکی اِسی بے مثل جانبازی ہی کی وجہ سے تو
...ی کہ اُن کے دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر اُنکی مورتوں کا قائم رکھنا مناسب
...یال کیا یہہ ہاتھی جنپر یہہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان و شکوہ کے ہیں اور
...و دیکھکر عجب اور ادب کا ایک ایسا خیال مجھپر چھا گیا جسکو میں بیان نہیں کر سکتا*

اِس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو کر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے
جسکے بیچوں بیچ پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ پانچ فٹ یعنی
...ٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا اُس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ پیرس کا
...نٹ ئی آف ہے جسکو چھوڑ کر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محرابدار
...الان بنتے چلے گئے ہیں۔ جنمیں مختلف کارخانوں کے داروغے اور ادنیٰ
...م درجے کے عہدہ دار بغیر اسکے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے
...یں اُن سے اُنکو کچھ تکلیف پہنچے بیٹھے ہوئے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔
...ر منصبدار جو رات کو چوکی دینے آتے ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر ٹھہرتے ہیں۔

* مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے گیارہویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۷۹ ہجری میں
پتھر کے دو پورے قد کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت سے بنے ہوئے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب
نصب تھے اور یہی وجہ سے اُس دروازہ کو ہتھیاپول کہتے تھے شریعت کے لحاظ سے اُٹھوا دیئے تھے ...
نے اپنی مشہور کتاب ... میں ... حساب ... کے ایک عہدہ دار کی ہجو میں ...
جو یہہ شعر لکھا ہے "... صورت عبادت فیلان ہتھیاپول * ... حساب ... کرد ..."
بھی ان ہاتھیوں اور ہتھیاپول کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہہ ظاہر نہیں کہ ہتھیاپول قلعہ شاہجہان آباد کا
کون سے دروازہ کا نام تھا۔ صاحب آثار الصنادید نے ان ہاتھیوں کو ... دروازہ کے آگے بتایا ہے
اور لکھا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب سے ہتھیاپول کہتے تھے۔ پس صحیح بات وہی ہے جو ڈاکٹر برنیر
اور ... مآثر عالمگیری نے اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی لکھی ہے۔ ... مترجم

[illegible]

[illegible] ... خالی ہے ... دونوں ... [illegible]

[illegible] ایک ایسا نشان ... جسکو میں بیان نہیں کرسکتا

اِس دروازے سے گذر کر صحن میں داخل ہو کر ایک لمبا اور ٹھیک راستہ ملتا ہے
جسکے بیچ بیچ پانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ پانچ [illegible]
فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا اس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ پیرس کا
پونٹ ڈی آرٹ ہے جسکو چھوڑ کر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محراب دار
دالان بنتے چلے گئے ہیں۔ جنمیں مختلف کارخانوں کے داروغہ اور
کم درجے کے عہدہ دار بغیر اسکے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے
ہیں ان سے انکو کچھ تکلیف پہنچے بیٹھے ہوئے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں
اور منصب دار جو رات کو چوکی دینے آتے ہیں۔ وہ بھی اس چبوترہ پر ٹھہرتے ہیں

[illegible]

ان دونوں سڑکوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں ہیں جو اُن مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے موافق اُمرا باری باری ہفتہ میں ایک رات دن چوکی دیا کرتے ہیں۔ یہہ مکانات جہاں اُمرا چوکی دیتے ہیں اچھے عمدہ ہیں۔ کیونکہ یہہ لوگ اُنکو اپنے خرچ سے آراستہ رکھتے ہیں اور بہت بڑے بڑے دیوانخانے ہیں اور اُنکے سامنے باغیچے ہیں جنمیں چھوٹی چھوٹی نہریں اور حوض اور فوارے بنے ہوئے ہیں جس امیر کی نوکری ہوتی ہے اُسکے سبب کھانا بادشاہی خاصے میں سے آتا ہے جسکے آنیکے وقت امیر کو ادب سے شکریے کے لئے بادشاہی محل کی طرف رخ کرکے تین دفعہ تسلیمات بجالانا یعنی زمین تک ہاتھ لیجاکر ماتھے تک لانا ہوتا ہے۔ اس کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفتروں کے لئے بہت سے دیوانخانے بنے ہوئے اور شامیانے لگے ہوئے ہیں اور ان میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے موسوم ہیں۔ جن میں ایک اُستاد کار کے ماتحت کسی میں کارچوب اور چکن دوز اور زردوز وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی میں سنار اور کسی میں مصور اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی۔ اور خرادی اور کسی میں درزی اور موچی اور کسی میں دارائی اور چیرا اور کمخاب اور باریک ململ بننے والے جولاہے۔ جو پگڑیاں بنتے اور کمر باندھنے کے پھولدار زری کار پٹکے اور زنانے پاجاموں کے لئے ایسا نازک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال میں

ان دونوں سڑکوں کے سوا اور بہت اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں
ہیں جو ان مکانات کی طرف جاتی ہیں [illegible] موافق اُمرا اور
بازار کی حصہ میں [illegible] کانات [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] آراستہ
[illegible]
[illegible] چھوٹی چھوٹی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] دالان [illegible] میں کاریگر [illegible] مختلف کارخانوں
[illegible] کسی میں کارچوب
اور [illegible] اور کسی میں زردوزی اور
کسی میں [illegible] نقاشی [illegible] کسی میں رنگریز اور کسی میں [illegible]
اور خرادی اور کسی میں [illegible] اور کسی میں [illegible] اور [illegible]
اور کمخواب اور باریک ململ بننے والے ہوتے [illegible]
[illegible] کے [illegible] کاریگر اور [illegible]
ایسا نازک اور باریک کپڑا بنانے میں جو صرف ایک رات کے استعمال میں

بیکار ہو جاتا ہے۔ یہہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے بیس یا تیس روپیہ کی قیمت کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا جبکہ اُسپر سوئی سے نہایت خوبصورت زردی کا کام کیا گیا ہو ہوتا ہے! یہہ تمام کاریگر علی الصباح اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہوکر دن بھر کام کرتے اور شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اور انہیں دھندوں میں انکی زندگی بسر ہوئی چلی جاتی ہے۔ اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اُس سے ترقی کرنے کے لیئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا مثلاً کارچوب اور چکن دوز اور سوزن کار اپنے بیٹے کو اپنا ہی پیشہ سکھاتا ہے اور سنار کا بیٹا سُنار ہی ہوتا ہے۔ اور شہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم کرتا ہے یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے سوا دوسرے پیشہ والے کے ہاں شادی نہیں کرتا اور اس رسم کی پابندی مسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے ہیں جیسے کہ ہندو جنکا شاستر یہی حکم دیتا ہے۔ اور اسکے باعث سے بہت سی خوبصورت لڑکیاں کنواری بیٹھی رہتی ہیں۔ حالانکہ اگر اُن کے والدین پیشہ اور ذات کا خیال چھوڑ دیں تو ان کی شادی اچھی جگہہ ہو سکتی ہے۔

مکان عام و خاص اور نقارخانہ کا ذکر اب ضرور ہے کہ میں عام و خاص کا ذکر کروں جو ان مکانات میں سے گزرنیکے بعد ملتا ہے۔ اور فی الواقع بہت عمدہ اور عالیشان عمارت ہے۔ یہہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے چاروں طرف محرابیں ہیں اور پلیس رائل سے مشابہ ہے۔ اور صرف اسقدر فرق ہے کہ اسکے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے۔ اسکی محرابیں اسس

طور پر بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جا سکتی ہیں۔ اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اُسپر ایک بڑا بالاخانہ بنا ہوا ہے جسکے دروازے اِسکی طرف کو ہیں۔ اور اسوجہ سے کہ اسمیں نفیریاں اور شہنائیں اور نقارے وغیرہ رکھے رہتے ہیں اِس کو نقارخانہ کہتے ہیں جو دن کو اور رات کو اوقات معینہ پر اکٹھے بجائے جاتے اور نو وارد اہل فرنگ کے کانوں کو نہایت ہی کریہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دس بارہ نفیریاں اور اسیقدر نقارے ایک ہی دفعہ بجنے لگتے ہیں ان میں سے بڑی نفیری جسکو "قرنا" کہتے ہیں ۹ فٹ لمبی ہے۔ جسکا نیچے کا موہنہ ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں ہے۔ اور لوہے یا پیتل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم ایک فٹ قطر کا ہے پس اسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نقارخانے سے کسقدر شور و غل پیدا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اوّل ہی اوّل یہاں آیا تو شور کے مارے میرے کان بہرے ہو گئے۔ لیکن عادت ایسی زبردست چیز ہے کہ اب رغبت سے سُنتا ہوں خصوصاً رات کیوقت مکان کی چھت پر لیٹے ہوئے جب دور سے اِسکی آواز سنائی دیتی ہے تو نہایت بھلی[×] اور سُریلی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان کے بجانے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور ان باجوں کی آواز کے اونچا نیچا کرنے اور سُریلی اور سُننے دار بنانے

× میر حسن نے اپنی بے بدل مثنوی معروف بہ سحر البیان میں کیا خوب کہا ہے۔ وہ سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا۔ کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ۔ م ح

تیسا پنے مشتاق ہیں کہ فاصلے سے سنی جائے تو نہایت پیاری لگتی ہے
نقارخانہ ہمیشہ ایک اونچے موقع پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا تھا
تاکہ بادشاہ کو اسکی آواز سے تکلیف نہو! اس دروازہ کے مقابل جسپر
نقارخانہ ہے صحن سے گذر کر ایک بڑا دالان ہے جسکے ستون اور چھت
سنہری کام کے ہیں اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوادار اور تین طرف
سے کھلا ہوا ہے اور اس دیوار کے وسط میں جو محلسرا سے اسکو جدا کرتی
ہے قد آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین بنا ہوا ہے - جہاں ہر روز
بادشاہ دوپہر کے قریب آنکر تخت پر بیٹھتا ہے اور دائیں بائیں شہزادے
کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچھل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکھے جھلتے
یا اور خدمات کے لیئے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے

---

(۱) اس شہ نشین کو سید احمد خان نے تخت سنگین کر کے لکھا ہے - اور اسکی کیفیت یوں بیان
کی ہے کہ دیوان عام کے دالان کے بیچوں بیچ شرقی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز
کا مربع ... ہے جسپر چار ستون لگا کر بنگلہ کے طور پر اسکی چھت بنائی ہے - اور قد آدم سے
... اونچی ہے اور اس کے بیچ میں جو سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا
ایک ... پر ہر قسم کے چرند و پرند کی تصویریں قیمتی قیمتی پتھروں کی بنی ہوئی ہیں
اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو ستار سا کچھ بجا رہا ہے یہہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے
ارفیوس نامے ایک کلاونت کی ہے جسکی کہانی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا
تھا اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چرند پرند اسکی آواز سے مست ہو کر اسکے
گرد آن بیٹھتے تھے - اور اس کہانی کے موافق اسی ملک کے رہنے والے رفیئل نے ایک تصویر
سے جو اس ... تھا اپنے خیال سے ارفیوس کے گانے کا ایک مرقع کھینچا تھا -
یہہ مصور سنہ ۱۵۲۰ ء میں مرا مگر اسکا یہہ مرقع اٹلی اور اور فرنگستانی ملکوں میں بہت مروج اور
نہایت مشہور ہے اور ابتک اسکی نقلیں موجود ہیں - اور یہہ وہی مرقع ہے جو پتھر کی

ہیں اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلا لگا ہوا ہے جسمیں تمام
امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہاتھ باندھے
کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسیقدر فاصلہ پر اسی طرح سے منصب دار
یعنی چھوٹے امرا کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو جگہ خالی رہتی ہے
وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلی و ادنی مفلس و غنی سے بھرا
رہتا ہے کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک شخص اپنی عرض حال

پچی کاری میں جہاں بنایا ہے اور جو کہ اس مرقع کا فرق ... ہے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا
یہاں سے ... ہے کہ اس نمونہ ... میں کوئی ... کا رہنے والا فرنگی شریک
تھا اس طاق کی پشت میں ایک دروازہ ہے ... جس کا ... ہے - بادشاہ اس تخت
پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے - اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے
فرش سے جس کی ... تھا کہ جس پر ... وزیر کھڑا ہو کر بادشاہ سے عرض کرتا تھا - مگر بادشاہ کے
بیٹھنے کا تخت ... اونچا ہے کہ اس تخت کے چڑھنے پر بھی آدمی کا صرف گلا تخت تک پہنچتا
- اس تخت کے آگے یہ لمبا دالان ہے جو سرستر گز لمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے - اور
ہر ایک دالان کے نو نو در ہیں اور ان سب کے ستون سنگ سرخ کے ہیں اور نہایت
خوبصورت محرابیں بنی ہوئی ہیں - اور سب پر گھوٹا کر سنہری ... کی ہے - باہر کے
دالان میں بیچ کے در چھوڑ کر سنگ مرمر کا کٹہرا لگایا ہے - جس پر پہلے سنہری کلسیاں
تھیں جو اب ایک بھی باقی نہیں - یہ دالان امرا اور رئیسوں اور وکلا کے حسب مرتب کھڑے
رہنے کا تھا - یہ دربار کا دالان درحقیقت ایک چبوترہ پر بنا ہوا ہے - جس کا ایک سو چار گز
کا طول اور ساٹھ گز کا عرض ہے - اسکے بیچ میں یہ دالان ہے - اور باقی تین طرف
چبوترہ ہے جسکے گرد قد آدم سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے - جس پر سنہری کلسیاں تھیں
یہ جگہ چوبدار اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال باڑ
کہتے تھے - اور اسکے آگے دو سو چار گز لمبا اور ایک سو ساٹھ گز چوڑا صحن تھا اور اسکے چاروں طرف
قرینہ اور موقع سے مکانات بنے ہوئے تھے اور شمال کی طرف دیوان خاص میں جانیکا دروازہ تھا

کے لیئے باریاب ہو سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اسکو عام و خاص* کہتے ہیں اور ڈیڑھ یا دو گھنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کسیقدر خاصے گھوڑے سامنے کیئے جاتے ہیں تاکہ بادشاہ خود ملاحظہ کر سکے کہ وہ کیسے آراستہ و پیراستہ ہیں! اور ان کے بعد ہاتھی آتے ہیں جنکی میلی کھال خوب نہلا دھو کر سیاہی سے رنگدی جاتی ہے اور دو لال خط سر سے سونڈ کے اخیر تک جہاں دونوں آکر مل جاتے ہیں کھینچدیئے جاتے ہیں اور زربفت کی جھول ڈالکر چاندی کے دو گھنٹے جو ایک نقرئی زنجیر میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں پیٹھ پر سے دونوں طرف لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ اور سفید سُرہ گائے کی دُمیں جو بڑی تبت سے آتی اور بیش قیمت ہوتی ہیں لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی مونچھیں سی معلوم ہوتی ہیں اور دو چھوٹے ہاتھی جو وہ بھی خوب سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدمتگاروں کیطرح ان بڑے ہاتھیوں کے

* خافی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ چونکہ شاہجہاں سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں دربار عام کے لیئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دُھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو اسلیئے شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعۂ آگرہ اور لاہور اور برہانپور میں دربار عام کے لیئے چالیس چالیس ستون کی تین عالیشان عمارتیں بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام و خاص ان کا نام رکھا۔ چنانچہ آگرہ کا عام خاص جب تیار ہو گیا تو ملک الشعرا ابوطالب کلیم نے انکی تعریف میں یہہ رباعی کہی۔

رباعی

ایں تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست ٭ رفعت حرفے ز زینۂ پایۂ اوست
بافیست کہ ہر ستون سنرش بیروں ست ٭ کاسائیش خاص و عام در سایۂ اوست

ساتھ رہتے ہیں اور یہ ہاتی جھوم جھوم کر اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے زرق برق کے ساز و سامان اور اپنی آن بان پر نازاں ہیں۔ اور جب تخت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہاوت جو گردن پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے لوہے کی ایک نوکدار چیز چھوکر انکو بڑھاوا دیتا اور زبان سے کچھ کہتا ہے اور اُسوقت یہ جانور گھٹنا ٹیک کر اور سونڈ اوپر کو اٹھا کر چنگھاڑتا ہے جسکو لوگ اُنکی تسلیمات خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اور جانور پیش ہوتے ہیں مثلاً سدھائے ہوئے ہرن جو لڑائے جاتے ہیں اور نیل گائیں اور گینڈے اور بنگالہ کے بڑے بڑے بھینسے جنکے سینگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ اُنسے وہ شیر کے ساتھ لڑ سکتے ہیں اور چیتے جنسے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے خوبصورت شکاری کتے جو ملک ازبک (بخارا وغیرہ) سے آتے ہیں۔ اور جن پر سرخ رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی ہوتی ہیں پیش ہوتے ہیں اور اخیر میں ہر قسم کے شکاری پرند جو تیتر کلنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہرن پر بھی چھوڑے جاتے ہیں جنپر یہ نہایت تیزی کے ساتھ جھپٹتے اور پنجے اور ٹھونگی مار مار کر انکو ادھا کر دیتے ہیں! ان جانوروں کے پیش ہونیکے علاوہ اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرائے جاتے ہیں جنکی پوشاک اسوقت روزمرہ کے لباس کی بنسبت ذرا متکلف ہوتی ہے۔ اور گھوڑوں پر پاکھریں پڑی ہوئی اور انواع و اقسام کے زیور مثلاً ہیکل جھانجھے وغیرہ سے سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اس تماشے سے

بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ مردہ بھیڑیں جنکا پیٹ صاف کرکے بھر دیا جاتا ہے نوجوان اُمرا۔ منصب دار۔ گرز بردار۔ اور اصحاب علاوہ انپر تلوار سے اپنے کرتب دیکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں جو بنگ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اُمور دربار کے شروع میں ہوا کرتے ہیں اور ان کے بعد زیادہ اہم معاملات پیش ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سواروں کو صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ جب سے لڑائی بند ہوئی ہے کوئی سوار یا پیدل ایسا نہیں جسکو بادشاہ نے بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل نہ کی ہو۔ چنانچہ آسنے کسی کی تنخواہ بڑھا دی اور کسی کی کم کردی اور کسیکو بالکل ہی موقوف کردیا ہے۔

اِس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام و کمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں۔ اور بادشاہ بذات خود مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے۔ اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دس غربا کی عرضیاں سنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چن لیئے جاتے ہیں اور جنکے پیش کرنیکا کام ایک نیک اور دولتمند اور مسن شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کی کمرے میں جسکو "عدالت خانہ" کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھکر داد رسانی کرتا اور اسمیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔ اور اس سے بخوبی عیاں ہے کہ ایشائی بادشاہ جنکو ہم اہل یورپ جاہل اور ناتراشیدہ خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی دادوہی اور انصاف رسانی سے

جو اُن پر واجب ہیں غفلت نہیں کرتے۔

جو حالات اس دربار عام وخاص میں گزرتے ہیں اور جنکا میںنے ابھی ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہ سب معقول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور مکروہ خوشامد گری اور بجاجت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ بھی مجھے آپ پر ظاہر کر دینی واجب ہے چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے موہنہ سے نکلتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کیوں نہ ہو تمام دربار اور بڑے بڑے اُمرا آسمان کیطرف دونوں ہاتھ اُٹھاکر جس طرح کوئی خدا کی رحمت کو لیتا ہے اُس لفظ کو لیکر اور "کرامات کرامات" کہکر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے۔ اور حقیقتاً مغلوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکو یہ بیت یاد نہ ہو اور وہ اسکو فخریہ طور پر نہ پڑھتا ہو " اگر شہ روز را گوید شب ست ایں ؎ بباید گفت اینک ماہ و پرویں ؎" یعنی اگر بادشاہ رات کو دن بتاوے تو کہدینا چاہیئے کہ دیکھئے وہ چاند اور ستارے نظر آرہے ہیں۔ اور یہ خوشامد گری کا عیب کیا ادنے کیا اعلی سب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی مغل کو مجھسے معالجہ کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے مجھکو یہ کہتا ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے ارسطو اور بقراط اور بوعلی سینا ہیں۔ چنانچہ اول اول تو میںنے اس حرکت کو روکنا چاہا اور کہا کہ جسقدر آپ میری تعریف کرتے ہیں میں ہرگز اسکے لائق نہیں ہوں۔ اور مجھکو اُن بزرگوں سے کچھ نسبت نہیں۔ لیکن جب دیکھا کہ میرا انکسار انکو اور زیادہ مبالغہ کرنے پر آمادہ

کرتا ہے تو مجبوراً اپنے کانوں کو انکی خوشامدی باتیں سُننے کا ویسا ہی عادی بنا لیا جیسا کہ اُن کے موسیقی باجوں کے سُننے کا۔ اس موقع پر میں ایک لطیفہ آپکو سناتا ہوں اس سے آپکو یہاں کے لوگوں کا خاصہ طبعی معلوم ہوگا۔ ایک پنڈت جسکی اپنے آقا سے میں نے ہی ملاقات کرائی تھی ایک روز اُسنے اپنے ایک اشلوک میں اول تو انکو اُن بڑے بڑے فہمندوں سے جو دنیا میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوئے ہیں زیادہ بتایا۔ اور پھر سیکڑوں مہملات اور واہیات بک کر اپنے کلام کے اخیر میں بڑی سنجیدگی سے یہہ کہا" کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپکے قدموں کے نیچے زمین کانپنے لگتی ہے۔ کیونکہ وہ آٹھ ہاتی جو اسکو اپنے سر پر اُٹھائے ہوئے ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اُٹھانے کی تاب نہیں لا سکتے" جسکو سُنکر میں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے "آغا" سے جو میری طرح انکو بھی ہنسی آگئی تھی شوخی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بنا کر کہا کہ آپ ذرا سمجھکر گھوڑے پر سوار ہوا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بھونچال آکر دُنیا درہم و برہم ہو جائے جس کے جواب میں اُنہوں نے فوراً یہہ کہا کہ اسی وجہ سے تو میں پالکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے غسل* خانہ کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت ہے۔ اور یہہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کی برابر نہیں ہے مگر نہایت خوبصورت اور وسیع اور روغنی اور سنہری کام کا ہے اور ایک بڑے

نشیں کی طرح چار یا پانچ فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھکر وزرا سے جو ادھر ادھر کھڑے ہوتے ہیں تخلیے میں اُمرا اور صوبہ داروں کی عرائض سنتا اور سلطنت کے اہم معاملات پر غور کرتا ہے۔ اور جس طرح صبح کو عام و خاص کے دربار میں حاضر نہ ہونیکے باعث اُمرا پر جرمانہ کیا جاتا ہے یہاں شام کو حاضر نہ ہونے پر سزا ملتی ہے۔ البتہ صرف میرے "آقا دانشمند خاں" ایک ایسے امیر ہیں جنکو اُنکے علم و فضل اور شوق مطالعہ اور سرانجام اُمور ممالک غیر کی وجہ سے معافی حاصل ہے لیکن چہارشنبہ کو جو اُنکی چوکی کا دن ہے اُن کو بھی اور اُمرا کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے! یہہ دو وقتہ حاضری کی رسم نہایت پرانی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر شکایت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خود بادشاہ سوائے کسی ضروری یا سخت بیماری کی حالت کے دونو وقت دربار میں آنا اپنا فرض جانتا ہے۔ چنانچہ اورنگزیب کی پچھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار کے دونوں مقاموں میں ہر روز ایک میں تو ضرور لوگ اُسکو اُٹھا کر لے آتے تھے کیونکہ اُسنے اقل درجہ رات دن میں ایک بار لوگوں کو اپنا دیدار دکھانا واجب سمجھا تھا اسلیئے کہ ایسا شدید بیمار تھا کہ اُسکا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا ہی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد کے پھیل جانے اور شہر میں ہڑتال ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔

اگرچہ غسل خانہ کے دربار کے موقع پر بادشاہ اُن اُمور میں مصروف رہتا ہے جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق یہاں بھی زیادہ تر وہی جانوروں وغیرہ کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر

چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہا اور سامنے کا صحن بھی مختصر ہے اسلئے امرا کے سالوں کا لحاظ نہیں ہو سکتا - لیکن اسوقت کے دربار کی یہہ خاص رسم ہر کہ جن منصبداروں کی چوکی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے بڑے قرینے اور ترتیب سے سامنے سے گزر جاتے ہیں - جنکے آگے آگے لوگ "قور" ہاتھوں میں لیئے ہوئے چلتے ہیں جو چند خوبصورت نقرئی چیزیں ہیں جو چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑیوں کے سروں پر لگائی ہوئی ہوتی ہیں جنمیں سے دو بڑی مچھلی کی شکل کی ہیں اور دو ایک مہیب اور خیالی جانور کی صورت کی جسکو "اژدہا" کہتے ہیں اور کچھ شیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض ترازو کی صورت کی اور بہت سی اور بیشمار وضع کی جنکے ایک طرح کے بعید الفہم معنی بتاتے ہیں ! ان لوگوں میں بہت سے گرز بردار بھی ہوتے ہیں جو قد آور اور وجیہ دیکھکر بھرتی کئے جاتے ہیں اور جنکا یہہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچائیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اُسکی تعمیل کریں -

شاہی محلسرا کا بیان اب میں نہایت خوشی سے آپکو بادشاہی محل سرا کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ قلعہ کی اور عمارات کی کرائی ہے - لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دیدہ بیان کرنی ناممکن ہے - کیونکہ بادشاہ کے دہلی میں موجود نہ ہونیکے وقت اگرچہ مجھے کئی دفعہ وہاں جانیکا موقع ملا - اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بیگم کے علاج کی ضرورت سے جو شدت مرض کیوجہ سے معمول

کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لائی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر
جانیکا اتفاق ہوا گر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اڑھا دی گئی
تھی کہ ایک لمبے سکارف (اوڑھنی) کی طرح پاؤں تک لٹکتی تھی
اور ایک خواجہ سرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اس طرح لیگیا تھا جیسے کوئی
اندھے کو لیئے جاتا ہے! اسلیئے آپکو صرف اُسی پر قناعت کرنی چاہیئے
جو بعض خواجہ سراؤں سے سُنکر یہیں لکھا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ محلسرا میں
بیگمات کے مدارج اور حیثیت اور اُنکی معاش کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ بہت
خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جنکے دروازوں کے سامنے
حوض اور سب طرف باغیچے اور دلچسپ روشیں اور سایہ دار آرامگاہیں اور نہریں
اور فوارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر عمیق تہخانے اور رات کو
خنکی میں آرام کرنے کے لیئے اونچے اونچے صُفّے اور صحن پہ تر سے بنے ہوئے
ہیں اور ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو مطلقاً
دخل نہیں ہے۔ اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے بُرج کی جو دریا کی طرف ہے
حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جسمیں آگرہ کے دونوں برجوں کی طرح سونے
کے ورق چڑھے ہوئے اور لاجوردی کا کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار
بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں۔*

---

* تاریخ الصنادید میں اس برج کا نام برج طلا یا مثمن برج لکھا ہے۔ اور دست پاؤں تک سنگ مرمر کا بنا ہے
جسمیں سونیکا کام اور پچیں کاری اور منبت کاری کی ہوئی ہے جو کلس بہت بامرتبہ سنہری ہے
اور ہشت پہلو ہونیکے باعث مثمن برج کہلاتا ہے۔ تین ضلعے اس کے خوابگاہ کی عمارت کی طرف
ہیں اور پانچ دریا کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک نشیمن بعد

دربار جشن عام و خاص کا بیان

اب قبل اسکے کہ میں قلعہ کا بیان ختم کروں آپکو دوبارہ عام وخاص کی طرف متوجہ کرنا اور ان سالانہ جشنوں اور درباروں کی کیفیت سنانی چاہتا ہوں جو میںنے اسمیں ہوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھکر کوئی تماشا میںنے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام و خاص کے صدر میں تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اسکی پوشاک نہایت نازک اور پھولدار ریشمی کپڑے کی تھی جسپر بہت ہی عمدہ زری کا کام کڑھا ہوا تھا اور زری کا زنبفت پل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا جسمیں ایک پکھراج ایسا تھا جو لاثانی کہا جا سکتا ہے۔ اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا اور بڑے بڑے موتیوں کا کنٹھا گلے میں تھا جو ہندوؤں کی مالا کی طرح پیٹ تک لٹکتا تھا

یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے جنکو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں جنمیں یاقوت اور زمرد اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ مگر میں انکی تعداد اور قیمت بیان نہیں سکتا۔ کیونکہ کسیکو اسقدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ ان کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور اور جواہرات بہت ہی ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اسکی قیمت چار کروڑ روپے جانچی گئی تھی۔ اور اسکو اورنگ زیب کے باپ شاہجہاں نے اسلئے بنوایا تھا کہ بیشمار جواہرات جو خزانہ میں قدیم راجاؤں اور پٹھان بادشاہوں کی

برآمدے سکے دریا کے رخ بنا ہوا ہے۔ س م ح

لوٹ اور ان پیشکشوں کے ذریعے سے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص موقعوں
پر نذر گزراننے لازم ہیں وقتاً فوقتاً جمع ہو گئے تھے لوگ آنکھ و دیکھیں تو اسکی
ساخت اور کاریگری ان جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے البتہ دو سو جو
موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور نہایت عمدہ
نقشے پر بنے ہیں اور ان کو ایک صناع نے جسکی کاریگری اور ہنرمندی حیرت
کے لائق تھی اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا اور جسنے یورپ سے بہت
رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دیدے تھے جنکو وہ ایک خاص حکمت سے تیار کرتا
تھا خوب لوٹا تھا اور پھر بھاگ کر شہنشاہ مغل کے ہاں پناہ آن لی تھی اور
یہاں بھی خوب دولت کمائی تھی بنایا تھا -

ملاعبد الحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہ نامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے
بعینہ بجنسہ ہم یہاں بلفظہ نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

چوں بمرور ایام در جواہر خانہ اقسام جواہر نفیسہ که ہر یک شایستہ گوشوارہ ناہید و زہرہ بود
فراہم شدہ بود و در جواہر خانہ بادشاہی جمع آمدہ بود در آئینہ ضمیر مقدس ضمیر الہام پذیر منطبع
گردید که از تحصیل چنین تحف نفیسہ جز این نیست که مطمح نظر دوربین جز دولت
آرائی دیگر نیست و از این امر دیگر نیست پس در جائے بکار باید برد که تماشائیان
انجمن جہان از دیدار این نتائج بحر و کان بہرہ برگیرند و ہم کارگاہ سلطنت را فروغ تازہ
پدید آید۔ حکم شد که سوائے جواہر خاصہ که در جواہر خانہ مشکوئے معلیٰ بسر می شد از قسم
لعل و یاقوت و الماس و مروارید و قیمتی و زمرد که دو صد لک روپیہ قیمت آنست برچہ در تحویل
خازنان بیرون است از نظر انور گذرانند و جواہر ثمینہ گران سنگ را که پنجاہ ہزار مثقال است
و مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ بہائے آن شدہ بود انتخاب نمودہ بے بدل خان داروغہ
زرگر خانہ حوالہ فرمودند تا یک تخت طلائے ناب که یکصد و پنجاہ ہزار مثقال است د

تخت کے نیچے کے چبوترے پر جسکے گرد چاندی کا کٹہرا لگا ہوا اور اوپر زری کی جھالر کا ایک پُر زر بیش شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اُمرا نہایت تکلف پوشاکیں پہنے کھڑے تھے۔ اور مکان کے ستون زربفت سے منڈے ہوئے اور ریشمی مشجر کے شامیانے جن میں ریشم اور زری کے پھندنے لگے ہوئے تھے تنے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمی قالین

مبلغ یکصد لک روپیہ قیمت آن تخت طول سہ گز و ربعی و عرض دو و نیم گز و ارتفاع پنج گز سرکاری نموده بجواہر مذکوره ترصیع نمایند مقرر شد که سقف آن را از درون بیشتر میناکار سقف مرصع و بیرون بلعل و یاقوت و جز آن مرصع حرف ساخته بر زبر دو اساطین دوازده گانه را از زمرد و بالاے آن دو پیکر طاوس کلل بر دامن جواہر و درمیان ہر دو طاوس درختے مرصع بلعل و الماس و زمرد و مروارید تعبیہ کنند. و براے عروج سہ پایہ نردبان مرصع بجواہر آبدار ترتیب دہند در مدت ہفت سال این تخت عرش مثال بمبلغ صد لک روپیہ کہ سہ صد و سی و سہ ہزار تومان عراق و چہار کرور خانی رایج ماوراءالنہر است صورت اتمام یافت۔ از جملہ یازده تختہ مرصع کہ در دو آن براے تکیہ نصب نموده اند تختہ میانگی کہ خاقان سلیمان مکان بر آن دست حق پرست گذاشتہ تکیہ زده می نشستند ده لک روپیہ قیمت دارد از جواہرے کہ درین تختہ نشانده اند لعلیست در وسط آن بقیمت یک لک روپیہ کہ شاه عباس والی ایران مصحوب زینل بیگ برسم ارمغان نزد حضرت جنت مکانی ارسال داشتہ بود و آن حضرت در جلدوے فتح دکن بخاقان ممالک ستان حضرت صاحبقران ثانی بدست علامی افضل خان در دکن فرستاده بودند اسم سامی قطب الملۃ والدین حضرت صاحبقران اول و میرزا شاہرخ و میرزا الغ بیگ بر آن منقوش بود بعد از آنکہ بانقلاب ایام و انقضاے عوام بدست شاه عباس افتاد نیز نام خود را بر آن مرتسم گردانید۔ چون بحضرت جنت مکانی رسید نام نامی خود را با نام سامی پدر بزرگواران نگاشتند۔ اکنون باسم گرامی پادشاه ہفت اقلیم شہنشاه تخت و دیہیم آب و تاب تازه

بچھے ہوئے تھے اور باہر ایک خیمہ جسے "اتنبک" کہتے ہیں اور جو اس مکان سے بھی بڑا ہے اسکی چھت کے ساتھ ملا کر لگا یا ہوا تھا جو صحن کے نصف تک پھیلا ہوا اور چاروں طرف سے چاندی کی پتیوں سے منڈھی ہوئے کٹہرے سے گھرا ہوا تھا اور چوبیں بھی چاندی سے منڈھی ہوئی تھیں جن میں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مستول اور باقی چھوٹی تھیں

بیت سے اندازہ [illegible] فاضل [illegible] مثنوی [illegible] محمد صالح قدسی نے تخت [illegible] بیت
مینا سے سرور [illegible] تخت کا [illegible]

مثنوی

زہے فرخندہ تخت [illegible] | کہ شد ساماں بتائید الٰہی
فلک یک روز [illegible] ایں کمل | [illegible] گرد [illegible] اول
تکلف [illegible] تند پاک | بمینا کاریش مینائی افلاک
ہر ایں تخت [illegible] مقصود | [illegible] حکمت [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] شیدہ | [illegible]
[illegible] جہاں پاک | [illegible] گنج خاک [illegible] خاک
[illegible] پایش | [illegible]
[illegible] سود | گردوں پایۂ تخت [illegible]
[illegible] | [illegible] عرش و کرسی [illegible]
[illegible] گشتہ [illegible] | چراغ [illegible]
[illegible] مینا | [illegible] چراغ [illegible] مینا
[illegible] | [illegible] پایش [illegible]
[illegible] لعل [illegible] | [illegible] فلک [illegible]
[illegible] شاہ جہاں [illegible] | [illegible] پایۂ قدرش فلک [illegible]

(خزانۂ عامرہ [illegible])

اس عالیشان خیمہ کے باہر کیطرف سرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب چھلی پٹ کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی جو اسی غرض سے بنائی گئی تھی۔ اور جیسے بیل بوٹے ایسے قدرتی طور کے اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ ایک تختۂ گلزار معلوم ہوتا تھا - اور چونکہ سب اُمرا کو حکم دیا گیا تھا کہ عام و خاص کی غلام گردش کی ایک ایک محراب کی زیبائش و آرائش وہ اپنے اپنے خرچ سے کریں اسلئے بادشاہ کی زیادہ تر رضامندی حاصل کرنیکے خیال سے ہر ایک نے دوسرے سے بڑھکر اُنکی زیب و زینت میں کوشش کی جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ تمام در و دیوار سر سے پانوں تک کمخاب اور زربفت میں غرق اور فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ و پیراستہ ہوگیا۔

جشن کے تیسرے دن اوّل بادشاہ اور اُسکے بعد اکثر امرا بڑے تکلف کے ساتھ بڑی بڑی ترازوؤں میں جنکے پلڑے اور بٹے سونے کے تھے تولے گئے اور مجھے یاد ہے کہ یہہ دیکھکر اورنگ زیب کا وزن سال گزشتہ کی بہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار نے نہایت ہی مسرت ظاہر کی!
اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں لیکن اس شان و شوکت کا جشن کبھی نہیں ہوا

گند شاہ ماں تحتش چوں تحت
خدا وند کہ عرش و کرسی از وست
اثر ما قیست تاکوا مکاں را
بود تختے چنیں ہر روز جایش
ہو تا تخش ماں پر سیاہ دل

خراج عالمی را خرج یک تخت
تواند قدرتش تختے چنیں ساخت
بود بر تخت جا شاہ جہاں را
خراج ہفت کشور زیر پایش
گفت (اورنگ شاہنشاہ عادل)

دیگرے ایں تاریخ یافتہ ۶ زسریر ہمایون صاحبقرانی) " سنہ ۱۰۴۴ ھ " (سراج)

اور نہ اسقدر کبھی خرچ ہوا - لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کر و فر کے ساتھ جشن کرنے سے یہہ مقصود تھا کہ سوداگروں کو جنکا کمخاب وغیرہ لڑائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکنے نہ پایا تھا کچھ فائدہ ہو جائے ! اس جشن میں اُمرا کو بہت خرچ پڑا اور آخر کار اسکا ایک حصہ فوج کے بیچارے سواروں کے سر تھوپا جنکو اپنے اپنے امیر کے حکم سے مجبوراً قباؤں کیواسطے کمخاب خریدنا پڑا

رسم سالانہ جشنوں کے موقع پر ایک قدیمی دستور ہے جسکو اُمرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی اُنکو ایک عمدہ پیشکش نذر کرنا پڑتا ہے جسکی قیمت بمناسبت اُنکی تنخواہوں کے کم یا زیادہ ہوتی ہے اور بعض امرا نہایت ہی عمدہ عمدہ چیزیں پیش کرتے ہیں اور یہہ کبھی بغرض نمائش اور کبھی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست برد کی تحقیق و تفتیش کے حکم دینے سے جو انہوں نے اپنے بر سر عہدہ ہونے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز رہے اور بعض اوقات اُسکے خوش کرنے اور اس طرح پر اپنی تنخواہ بڑھوا لینے کے لیے ہوتا ہے - چنانچہ بعض تو عمدہ موتی اور ہیرے اور زمرد اور یاقوت پیش کرتے ہیں اور بعض سونے کے مرصع برتن اور بعض بہت سی اشرفیاں جو بارہ بارہ روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں - چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقع پر جو اورنگ زیب نے بلحاظ جعفر خاں کے وزیر ہونے کے بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے اُس کی نو تعمیر حویلی کے دیکھنے کے حیلہ سے اُسکے ہاں گیا تو اُسنے اڑھائی لاکھ روپیہ کی اشرفیاں اور کچھ عمدہ موتی اور ایک لعل جسکی قیمت ایک لاکھ روپیہ آنکی

گئی تھی نذر کیا۔ مگر شاہجہاں نے جو جواہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتا تھا اُسکی قیمت صرف ساڑھے بارہ سو روپیہ سے بھی کم تجویز کی جسکو سنکر وہ بڑے بڑے جوہری جنہوں نے اسکے جانچنے میں بالکل دھوکا کھایا تھا حیران رہ گئے

زنانہ بازار کا ذکر

کبھی کبھی ان جشنوں کے وقت محلسرا میں ایک فرضی بازار بھی لگایا جاتا ہے جسمیں اُمرا اور بڑے بڑے منصبداروں کی خوبصورت اور دلربا بیبیاں دوکانیں لگاکر بیٹھتی ہیں اور عمدہ کمخاب اور نئی نئی وضع اور عمدہ زردوزی کام کی چیزیں اور زری کا رندیلیں اور سفید باریک کپڑے جو امیرزادیوں کے استعمال میں آتے ہیں اور اور بیش قیمت چیزیں فروخت کرنیکو رکھتی ہیں اور بادشاہ اور اُسکی بیگمیں اور شاہزادیاں اور اور عالی رتبہ خاتونیں خریدا کرتی ہیں اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور حسین ہوتی ہے تو اُسکی ماں اُسکو ضرور اپنے ساتھ لیجاتی ہے۔ تاکہ بادشاہ کی نظر پڑجائے۔ اور بیگمات سے بھی تعارف ہو جائے۔ اس میلہ کا بڑا لطف یہہ ہے کہ ہنسی اور مذاق کے طور پر خود بادشاہ ایک ایک پیسہ کے لیئے جھگڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہہ بیگم صاحب بہت گراں فروش ہیں دوسری جگہہ سے اس سے اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کوڑی بھی زیادہ نہ دینگے اُدھر وہ کوشش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور جب دیکھتی ہے کہ بادشاہ زیادہ قیمت نہیں لگاتا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑھ جاتی ہے کہ یہہ کہہ اُٹھتی ہے کہ آپ اپنے برت بیچے کی خبر لیں ان چیزوں کی قیمت آپ کیا جانیں اور

یہ آپ کے لائق نہیں ہیں بہتر ہے کہ کسی اور جگہ تلاش کریں اور بیگمیں بادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدنا چاہتی ہیں غرض کہ دونوں طرف سے ایسی گفتگو بڑھ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سوانگ سا معلوم ہوتا ہے مگر آخر کار سودا طے ہو جاتا ہے اور بادشاہ اور بادشاہزادیاں اور بیگمیں جو چیزیں ادھر ادھر سے خریدتی ہیں انکی قیمت نقد دیتی ہیں اور روپیوں کی بجائے اشرفیاں اس طور سے ہاتھ سے ڈال دیتی ہیں کہ گویا دوکاندار یا اسکی بیٹی کے حسن و جمال نے انکو ایسا محو کر دیا ہے کہ روپیوں اور اشرفیوں کی تمیز بھی نہیں رہی اور ویسی ہی بے پروائی سے دوکاندار انکو اٹھا لیتی ہے اور اسی طرح سے یہ میلہ لگتا اور برخاست ہو جاتا ہے۔

شاہجہاں عورتوں کی طرف ذرا زیادہ مائل تھا۔ اور اگرچہ بعض امرا کو ناگوار گزرتا مگر وہ ہر ایک جشن کے موقع پر یہ سوانگ کرایا ہی کرتا اور فی الواقع یہاں تک اعتدال سے گزر جاتا تھا کہ اس موقع پر ان عورتوں کو بھی محل میں بلا لیتا اور رات بھر وہیں رکھتا تھا جنکو کنچنی کہتے ہیں جسکے معنی ہیں سونے سے ملمع کی ہوئی اور پھول کی طرح کھلی ہوئی اگرچہ یہ عورتیں بازاری نہیں بلکہ ایک خاص طور کی اور با عزت ہوتی تھیں جو بیاہ شادی کے موقع پر امرا اور منصبداروں کے ہاں صرف ناچنے گانے کے لیے جاتی تھیں! ان کنچنیوں میں اگرچہ اکثر صاحب حسن و جمال ہیں اور لباس و پوشاک بھی عمدہ رکھتی ہیں اور گانے میں بھی ان کو کمال ہے اور ناچنے میں تو اپنے اعضا کو اس خوبی سے لچکاتی اور اس سرعت اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے

اور تال و سم میں بھی درست رہتی ہیں مگر پھر کسبی ہیں۔

شاہجہاں اسی پر قناعت نہ کرتا تھا کہ یہ عورتیں اس میلہ میں آئیں بلکہ بُدھ کے روز جو معمول کے موافق دربار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر رات بھر کے لیئے ٹھہرالیتا اور اُن کے ناچنے گانے سے حظ اٹھاتا تھا۔ لیکن اورنگ زیب باپ سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ اور اسنے ان کا محل میں آنا بالکل بند کردیا ہے مگر معمول کے موافق چہارشنبہ کو دربار میں حاضر ہونے سے منع نہیں کیا۔ اور صرف دُور سے سلام کرکے رخصت ہوجاتی ہیں!

اب چونکہ میں جشن اور مینا بازار اور کنچنیوں کا ذکر کر رہا ہوں تو ایک واقعہ کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جو برنارڈ Burnard نامے ہمارے ایک ہموطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ میرے نزدیک بھی پلوٹارک*

---

* پلوٹارک قدیم زمانہ کا ایک مشہور مصنف ہے یہ کرونیا کا رہنے والا تھا جو یونان کے ضلع بوٹیا میں ایک شہر ہے۔ اسکی پیدائش کا زمانہ ٹھیک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ کلاڈیس رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی ۴۵ء سے لیکر ترین۵ عیسوی کے کسی سال میں پیدا ہوا تھا یہ ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھا اور نے ایمونیس حکیم سے فلسفہ کے وہ اصول سیکھے جو نفس ناطقہ اور قوائے عقلی سے متعلق ہیں اور اس میں بڑی شہرت حاصل کی۔ علم اخلاق اور علم رجال میں اسکی بہت سی تصنیفات ہیں اور اسکی عمدگی خیالات اور عبارت علی الخصوص اس طور کی خوبی کا اثر جو اسکی تمام تحریروں میں پائی جاتی ہے پڑھنے والوں کی زبان تک محدود نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور گرویدہ کرلیتا تھا۔ اسکی تصنیفات میں سے جس کتاب نے اسکو حیات جاودانی بخشی وہ روم اور یونان کے چھیالیس مشہور و معروف لوگوں کا تذکرہ ہے جسکے ترجمے فرانسیسی انگریزی اور جرمن وغیرہ میں ہوگئے ہیں۔ اسکی وفات کا سال [illegible] قیاس کیا گیا ہے کہ شہنشاہ ہیڈرین رومی کے پانچویں سنہ جلوس میں [illegible] ہوا تھا (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) (س۔م۔ح)

Plutarch

کا یہ قول صحیح ہے کہ " جزوی اور خفیف باتوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات ان سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و ذکا کے باب میں صحت کے ساتھ رائے قائم کرنے میں بڑی بڑی باتوں کی بہ نسبت زیادہ مدد ملتی ہے" اسلیئے اگرچہ یہ ایک ہنسی کا قصہ ہے مگر تاہم سننے کے لائق ہے!

برنارڈ جہانگیر کے عہد میں ایک نامی اور فی الواقع ایک ثابت کار طبیب اور جراح تھا اور بادشاہ اسپر بہت مہربانی کرتا تھا۔ چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہو جاتا تھا اور دونوں حد سے زیادہ شراب پی لیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے اور بادشاہ کا یہ حال تھا کہ شب و روز عیش و نشاط میں مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی مشہور و معروف بیگم نورجہاں کو سونپ رکھا تھا جسکی نسبت اسکا یہ قول تھا کہ " اسکی عقل و دانائی سلطنت کے انتظام کے لیئے کافی ہے مجھے دخل دینے کی حاجت نہیں" برنارڈ کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس روپیہ روز تھی مگر شاہی محلسراؤں اور امرا کے محل میں معالجہ کے لیئے جانے کے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ صرف اسکے طبیب ہونے کی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج میں دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھکر اسکی تواضع کرتے تھے اسکو بہت کچھ حاصل ہوتا تھا مگر وہ روپیہ کی کچھ بھی قدر نہ کرتا تھا اور ایک ہاتھ سے لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا تھا اور اس لیئے سب لوگ اسکو عزیز جانتے تھے خصوصاً

"کنچن" جنکو اُسنے بہت کچھ کھلایا تھا۔ پس اُسکے ہاں جو ہمیشہ رات کو ان عورتوں کا جمگھٹ ہوتا تھا یہ اُن میں سے ایک نوخیز عورت پر جو نہایت حسین اور ناچ میں مشہور تھی فریفتہ ہوگیا اور ہرچند طرح طرح کی کوششیں کیں لیکن اُس عورت کی ماں اس خیال سے کہ کم عمری کی وجہ سے اُسکے حسن وجمال اور تندرستی میں فرق نہ آجا ے ایک لحظہ اُسکو اپنی نظر سے علٰیحدہ ہونے دیتی تھی اسی حالت میں جبکہ یہ آرزو معشوق کے وصال سے مایوس ہو رہا تھا ایک دن جہانگیر نے جو سرِ دربار اُسکے ایک بے نظیر علاج کے صلہ میں اُسکو انعام دینا چاہا تو اُسنے عرض کیا امیدوار ہوں کہ حضور معلی اس انعام سے معاف رکہیں اور بجائے اسکے میری التجا منظور فرمائیں کہ یہ نوجوان کنچنی جو ارباب نشاط کے ساتھ سلام کو حاضر ہوئی ہے مجھے عنایت ہو۔ تمام دربار اُسکے اس عذر اور ایسی درخواست کے کہنے سے جو اُسکے عیسائی اور اس کنچنی کے مسلمان ہونے کی وجہ سے شاید ہی قابل قبول معلوم ہوتی تھی مسکرایا۔ لیکن جہانگیر نے جسکو دین اور مذہب کا کچھ بھی خیال نہ تھا ایک بڑا قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اس کنچنی کو اسکے کاندھے پر بٹھا دو اور کہو کہ لیجائے - چنانچہ فوراً بھرے دربار میں یہ اُسکے کاندھے پر بٹھا دی گئی اور وہ اس انعام کو لیکر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا۔

ہاتھیوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر جشن کا اختتام ہمیشہ ایک ایسے تماشے پر ہوتا ہے جس سے یورپ میں کوئی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی پر جو عام خلقت کے سامنے جمنا کی ریتی میں لڑائے جاتے ہیں اور

بادشاہ اور بیگمات اور تمام اُمرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہ تماشا دیکھتے ہیں چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھ فٹ اونچی بنائی جاتی ہے اور اسکے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جنپر دو دو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کیئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اسلیئے ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا انکس سے اسکو چلائے - اور یہ لوگ کبھی تو انکو بڑاوا دیکر اور کبھی برا بھلا کہکر اور پانوؤں سے ہول کر آگے بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ یہ بیچارے جانور دیوار کے پاس پہنچکر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر خوف آتا اور سر اور سونڈ اور دانتوں کے زخموں سے ان کا زندہ بچنا تعجب معلوم ہوتا ہے - یہ لڑائی اکثر دیر تک ہوتی اور مٹی کی دیوار آخرکار گر جاتی ہے اور زبردست اور دلیر ہاتھی اسکو پھاند کر حریف پر حملہ کرتا اور اسکو بھگا دیتا ہے اور ایسا پیچھا دباتا ہے کہ آتشبازی کی چرخیوں کے بغیر جو انکے بیچ میں چھوڑ دی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہ جانور بالطبع ڈرپوک ہے اور خصوصاً آگ سے بہت ڈرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشی ہتھیار لڑائی میں برتے جانے لگے ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کارآمد رہ گئے ہیں اور اگرچہ سراندیپ کے ہاتھی سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں - مگر خواہ کہیں کے ہوں یہ ان جنگ میں لیجانے سے پہلے برسوں تک ڈر نکلنے کے لیے انکے کانوں کے پاس بندوقیں اور ٹانگوں میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں -

اِن عظیم الشان جانوروں کی لڑائی کا خاتمہ بڑی بیدردی پر ہوتا ہے یعنی بکثر یہہ ہوتا ہے کہ ہاتھی اپنے حریف کے مہاوت کو اپنی سونڈ سے پکڑ کر نیچے گرا لیتا اور فوراً پاؤں سے کچل ڈالتا ہے اور مہاوتوں کا کام ایسا خطرناک ہے کہ یہہ بدنصیب آدمی اپنے جورو بچوں سے اس طرح پر رخصت ہوتے ہیں کہ گویا مرنے کو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل کو اس خیال سے کسیقدر تسلی رہتی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُنکی کارگزاری سے راضی ہوا تو نہ صرف اُنکی تنخواہ بڑھ جائیگی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پچیس روپئے کے پیسوں کی ایک تھیلی ملجائیگی اور اگر کام آگئے تو اُنکی تنخواہ اُنکی بیوی کو ملتی رہیگی اور بیٹا اُنکی جگہہ نوکر ہو جائیگا ! اس تماشے میں مہاوتوں ہی کی جان نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اِن غصے میں بھرے ہوئے جانوروں سے بچنے کے لئے ایسی سخت بھاگڑ پڑتی ہے کہ پیدل اور سوار اس طرح پر بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھیوں کے پاؤں سے کچل جاتے ہیں ! چنانچہ جب دوسری بار مجھکو اس تماشے کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو صرف اپنے گھوڑے کی خوبی اور دو خدمتگاروں کی کوشش کی بدولت بچا تھا۔

جامع مسجد کا ذکر اب موقع ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کیطرف رجوع کروں جسکی دو عمارتوں کا ذکر کرنا ابتک باقی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو بڑی مسجد ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہونیکے

اس مسجد کی بنیاد ۱۰ شوال ۱۰۶۰ ہجری مطابق ۱۶۵۰ عیسوی شاہجہاں کے چوبیسویں

سبب سے بہت دور سے نظر آتی ہے اور اسکی بنیاد رکھنے سے پہلے
پہاڑی کا سطح خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چوگرد میدان کھول دیا
گیا تھا جہاں مسجد کی چاروں سمتوں سے چار بڑے بازار آ کر ملتے ہیں چنانچہ
اُن میں سے ایک تو صدر دروازہ کے سامنے سے اور دوسرا عقب میں
اور دو دونوں بغلی دروازوں کے محاذی ہیں اور اندر جانے کے لیے تینوں
ضلعوں میں بڑی پختہ [illegible] زینہ کی خوش صورت سیڑھیاں بنی
چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک پتھر گھڑ کر اور خوب
صاف کر کر لگائے گئے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپ کر عمارت
خوبصورت ہو گئی ہے اسکے تینوں دروازے سنگ سرخ سے بنے
ہیں اور نہایت عالیشان ہیں اور ان کے کواڑوں پر تانبے یا پیتل
کی پتیاں جڑی ہوئی ہیں مگر صدر دروازہ جسپر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی
چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں اور بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں زیادہ شاندار
ہے مسجد کے پچھلے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جنکے
اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دوسروں کی نسبت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

سال جلوس میں رکھی گئی تھی [illegible] ہر روز [illegible] مزدور، سنگ تراش اور سنگ
کام کرتے تھے اور باوجود اس اہتمام کے چھ برس میں دس لاکھ روپیہ خرچ ہو کر بنی
اسکے تین گنبد ہیں [illegible] طول اور [illegible] گز کے عرض میں [illegible]
ہیں اندر باہر [illegible] گیارہ دروازے جنمیں سے ایک تو بہت بڑا
بیچ اور ادھر ادھر والے ذرا چھوٹے ہیں [illegible] دروازہ پر کلمہ [illegible]
اور باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا کتبہ اور تاریخ تعمیر اور [illegible]

بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف یہی حصہ سقف ہے باقی گنبدوں سے لیکر صدر دروازہ تک بالکل کھلا ہوا ہے جو گرمی کی وجہ سے کھلا رکھنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ میں سفید سنگ مرمر کا (جسپر سنگ موسیٰ کی تحریر سے مصلے بنے ہوئے ہیں) اور بیرونی میں سنگ سرخ کی سلوں کا فرش ہے

میں قبول کرتا ہوں کہ یہ عمارت بموجب اُن اصول کے جنکو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اسمیں کچھ عیب بھی نہیں پاتا اسکے ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی گرجا اسکے نقشے پر بنایا جاسے تو اپنی نرالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب لوگوں کو پسند آئے - ! تینوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا جو

[illegible]

نوراللہ خوشنویس نے خط نسخ سے لکھا تھا سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جنمیں اوپر جانیکے لئے زینے اور سروں پر بارہ دری کی رجیاں بہت دلکشا ہوئی ہیں ! شمالی منارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ سرخ کا ہے جابجا سے کھڑ گیا تھا مگر سرکار عالیہ انگریزی نے ۱۲۳۳ ہجری مطابق ۱۸۱۸ء میں اس منار کو بنوا دیا اور فرش بھی درست کرا دیا - اس مسجد میں چونکہ کوئی مکبّر بنا ہوا نہ تھا اور اسوجہ سے امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اسواسطے شاہزادہ میرزا سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے سنہ ۱۲۴۴ ہجری مطابق ۱۸۲۹ء میں بڑی دروازہ کے بیچ میں ایک مکبّر سنگ مرمر کا بہت خوشنما بنوا دیا ہے - مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور اُسمیں سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے مصلے بنا دیئے ہیں منبر بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے ! جانب شمال کے دالان میں کچھ

سنگ مرمر کی ہیں باقی عمارت سنگ سرخ سے بنی ہے جو سنگ مرمر کی
بہ نسبت ذرا نرم ہے اور زمانہ پاکر اسمیں سے ورق جھڑنے لگ جاتے ہیں
ہندوستان کے لوگوں کا یہہ قول ہے کہ جس کان سے یہہ پتھر نکلتا ہے
کچھ مدت بعد اسمیں پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہہ بات سچ ہے تو نہایت
عجیب ہے اور غلط یا صحیح اسکا سبب یہہ بتلاتے ہیں کہ برسات کے دنوں
میں کان میں پانی بھر جاتا ہے گا میں اس امر کی نسبت کوئی قطعی رائے
نہیں دے سکتا

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان ملکوں میں ہمارے اتوار کی طرح مقدس سمجھا
جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور جس راستہ سے اسکا گذر ہوتا
ہے اسمیں پہلے سے گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہو جانے کیلئے چھڑکاؤ

تبرکات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکھے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف
کہلاتا ہے مسجد کا صحن ایکسو چھتیس گز کے مربع طول سے اور اسکے بیچ میں
پندرہ اور بارہ گز کا ہر ایک سنگ مرمر کا حوض ہے جسمیں فوارہ لگا ہوا ہے صحن
کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں
اور چاروں کونوں پر بارہ دری کے چار برج ہیں۔ جنوبی اور شرقی دالان کے سامنے
دائرہ سنگی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں
پنجی کواڑ چڑھے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروازہ میں رہنے کے لائق حجرے بنے ہوئے
ہیں اور تینتیس سیڑھیاں ہیں جن زینوں سے پہر کو مجمع عام ہوتا ہے۔ اور سبزی
اور فالودہ والے اور کبابی اور اصیل مرغ بیچنے والے اور شوقین کبوتر
اڑانے والے اکثر جمع ہوتے ہیں۔ شمالی دروازہ میں بھی رہنے کے حجرے بنے
ہوئے ہیں اور اس طرف انتالیس سیڑھیاں ہیں۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھتے

کر دیا جاتا ہے اور قلعہ کے دروازے سے لیکر مسجد تک تین یا چار سو سپاہی دو رویہ صف باندھکر کھڑے ہوتے ہیں جنکے پاس چھوٹی چھوٹی مگر بہت خوبصورت بندوقیں ہوتی ہیں جنپر سرخ بانات کا غلاف ہوتا ہے۔ اور ونکے سرے پر ایک چھوٹا سا پھریرا [illegible] ور پانچ پانچ عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ پر اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ سواری کے وقت راستہ کھلا اور صاف رکھیں اور وہ اتنے فاصلے سے آگے آگے چلتے ہیں کہ انکی گرد سے بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچے اور جب یہ سب تیاری ہوجاتی ہے تو بادشاہ قلعہ سے کبھی تو ہاتھی پر جو خوب سجایا ہوا اور جسپر سنہری اور منقش کام کی عماری کسی ہوتی ہوتی ہے سوار ہو کر نکلتا ہے اور کبھی سنہری اور لاجوردی کام کے تخت رواں پر جو کمخاب یا ارغوانی رنگ کی مخمل وغیرہ سے منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جسکو آٹھ چیدہ اور بھاری بھاری وردی والے کہار کاندھے پر اٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے۔ اور

[illegible]

اور دوسرے والے دوکانیں لگاتے ہیں لیکن پر تماشا اس طرف مداریوں، قصہ خوانوں کا ہوتا ہے۔ قصہ خواں مونڈھا بچھا کر بیٹھتا ہے اور داستان امیر حمزہ یا قصہ حاتم طائی اور کہیں داستان بوستان خیال سناتا ہے جسکے سننے کو سیکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں ایک طرف مداری تماشا کرتا ہے اور کہیں پتی کا کھیل ہوتا ہے اور بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بناتا ہے۔ شرقی دروازہ میں بھی مکانات سے ہوتے ہیں اور اسکے آگے پیش پیش سبزے جہاں تہاں جسپر ہر روز سرسری لگتی ہے گویا ہر روز کا میلا ہے۔ ہزاروں طرح طرح کے پرندے الیلیوں پر ڈالتے ہیں اور شوقین جوان طرح طرح کے خوش آواز جانور پنجروں میں لیے ہوئے سیر کرتے پھرتے ہیں۔ ایک طرف کبوتر والے کبوتر [illegible] ہیں ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لیے کھڑے ہیں۔ (آثار الصنادید [illegible])

پیچھے پیچھے بہت سے اُمرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعضے پالکیوں میں سوار ہوتے ہیں اور انہیں میں ملے جلے بہت سی منصبدار اور چاندی کی چھڑیوں والے چوبدار وغیرہ ہوتے ہیں! میں اس سواری کو سلطان روم کی باشان و شوکت سواری سے تشبیہ نہیں دے سکتا اور نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طور کے جلوس سے کیونکہ اسکا تجمل اور عظم و شان اور ہی طرح کا ہے مگر کچھ کم شاہانہ نہیں ہے۔

کاروان سرائے کا ذکر

دوسری قابل الذکر عمارت وہ کاروان سرائے جو شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم صاحب نے جس کا میں نے گزشتہ لڑائی کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے بنوائی تھی اور صرف اس شاہزادی ہی نے بلکہ اور اُمرانے بھی بدیں بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی رونق بڑھانے میں بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ یہ ہمارے پلیس رائل (Place Royal) کی طرح ایک بڑی اور محراب والی مربع عمارت ہے جسمیں برابر کوٹھریاں اور اُن کے آگے علیحدہ علیحدہ برآمدے ہیں اور یہہ دو منزلہ ہے اور جیسے نیچے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برآمدے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں اور ایرانی اور تورانی اور اور پردیسی دولتمند تاجر حفاظت کی جگہہ سمجھکر اسمیں اکثر ٹھہرتے ہیں کیونکہ رات کو اسکا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ کاش پیرس میں بھی دس بیس جگہہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیونکو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اسقدر حیرانی نہ ہوتی جسقدر کہ اب ہوتی ہے اور تاوقتیکہ دوست آشناؤں سے ملکر زیادہ آرام

کا مکان بہم پہنچائیں ان میں ٹھہرتے اسکے علاوہ یہہ ہر قسم کے مال تجارت کے ٹھہرنے اور پردیسی سوداگروں کے اترنیکے لئے ایک عمدہ اور آسایش کے مقام ہوتے۔

پیرس اور دہلی کی آبادی اور لوگوں کی خوش حالی اور مفلسی کا مقابلہ

اب چونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے یہہ ضرور دریافت کرینگے کہ اس شہر کی عام آبادی کی تعداد اور آسودہ حال لوگوں کا شمار پیرس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس دہلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسکو بیان کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ پیرس کے تمام مکانات کے سہ منزلہ اور چو منزلہ ہونے اور قریباً اُن سب کے لوگوں سے معمور اور بھرے ہوے ہونے اور اسطرح پر اسکے تین یا چار شہروں کے برابر ہونے اور سڑکوں اور گلی کوچوں کے عورت مرد اور پیدلوں اور سواروں اور انواع واقسام کی گاڑیوں سے بھرے رہنے اور بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے اسمیں بہت کم ہونے پر خیال کرکے پیرس مجھکو آدمیوں کے ایک بن کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور اسوجہ سے میں یقین نہیں کر سکتا کہ جتنے آدمی اسمیں ہیں اُتنے ہی دہلی میں بھی ہوں مگر جب ہندوستان کے اس دار السلطنت کی وسعت اور بیشمار دوکانوں اور اس امر پر خیال کرتا ہوں کہ امرا کے علاوہ پینتیس ۳۵ ہزار سوار سے اسمیں کبھی کم نہیں رہتے جو قریباً سب کے سب عیالدار اور صاحب اولاد اور سب کے سب ایسے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طرح علیحدہ علیحدہ [illegible]

میں اور کوئی ایسا گھر نہیں جسمیں عورتیں اور لڑکے بالے موجود نہوں اور شام کو جب ذرا گرمی کم ہوجاتی ہے اور لوگ باہر نکلتے ہیں تو تمام سڑکیں اور گلی کوچے باوجود اپنی وسعت کے خلقت سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور پہیہ دار سواریاں (جنسے گلیاں تنگ ہوجاتی ہے) بہت ہی کم دکھائی دیتی ہیں تو شاید نہیں کہہ سکتا کہ دہلی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہو۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر یہاں آدمی نہوں تو کچھ بہت کم بھی نہوں گے۔ البتہ اگر آسودہ حال لوگوں پر نظر کیجائے تو بیشک پیرس میں اور اسمیں ایک نمایاں تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دس میں سے سات یا آٹھ آدمی کپڑے لتے سے درست اور معقول صورت نظر آتے ہیں لیکن دہلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں جو بیچارے فوج کی وجہ سے یہاں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے وجیہ اور عمدہ اور عمدہ لباس پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور نفر خدمتگار ساتھ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

امرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر جس وقت امرا اور راجہ اور منصبدار لوگ چوکی دینے یا دربار میں حاضر ہونے کو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کوئی زیادہ بارونق مقام نظر نہیں آتا۔ چنانچہ چاروں طرف سے بہت کو

منصبدار ساز و سامان سے دُرست اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے لو
چار خوش پوشاک خدمتگار ساتھ لیئے ہوے جنمیں سے دو پیچھے اور دو راستہ
کھلا رکھنے کے لیئے آگے آگے رہتے ہیں آتے ہیں - اور امرا اور راجا
بعضے تو گھوڑوان پر اور بعضے عمدہ ہاتھیوں پر اور اکثر تکلف پالکیوں میں
جنکو نیچے کہار لگے ہوئے ہوتے ہیں زربفت کا تکیہ لگائے پان چباتے
آتے ہیں جس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ مونہہ خوشبودار اور ہونٹ سُرخ
ہو جائیں اور پالکی کے ایک طرف تو ایک خدمتگار دانت خلال اور چاندی
یا چینی کا اُگالدان جسکا حقہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے لیئے ہوے ہوتا
ہے اور دوسری جانب دو خدمتگار ہوتے ہیں جو ہتے آسائش پسند
مالک کو پنکھا جھلتے یا گرد و غبار اور مکھیاں اوڑانے کو مورچھل ہلاتے ہیں
اور تین چار پیادے راستہ کھلا رکھنے کے لیئے آگے آگے دوڑتے
اور کچھ منتخب اور وجیہ خوش لباس جوان گھوڑوں پر چڑھے ہوے پیچھے
پیچھے چلتے ہیں

دہلی کی نواح کے بعض مکانات وغیرہ کا ذکر

دہلی کے نواح کی زمین نہایت زرخیز ہے اور اُسمیں ایکھ - گیہوں - جو - نیل - چنا - باجرہ - جوار - مونگ - ماش - اور موٹھ وغیرہ جو عام لوگوں کی خوراک ہے بافراط پیدا ہوتے ہیں - دہلی سے چھ میل آگرہ کے راستہ پر ایک مقام ہے جسکو مسلمان "قطب الدین" کہتے ہیں اور یہاں ایک بہت قدیم عمارت* ہے جو کبھی

* مصنف کا مقصود غالباً وہ دہرا ہے جسکو ہندوستان کے مشہور راجہ پرتھی راج عرف رائے پتھورا نے

ہندوؤں کا دہرا تھا اور اسپر ایسے حروف میں کچھ کھدا ہوا ہے جو ہندوستان کی مروج زبانوں کے حروف میں سے کسی سے بھی نہیں ملتے اور نہ کوئی شخص انکو پڑھ سکتا ہے اور دوسری جانب شہر کے ایک بادشاہی باغ ہے جسکو شالامار کہتے ہیں اور جو ایک بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت ہے لیکن "فونٹن بلو"[1] اور "سینٹ جرمین"[2] اور "ورسیلس"[3] کے مقابلہ کا نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ دہلی کی نواح

حاشیہ صفحہ گذشتہ: سے مراد غالباً قطب ہے ... اور ... ہجری میں فتح قلعہ کے ساتھ ہوا تھا اور ... سال ... عیسوی اور ... ہجری ... غالباً معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری ہے یہ سال قطب الدین ایبک کا جو آخر کو دہلی کا بادشاہ ہوا اور سلطان قطب الدین کے ... دہلی فتح کیا اور ... مسجد بنا دیا اور شرقی دروازہ پر فتح کی تاریخ ... لاٹ کہ کھدا ... حروف جنکی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے ... ایک لاٹھ ہے جو ... لوہے کی ڈھلی ہوئی ہے اور ... فٹ ... اور جسکی جڑ کی موٹائی کا محیط پانچ فٹ ... اور اسکی نسبت یہ کہانی ... جو بالکل غلط ہے ... کہ ... خاندان کی علامت ... حروف میں ... کندہ ہیں ... مضمون یہ ہے کہ ... راجہ ... فتح کی تھی ... راجہ ... اپنی فتح کے نشانی ... مرگیا۔ صاحب آثار الصنادید لکھتے ہیں کہ ... کا ذکر کچھ حال معلوم نہیں ہوا ... راجہ ہے اور اس قسم کے ... حرف ... چوتھی صدی عیسوی میں جاری تھے اور اس سبب سے انہوں نے خیال کیا ہے

[illegible]

(1) Fontainebleau (2) Saint Germain (3) Versailles

میں ایسے محل اور عالیشان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلوڈ ⁽¹⁾ چینٹ لی ⁽²⁾ - میوڈان ⁽³⁾ - لانیکوزیوا ⁽⁴⁾ - یارویل ⁽⁵⁾ ہیں اور نہ ویسے مختصر باغات ہیں جنکے مالک غیر ملازم شرفا اور اہل شہر اور سوداگر ہوں لیکن یہ کچھ جائے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسیکو بھی حق ملکیت زمین حاصل نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ یہ لاٹھ پانچویں صدی سے بہت ورے بلکہ آٹھویں صدی میں بنی تھی مگر ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ راجاؤں کی تاریخ سنہ عیسوی سے مسلمانوں کی عملداری ہونے تک بصحت تمام ملتی ہے اور اُن تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے۔ علاوہ اسکے اس لاٹھ پر سمت کندہ نہ ہونے سے یقین پڑتا ہے کہ بکرماجیت سے پہلے کی ہے کیونکہ بکرماجیت سے پیچھے سمت لکھنے کا اور کوئی نہ کوئی سنہ مقرر کرنیکا بالکل رواج ہوگیا تھا۔ اسکے سوا اُس زمانہ میں ہستناپور کے راجاؤں کا راج بالکل جاتا رہا تھا۔ اِن دلیلوں سے ہمارے نزدیک یہ لاٹھ راجہ میدھاوی عرف راجہ دھاوا کی بنائی ہوئی ہے۔ جو راجہ جدہشٹر کی اولاد میں سے آٹھواں راجہ ہے۔ اور اگرچہ یہ راجہ اندرپت میں آ بسے تھے الا قدیم تخت گاہ اُن کا ہستناپور ہی تھا اور اسی سبب سے ہستناپور کے راجہ کہلاتے تھے۔ مذہب اس راجہ کا بشنوئی تھا اور اس لاٹھ کے کتبہ سے بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ کی مروجہ کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ میدھاوی اگیارہ سو پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا الا انگریزی مورخوں نے جو صحیح حساب راجہ جدہشٹر کی مسند نشینی کا نکالا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ آٹھ سو بچانوے سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام مسند نشین ہوا تھا۔ اور اس سبب سے ہماری رائے میں یہ لاٹھ نویں صدی میں قبل حضرت مسیح علیہ السلام بنی الا ناتمام پڑی رہی اور ایک مدت بعد کسی راجہ نے راجہ دھاوا کا فتح نامہ جس مقصد سے اُس راجہ نے اسکو بنایا تھا کھدوا کر لاٹھ کو نصب کر دیا۔ اور کچھ عجب نہیں کہ یہ

Saint Claud, Chantilly, Maudon, Lzaeuns

دہلی اور آگرہ کے درمیانی رستہ کا ذکر دہلی اور آگرہ کے مابین جو ڈیڑھ سو یا اکسو
اسی میل کا فاصلہ ہے اسمیں نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے (حالانکہ فرانس میں مسافر
کو اسقدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں) اور نہ کوئی اور
دلچسپ مقام ہے البتہ متھرا جہاں ہندوؤں کا ایک قدیم اور عالیشان
مندر دیکھنے کے لیئے اب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کاروانسرائیں
جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں۔
اور اس رستہ کے دونوں طرف سایہ کے لیئے دوہری قطاریں درخت
لگے ہوئے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے
اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے
لیئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔ *

شہر آگرہ عرف اکبرآباد کا ذکر میں نے دہلی کی جو کیفیت بیان کی ہے اُسی پر
آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اور عمارتیں بھی جمناہی
کے کنارے پر ہیں لیکن اسوجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے (جسنے اسکو آباد

بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ: بات قمری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ہو جب راجہ متھرا نے اس لاٹھ کے قریب قلعہ اور مندر بنایا اب یہ لاٹھ مندر کے صحن میں اور جب اُسکو توڑ کا قطب الدین ایبک نے مسجد بنائی تب مسجد کے صحن میں آگئی - چنانچہ اب تک وہیں موجود ہے ' معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر برنیئر نے غالباً اسی لاٹھ کے حروف کی طرف اشارہ کیا ہے - ۱۲ م ح

---

* یہ سڑک شہنشاہ جہانگیر نے اپنے جلوس کے چودھویں سال مطابق ۱۰۲۸ ہجری میں اکبرآباد سے لاہور تک بنوائی تھی چنانچہ اسکی بعض بعض نشانات اب تک بھی کہیں کہیں موجود اور قائم ہیں ۱۲ م ح

کر کے اپنے نام پر اسکا اکبرآباد نام رکھا تھا) بادشاہان ہندوستان
اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اسکو وسعت اور کثرت عمارت میں جنکو
اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا
ہے دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی اسمیں وہاں کی
بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں
ہیں کہ جن پر ہمیشہ ناز کر سکتا ہے اور جنکا بیان میں آیندہ کروں گا۔ لیکن اسکی
شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اور امور میں بھی دہلی سے گھٹا ہوا ہے۔ اور
چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز ہو کر نہیں بنایا گیا اسلیے دہلی کی سی متحد الوضع
اور سیدھے اور وسیع بازار جنسے اسکو امتیاز حاصل ہے اسمیں نہیں ہیں البتہ چار
یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُنکی عمارت بھی اچھی ہے مگر اُن میں جا بجا
بھی زیادہ بیٹھے ہیں اور اُن کے سوا سب چھوٹے چھوٹے اور تنگ اور
بے قاعدہ ہیں جنمیں بہت سے گوشے اور پیچ و خم ہیں اور اِس سبب سے جب
بادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو اُن میں عجب کشاکش اور دھکا پیل ہوتی
ہے! میں خیال کرتا ہوں کہ ان دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز
باتیں ہیں وہ میں نے سب بیان کر دی ہیں مگر اُن پر ایک بات اور اضافہ
کرتا ہوں کہ آگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو گانوں
کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُسکا منظر گانوں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما

* یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اکبر اور جہانگیر کے وقت تک آگرہ ہی کہلاتا تھا اور مطابق روایت صاحب شاہجہان نامہ
شاہجہان نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہ نام جو پہلے تھا بدل کر اکبرآباد نام رکھا تھا چنانچہ
اسی روز سے اکبرآباد ہی مشہور ہے۔ ۱۲ س م ح

ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں
میں سایہ کے لیئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور اُمرا اور راجہ
اور اَور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک
دوسرے سے فصل کے لیئے نہایت فرحت بخش پھول پھلواری
اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور ان میں ہندو مہاجنوں کی
اونچی اونچی چھت کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر
کوئی پرانی گڑھی۔

ایک گرمی ست جیسے بھی ملک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل
کرنے کو تکمیر خود بخود سبزے کی متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر
بے شبہ دلکو ایک خاص طور کی فرحت دیتا ہے مگر یہ خیال کرکے کہ دنیا
کا ایک نہایت عمدہ اور خوشنما نظارہ دیکھنے میں آنکھ کو پیرس کے چھوٹے
کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو نیسا آگرہ سے [illegible] حاصل ہو سکتا
ہے چنانچہ اگر آپ ذرا [illegible] اور دیکھیں حلقے دیکھا
کیا عجیب و غریب گنبد اور طرح طرح کی [illegible] نظر آتی ہے
اور پھر رات کو چلکر ملاحظہ کریں تو میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ
کیا اِس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہیں دکھائی دے سکتا ہے۔
اور اونچے مکانات کی بیشمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دھیمی دھیمی
روشنی نظر آتی ہے زرا دیکھئے تو وہ کیا لطف دکھاتی ہے اور جو بھیڑ بھاڑ
اور گاڑیوں اور لوگوں کا ہجوم دکھائی دیتا ہے وہی آدھی رات کو بھی نظر

آمدت اور فہمائش ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں بامانت اس شہر کی بیبیاں اور بیٹیاں بغیر چور اچکوں کے خوف اور چھیڑ وغیرہ کی تکلیف کے بے تکلف بازاروں اور گلی کوچوں میں چلتی پھرتی اور جہاں تک نظر جا سکتی ہے خواہ کوئی اور کیسا ہی موسم کیوں نہ ہو چاروں طرف لالٹینوں کی قطاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں۔

شفق کے ان تیروں میں پونٹ نی آن پر کھڑے ہو کر بیشک آپ میری دیداری پر ہوتی ہے کہ سکتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا بنایا ہوا اس سے زیادہ خوشنما کوئی منظر نہیں ہے۔ لیکن چین اور جاپان کی میں نہیں کہتا کیونکہ میں نے ان کو نہیں دیکھا اور اسکی خوبی اسوقت اور بھی بڑھ جائیگی جبکہ لوائر (Louvre) کی تعمیر ختم ہو جائیگی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اسکے نقشہ کو دیکھکر کہتے تھے کہ یہ صرف کاغذ ہی کاغذ پر دکھائی دیتا رہیگا۔ حقیقتاً وجود میں آجائیگا !

انسان کے بنائے ہوئے منظر کی قید میں نے اسلئے لگائی ہے کہ دنیا کے عمدہ مناظر کے ذکر کے موقع پر اس لفظ کے عام معنوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے اس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اسطرح نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پوائنٹ ڈیو سرئیل (Pointdaserbail) ہے مستثنیٰ کر دینا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب پہلے پہل میں نے قسطنطنیہ کے اس لمبے چوڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی جو کبھی نہیں بھول سکتی اور میں نے اسکو ایک جادو کا بنا ہوا ایمفی تھی ایٹر (Amphitheater) خیال

× لیٹن زبان میں ایسی مصنوعی شکل کو کہتے ہیں بس چونکہ یہ بھی ایمفی تھیٹر یعنی تماشاخانے بیضوی

کیا۔ لیکن اگرچہ اس منظر میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ سب قدرت کی صنعت ہیں اور پیرس میں جو کچھ ہے وہ تمام یا قریب تمام کے انسان کی صنعت ہے مگر میری رائے میں پہلے کی بہ نسبت پچھلا زیادہ دلچسپ ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شہر ایک بڑی سلطنت کا دارالحکومت اور ایک ذی قدرت بادشاہ کا جائے قیام ہے۔ اور دہلی اور آگرہ اور قسطنطنیہ کی سب طرح کی خوبیوں کو تسلیم کرکے بھی میں انصافاً یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے شہروں میں پیرس سب سے زیادہ متمول اور خوبصورت اور ہر ایک طرح سے مقدم ہے۔

---

(3) شکل کے سب حالات [illegible] ساتھ ترتیب سے تماشا دیکھ سکیں [illegible] بہت [illegible] شکایت [illegible] اس وادی [illegible] یہ عمارت [illegible] کے لیے مخصوص تھی [illegible] تماشا دیکھ سکیں [illegible] جو معبدوں کی [illegible] اور ان کے [illegible] کہتے تھے۔ اور [illegible] لوگوں کی [illegible] تماشا کرنے والوں کے [illegible] قریب [illegible] دونوں دروازوں کی چھتوں پر بیٹھے تھے۔ اس بات کا [illegible] سمجھ لینا چاہیے

جیسوئیٹ فرقہ کے عیسائیوں سے بنا ہوا کالج ہے

آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جسکو جیسوئیٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اونیکالج ہے جسکو وہ کالج کہتے ہیں جسمیں یتیم بچے یا مینٹ عیسائی گھرانوں کے بچوں کو عقاید مذہبی کی تعلیم دیجاتی ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہ عیسائی خاندان یہاں کسطرح جمع ہوگئے ہیں شاید ان جیسوئیٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ

اس میں تماشائیوں سے الگ [illegible] ہوئی تھی [illegible] کرنے [illegible] ہے [illegible] عمارت کے بیچ [illegible] میدان [illegible] کھلا تھا کیونکہ [illegible] میں اپنا [illegible] جاتی تھی مگر یہاں تک تکلف [illegible] کی [illegible] تھے لیکن ایک [illegible] قسم کے سفید پتھر کا [illegible] جس سے زینا کا [illegible] ہوئے [illegible] خیال کیا جاتا تھا [illegible] ہونے کی [illegible] رنگ [illegible] تماشا [illegible] تھا [illegible] سے دھوپ کی شعاع [illegible] زینا کے [illegible] اور [illegible] سطح [illegible] رومی عہدہ داروں کے سفید جھول پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھاتی تھی۔ زینے کے گرداگرد پانی کی [illegible] ہوئی تھی جس میں سے پانی [illegible] زینا میں [illegible] کے لیے [illegible] آتے تھے۔ یہ تماشاخانے رومیوں کی سلطنت [illegible] کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل روم ہر قسم کے [illegible] پر [illegible] کے دیکھنے کے [illegible] کے ساتھ شایق تھے اسلیئے انکے [illegible] اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترقی دینے کی غرض سے جسے انکو دنیا کا ایک [illegible] بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے سب سے پہلا تماشا دو سو سات برس قبل مسیح علیہ السلام شہر روم میں ہوا تھا اور [illegible] میں جبکہ رومیوں سے کارتھیج والوں پر فتح پائی اور انکی [illegible] کی لوٹ میں ہاتھی بھی آئے تو وہ بھی اس تماشاخانوں میں داخل کیے گئے اور اسطرح سے ان میں وحشی حیوانات کے داخل کیے جانے کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ جانوروں کے باہم لڑانے ہی پر حصر نرہا بلکہ ملک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا تھا جسکا پیشہ تھا کہ انعام حاصل کرنیکی غرض سے باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہ لوگ

ملوک نے انکو یہاں سکونت اختیار کرلینے پر مائل کیا ہے۔ اجس زمانہ میں
پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسوٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ
ہے شہنشاہ اکبر نے بلاکر یہاں آباد کرلیا تھا اور گزر اوقات کے لیے کچھ سالینہ
مقرر کردینے کے علاوہ لاہور اور آگرہ میں گرجا تعمیر کرلینے کی بھی اجازت
دیدی تھی اور جہانگیر تو اپنے باپ سے بھی بڑھکر انکا مربی تھا مگر شاہجہاں کے
عہد میں انکو بہت تکلیف تھی اسنے انکا سالیانہ بند کردیا اور لاہور کا گرجا تو بالکل ہی
مسمار کرادیا اور آگرہ کے گرجا کا بھی بہت سا حصہ اس منارے سمیت جسپر گھنٹہ

[illegible]

گھنٹہ ی آویزاں تھا اور اس کے ساتھ دور دور سے بھی سوال کیے جاتے تھی
جو شہر کی دور دراز محلات اور قصبات کے محلوں سے گزرتے آتے تھے۔
جیسوٹ لوگ یا اسی سبب سے یہ یہاں منہدم کیا۔ ورنہ ماک تماشہ قابل حیرت کثرت
سے کیے جاتے تھے تماشائی لوگ اکثر اس ہجوم سے اول وقت آتے تھے
ٹوٹے ٹوٹے ایک مصنف کو آتا ہوا دیکھ سکتے سے تجسس بالعموم کا عدہ ملتوی
تھا جو کسی نے اعمال کی عادت سے یا باپ کی موقوف تھا اور شہنشاہ آتا تو
سب منعقد ہوتے جیسا سے اسے تمام کنگ اور سب ایسے اور سب خوش حال ہر
تیسے خوش وقت ہمیشہ ہر حسب بادشاہ اگر نظر جاتا تو طرح طرح سے سجاتے ہوئے
لگتے تھے کہ کبھی نہ میں سے یہ ان کی چھوٹی چھوٹا ایک سہارا آتا اور شاہ مور
سیر سے کہ اول مستحب جانوروں کا تماشہ تھا۔ بعد ازاں بات میں بحث کر
دیت تھے اس کی موت کے بعد سے اٹھی آئین کلاوت کا
مقرر ہوا ملٹ دیکھا جاتا اور مہ درخت اس طرح اور عاشق کے راگ
اور دوسرے کے ساتھ ساتھ بیٹے کر تمت سے کہ کھانے کما کر سکیے لیے
آرمیوس کی طرح آدمی سمجھنی اس شخص کو جو آرمیوس سا تھا دیکھ آرمیڈ دیا
جاتا تھا اور اس کے بعد جو کو اور استعمال سید رومی آیا کہ اندر سے کھڑا دیتے
اور قسم قسم کے وحشی درندے چاروں طرف سے باہم لڑتے اور ایک دوسرے کو

لگا ہوا تھا اور جسکی آواز تمام شہر میں جاتی تھی گروادیا - جہانگیر کے زمانہ میں ان لوگوں کو اُمید تھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ یہاں پھیل جائیگا کیونکہ جہانگیر حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب کے مسئلے اسکو ایسے بھاتے تھے کہ اُنپر اپنا تعجب ظاہر کرتا تھا - چنانچہ اُسنے اپنے دو (نیفیوز) بھانجوں یا بھتیجوں اور مرزا ذوالکرنین (ذوالقرنین) کو جسکا ختنہ بھی ہوچکا تھا اور شاہی محلسرا ہی میں پرورش پائی تھی عیسائی ہوجانیکی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہہ کیا تھا کہ اسکے ماں باپ عیسائی تھے

جاتا تھا جسمیں بیسے بیسے مجمع ہوتے تھے اور لوگ نہایت بیچارے شوق کے ساتھ اُن کے حملوں اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے اور جب درندوں میں اُن عجیب حیوانات کے جیسے اور توروعن نیاب برتری کے ساتھ ہوتی تو نہایت خوش ہوتے اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی جانور سب پر غالب آجاتا اور سب کا خاتمہ کردیتا تو چاروں طرف سے انعام کے طور پر یہہ صدا بلند ہوتی کہ اس بہادر کو چھوڑدو تاکہ اپنے وطن میں آرام سے رہے! یہہ لوگ اسی پر اکتفا کرتے تھے بلکہ اِن جانوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے جو کوئی زرہ پہنے اور کوئی شکاری وضع میں ہوتا تھا اور بعض صرف خالی ہاتھ ہی ہوتے اور جالاکی سے حریف پر غالب آتے تھے - لیکن پھر بھی اس وحشت کا خاتمہ تھا ملااہل روم انسان کو مرتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے گنہگار لوگ اور بیچارے عیسائی مذہب کے آدمی ان درندوں کا شکار کرائے جاتے تھے - اِسکے بعد لاشیں اٹھوادی جاتی تھیں اور تمام اکھاڑا میں دو جواہرات اور سفید پتھر کا چورہ جسکا ذکر اوپر کیا جاچکا کر جان کی بدبو دفع کرنیکے لئے بچھا دیا جاتا تھا - اور سب سے عمدہ تماشے کی نوبت آتی تھی - یعنی گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جنمیں سے کسی کے پاس تلوار اور کسی کے ہاتھ میں نیزہ اور کوئی ہلکی اور کوئی بھاری زرہ پہنے ہوئے - کوئی گاڑی میں کوئی پیدل کوئی گھوڑے پر سوار آتا تھا - اور اکھاڑا میں داخل ہوکر سب ہم آواز شہنشاہ کو یوں سلام کرتے تھے "مرحبا قیصر مرنے والے تجھکو سلام کرتے ہیں" ان پیشہ وروں میں

[illegible]

(کیونکہ اسکی ماں جو ایک دولتمند آرمنی کی بیوی تھی جہانگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہوگئی تھی) اور یہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جہانگیر کے عیسائی ہوجانیکا قصد اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اُسنے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہ لباس پہنکر اپنے ایک بڑے امیر کو بلایا اور اُسکی اس باب میں رائے دریافت کی مگر اُسنے ایسا اندیشہ ناک جواب دیا کہ جہانگیر نے فوراً یہ ارادہ چھوڑ دیا اور اس تمام قصہ کو ہنسی کے پیرایہ میں اڑا دیا۔ یہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے

بعض جاہل لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہوکر کچھ روپیہ لیکر لڑتے تھے جنمیں سے کبھی کوئی بچ بھی جاتا تھا مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا کیونکہ وہ مغلوب بے رحمی سے مار ڈالے جاتے تھے یہ لوگ کبھی ایک ایک کبھی اکٹھے ہوکر لڑتے اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھکر کہتا "اسکے کاری زخم لگا" اور اُسکو مار ڈالنے یا چھوڑ دینے کی اجازت چاہتا۔ پس اگر تماشائی اپنا انگوٹھا اوپر کو اٹھاتے تو چھوڑ دیتا اور اگر نیچے کو کرتے تو مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا۔ اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن جھکا کر مرنے میں دیر کرنے میں تامل کرتا تو سب طرف کا شور بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے کہ "ذرا جلدی کرو" یعنی لوہے کے ہتھیار کے ساتھ جاؤ اور مقدس کہلاؤ یاس اور بعد والا میں اور جیسٹ کے واسطے مگر اسکو ایک کھیل سمجھتے تھے اور کسی کو بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ یہ کیا حرکت کیسی بری ہے کہ پس ٹلماکس میں عیسائی مذہب کے ایک درویش کی برکت سے یہ تماشے اور یہ کھیل موقوف ہوئے۔ اگرچہ اس بیچارہ کی جان اسی میں گئی یعنی وہ عین تماشہ کے وقت اکھاڑے میں آگھسا اور لوگوں کو مخاطب ہوکر بولا کہ "اس طرح خون بہانے سے باز آؤ اور جس خدا نے تمکو تمہارے دشمنوں پر غالب کیا ہے اسکے رحم کا عوض کشت و خون کے تماشوں کے رواج دینے سے مت کرو" جس پر چاروں طرف سے غل ہوا کہ یہ دخل کی جگہ نہیں ہٹو پیچھے ہٹ جاؤ اور گلیڈی ایٹروں نے دھکے دیکر اسے پیچھے ہٹا دیا مگر وہ بہادر اور باستقلال شخص پھر اُن کے بیچ میں آکھڑا اور لڑنے سے روکنے لگا جس پر

[illegible]

انتقال کیوقت عیسائی ہوکر مرجانا چاہتا تھا اور ہمکو بُلانیکا حکم دیا تھا مگر لوگوں نے یہہ پیغام ہم تک مطلق نہ پہنچایا! لیکن اور لوگ اِس امر سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں جیسا وہ زندگی میں کسی مذہب و ملت کا پابند نتھا ویسا ہی اخیر وقت میں بھی نتھا اور باپ کی طرح اُسکا بھی ارادہ تھا کہ اپنے کو پیغمبر بناکر ایک نیا مذہب جاری کرے۔ مینے ایک مسلمان شخص کی زبانی جسکا باپ جہانگیر کا ملازم اور اُسکے اُمورِ خانگی سے تعلق رکھتا تھا سُنا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کئی بڑے بڑے مُلاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس[۱] کو جسکی تند خوئی کی وجہ سے جہانگیر نے اُسکا نام "پادری آتش" رکھ چھوڑا تھا بلوایا اور جب اُنہی آکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے زور سے دینِ اسلام کے بطلان اور اپنے مذہب کی تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ مسلمان عالموں اور جیسوئٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اُسکے تصفیہ کے لیئے یہہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک گڑہا کھود کر اُسمیں آگ جلائی جائے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملا اپنا

بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ

"بغاوت بغاوت" کا شور مچا اور حاکم نے بھی ایسی آواز اُس میں شامل کی اور گلیڈی ایٹر رونا اُس بیچارے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور چاروں طرف سے اینٹ پتھر اور جو کچھ ملا لوگوں نے اُس مظلوم پر برسایا۔ لیکن اِس عجیب واقعہ کے بعد لوگوں کو یہہ خیال آیا کہ یہہ کیا حرکت کی گئی اور سب کے دل بدل گئے اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ وہ فی الحقیقت بڑی بیرحمی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اُس روز کے بعد یہہ تماشا پھر کبھی نہوا۔
(ماخوذ از انسیکلوپیڈیا برٹانیکا و کتاب گولڈن ڈیڈس) (سرسید)

[۱] ملک اٹلی کے ایک شہر کا نام ہے۔
Florens

قرآن بغل میں لیکر اسمیں کود پڑیں دونوں میں سے جو بچ جائیگا میں
اسکا مذہب قبول کرونگا۔ چنانچہ پادری آتش سے نے تو اس امتحان کو قبول
کرلیا لیکن ملا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کرکے اس آزمایش
سے باز آیا۔ ! یہ قصہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اسمیں شک نہیں کہ جہانگیر کے
دربار میں جیسوئیٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی اور اسوجہ سے انکو
دین عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی امید تھی مگر اس زمانہ کے
بعد باستثنا اس ربط و ضبط کے جو دارا شکوہ اور فادر بوزی[1] کے باہم تھا
اس قسم کی امید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی

اب چونکہ اس جگہ بغیر قصد کے مشنری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں
اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے لکھنے سے پہلے جو آپکو لکھنے کا
ارادہ ہے اس اہم معاملہ میں مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیان کروں میری
دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لیے جو
یہ لوگ بعید ملک میں آتے ہیں بیشک تعریف کے لائق ہیں خصوصاً
کیپوشین[2] اور جیسوئیٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقائد مذہبی کو ہر قسم
کے لوگوں پر نہایت نرمی سے ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور
تعصب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے
خواہ وہ کاتھلک[2] فرقہ کا ہو یا یونان یا آرمینیا کے چرچ کا مقلد ہو۔ اور
نسطورین[3] ہو یا جیکوبٹ[4] محبت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں اور پادری

(1) Facker Buzee (2) Catholic (3) Nestorian (4) Jacobit

اور ملک الصال عیسائیوں کی جائے پناہ اور باعث تسلی ہیں۔ اور اپنے
علم و فضل اور قابل تقلید نیک اوقاتی سے غیر مذہب کے بے ایمان
اور عیاش لوگوں کے لیئے شرم کا باعث ہیں مگر بدقسمتی سے بعض ایسے
بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جنکا
بجائے سفر کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان ونٹوں (خانقاہوں)
ہی میں بند رہنا خوب ہے کیونکہ انکا دین و مذہب صرف ایک دکھاوا ہے
اور بجائے اسکے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہو اُلٹے انکی گمراہی کا باعث
ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اہل دعا کے لیئے مضر ہیں اور اس کام کے لیئے
اگر ایسے لوگ تجویز ہوا کریں جو علم و عمل میں ممتاز ہوں تو میں بالکل پسند کرتا ہوں
اور میرے نزدیک یہہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لیئے باعث
فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و
تلقین کے لیئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ
افعال و اطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس
معاملہ کے شوق میں اسقدر محو ہو گیا ہوں کہ میں نے یہہ سمجھ لیا ہے کہ جتنا
حواریوں کے ایک وعظ سے ایک اثر عظیم مترتب ہوتا تھا
اُتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ
بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث انکے
دلوں کی تاریکی سے مجھے اسقدر واقفیت ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ
دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان [illegible]

اور ان کی مسلمان رعایا سے کسی طرح بھی تبدیل مذہب کی امید نہیں اور
چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں
مشنری لوگ مقیم ہیں اسلئے میں اپنے تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ان
لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں ہے
کہ دس برس تک بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے - یہہ سچ ہے کہ
مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و
تعظیم کے نہیں کرتے اور بلا لفظ "حضرت" صرف "عیسیٰ" کبھی نہیں کہتے
اور ہماری طرح اسکا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے
پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہہ کہ وہ "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" تھے
لیکن یہہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جسمیں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ
دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں مگر باوجود ان سب باتوں
کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک
طرح سے مدد کریں اور اُن کی دُعا اور اِن کی طاقت اور دولت اپنے
نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال کے بڑھانے میں صرف
ہونی چاہیئے مگر اس خرچ کا تحمل اہل یورپ ہی کو ہونا چاہیئے - کیونکہ مشنری
لوگوں پر اسکا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں - اور اس بات کی نہایت احتیاط ہونی
چاہیئے کہ یہہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کرنے پر
مجبور نہوں اور صرف انکی فارغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی
جماعت ہونی چاہیئے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات

حق کے لیے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہاں
کہیں موقع پائے اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق
سے محنت کر نیکی خواہشمند ہو اور اگرچہ یہہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب
ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کرکے یہہ نہ سمجھ لینا چاہیئے
کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے کیونکہ (معاذ اللہ) محمد نے
مذہب باطل* نے جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جن نفسانی خواہشوں کو ہمارا
مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا پابند کرتا ہے یہہ اپنے مقلدوں کو اُنکی قبیح
اجازت دیتا ہے اپنے پیروؤں کے دل پر جس مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے
ہم لوگ اُسکا اندازہ نہیں کرسکتے یہہ مذہب ایک خونریز اور برباد کن احکام
کا مجموعہ ہے اور بزور شمشیر قایم ہوا ہے اور ابتک دنیا میں اُسی وحشیانہ
ظلم و ستم سے قائم ہے اور اسکی زہر آلود اور برباد کن ترقی کے روکنے
کے لیئے عیسائیوں کو وہ جوش اور ذریعے عمل میں لانے چاہئیں جو ہمنے
بیان کئے ہیں اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دھوکے اور افترا (اسلام)
کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اُسکی توجہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ
اُن باتوں کو معلوم کرکے کسیقدر تسلی اور اُمید ہوتی ہے جو پچھلے دنوں
چین اور جاپان میں وقوع میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گذریں
؛ مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لیئے ایک اَور پُر افسوس تماشا
سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود عیسائیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے
جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدا تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص

* نقل کفر کفر نباشد - کاتب

موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا سر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب ان کے دل پر چھایا ہوا دیکھنے میں آتا ہے۔

ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر آگرہ میں ڈچ لوگوں کی بڑے غلہ کی ایک تجارتی کوٹھی ہے جسمیں ایک چار یا پانچ آدمی بستے ہیں یہ پہلے بانات اور چھوٹے بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور روپہلی لیس اور آہنی چیزوں اور نیل کی تجارت کرتے تھے جو آگرہ کے قرب وجوار میں کثرت پیدا ہوتا ہے۔ خصوصاً بیانہ میں جو آگرہ سے دو منزل ہے اور جہاں انکی ایک اور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے ہیں اور اب نہ صرف جلالپور بلکہ لکھنؤ سے بھی جو آگرہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں بھی ان کی ایک کوٹھی ہے اور سب موسموں میں ان کے گماشتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکو اب زمانہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہتا اور غالباً اسکی دو سبب ہیں ایک یہ کہ ان کے مقابلہ میں آرمنی لوگوں کی تجارت بہت بڑھ گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ آگرہ سورت سے (جو ان کا اصل قیام گاہ ہے) بہت دور ہے اسکے علاوہ ان کے کاروانوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گوالیار اور برہانپور کی سیدھی سڑک چھوڑ کر احمد آباد کے راستہ مختلف راجاؤں کی عملداریوں میں سے ہو کر آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود

ان دقتوں کے میری دانست میں انگریز دنکی طرح آگرہ سے یہاں بنی کوٹھی کبھی نہیں اُٹھائینگے کیونکہ انکو اب بھی گرم مصالحوں کی قسم کی جنسوں میں بہت منفعت ہوتی ہے اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اِن کے اعتباری آدمی دربار شاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ پٹنہ - سورت - یا احمدآباد میں جہاں انکی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عہدہ دار کسیطرح کا ظلم یا ناانصافی اِن کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً اُسکی شکایت دربار میں کر سکتے ہیں -

مقبرۂ معروف تاج گنج کا ذکر اب میں اپنے اس خط کو دو عجیب و غریب مقبروں کے ذکر پر جنکی وجہ سے آگرہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں - ان میں سے ایک مقبرہ تو اکبر کا ہے جسکو اُسکے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا شاہجہاں کی بیگم "تاج محل" کا جو حسن و جمال میں لاثانی تھی اور بادشاہ اُسپر ایسا فریفتہ تھا کہ کبھی اُسکو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا یہاں تک کہ اُسکی وفات کیوقت شدت غم سے قریب تھا کہ اُسکے ساتھ خود بھی چل بسے ! میں اکبر کے مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اُسمیں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے مقبرہ میں جسکا میں ابھی ذکر کرنے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں - آگرہ سے نکلکر مشرق کیطرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا چوڑا راستہ دیکھیں گے جسپر فرش لگا ہوا ہے اور تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا گیا ہے جسکے ایک طرف تو ایک چوکور باغ کے ایک ضلع کی جو وسعت میں ہمارے پلیس رائل سے بہت زیادہ ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب نو تعمیر مکانات کی ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو اُن محراب دار برانڈوں سے مشابہ ہیں جو

دہلی کے بڑے بازاروں کی دوکانوں کے آگے بنے ہوئے ہیں اور
جنکا میں پہلے ذکر کرچکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہونچینگے
تو دائیں کو یعنی ان مکانات کی جانب آپکو ایک بڑا دروازہ ملیگا جو اچھا خاصہ
بنا ہوا ہے اور جو ایک کاروانسرا کا دروازہ ہے - اور اسکے مقابل یعنی
دیوار کی طرف باغ کے دروازہ کی مربع اور وسیع عمارت ہی جسمیں سے
ہوکر باغ میں جاتے ہیں اور جسکے دونوں طرف پتھر کے دو بڑے
حوض بنے ہوئے ہیں - یہہ مستطیل شکل کی عمارت ہی اور ایک ایسے
پتھر سے بنی ہوئی ہے جو سرخ سنگ مرمر کے مشابہ ہے لیکن ویسا
سخت نہیں ہے - اس عمارت کا پیش سینٹ ژرمین کی عمارت کے
پیش کی بنسبت جو سینٹ انٹونی کے کوچہ میں ہے - میری دانست میں زیادہ
لمبا اور اپنی وضع میں زیادہ عالیشان ہے مگر بلندی میں اسیقدر ہے
اسکے ستون اور مرغول اور کارنسیں اگرچہ فی الواقع اُن اوضاع خمسہ عمارت
کے مطابق نہیں ہیں جو ہمارے فرانس کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ
ملحوظ رکھی جاتی ہیں - کیونکہ یہہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع کی ہی
لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہیں اور میری رائے میں یہہ بالضرور اس قابل
ہے کہ ہماری فن عمارت کی کتابوں میں جگہہ پاوے اگرچہ قریباً یہہ تمام عمارت
چند ہی قسم کے مختلف الوضع دالانوں اور محرابوں اور غلام گردشوں پر مشتمل
ہے جو نیچے اوپر بنی ہوئی ہیں - مگر باوجود اسکے بہت عظیم الشان ہے
اور اسکا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ ہیں - اور کوئی جگہہ اسمیں ایسی

[illegible]

نہیں جو بدنما ہو بلکہ ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے
سے سیر نہیں ہوتیں - چنانچہ سب سے اخیر دفعہ جو میں نے اسکو جاکر دیکھا
تو میرے ساتھ ایک فرانسیس سوداگر بھی تھا - اور میری طرح اُسکی بھی یہی
راے تھی کہ یہہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جسکی کامل طور پر تعریف نہیں ہوسکتی
مگر میں کچھ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان میں مدت سے رہنے
کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُسنے
یہہ کہا کہ تمام فرنگستان میں ایسا حیرت افزا اور عظیم و شان کا مکان میں نے
کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلی ہوئی -

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اپنے کو ایک بہت اونچے
گنبد کے نیچے پائینگے جسکے سب طرف غلام گردش اور نیچے دونوں جانب
دو دالان ہیں جو آٹھ یا دس فرانسیسی فٹ اونچے ہیں اور جیسی محراب میں
سے آپ داخل ہونگے ویسی ہی دوسری جانب پائینگے جسمیں سے
گزر کر ایک ایسی روش پر پہنچتے ہیں جو آخر تک تمام باغ کو برابر دو حصوں
میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے - یہہ روش جو آٹھ فرانسیسی فٹ کے قریب
اونچی ہے اسقدر چکلی ہے کہ چھ گاڑیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سرے
سے لیکر اخیر تک بڑی بڑی چوکور سخت پتھروں کی سلوں کا فرش لگا ہوا
ہے اور بیچوں بیچ نہر بنی ہوئی ہے جسکی روکار کے پتھر تمام گھڑے ہوئے
اور زیبائش کے لیئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر فوارے لگے ہوئے
ہیں اور کوئی پچاس یا پچپن قدم چلکر اور پشت کی طرف مونہہ پھیراکر اسپر سے

دروازہ کی عمارت کو دیکھنا خالی از کیفیت نہیں کیونکہ دروازہ کی عمارت کی یہہ طرف بھی اگرچہ باہر کی جانب کی سی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور انسی وضع کی ہے۔ دروازہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دیکر لمبی اور چوڑی غلام گردشیں بنی چلی گئی ہیں جنکے محرابی دروازے چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہیں اور برسات کے موسم میں غربا اور سائلین خیرات کے لینے کو جو ہمیشہ کے لیئے شاہجہاں کی مقرر کی ہوئی ہے ہفتہ میں تین بار اُن میں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اب آپ پھر اُسی بڑی روش پر آئیں یہاں سے آپکو ٹھیک سامنے وہ بڑا گنبد نظر آئیگا۔ جسمیں بیگم کی قبر ہے اور جسکے دائیں بائیں چبوترے سے ذرا نیچے باغ کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اِس گنبد کے دونوں جانب سنگ سرخ سے ویسی ہی دو بڑی عمارتیں بنی ہوئی ہیں جیسی دروازہ کی عمارت ہے اور یہہ دونوں پشت کی طرف باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور اِن میں جانیکے لیئے تین تین محرابدار دروازے ہیں۔ اِن کے بعض حصے بالاخانوں کی طرح ایک دوسرے پر واقع ہیں جنمیں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ گویا بڑی بڑی اونچی غلام گردشیں ہیں۔ اِن عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرایشی کام بنے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ قریبًا ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے اندر کے زیبایشی کام ہیں اسلیئے میں اُنکا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں اس بڑی روش اور روضہ کے مابین ایک اچھا وسیع صحن ہے جسکو میں

تشبیہاً "واٹر پارٹیر"[1] کہتا ہوں کیونکہ پتھر جو اُسکے فرش میں لگے ہوئے ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بناکر اس طرح سے لگائے گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کیاریوں کے گرد "باکس" لگا ہوا ہے یہہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً اُسیقدر اونچا ہے جسقدر کہ "والدی گریس"[2] ہے اور اسکے گرداگرد سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جو علی الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہہ کُل عمارت چار بڑی محرابوں پر قائم ہے جنمیں سے تین بالکل کُھلی ہیں اور چوتھی ایک مکان کی دیوار سے جسمیں ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے بند کر دی گئی ہے جسمیں کئی "ملا" تاج محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہرا دلی ارادت کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر ہیں ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پہ سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر میں سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے بڑے بڑے عربی حروف بناکر جمائے ہوئے ہیں جو نہایت خوشنما ہیں اور گنبد کا کاشہ اور اوپر سے نیچے تک تمام دیواروں کی رو کار سنگ مرمر کی ہے اور کوئی جگہہ ایسی نہیں جو صنعت اور ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص اور ذاتی حُسن نہ رکھتی ہو اور مقبرہ کی تمام بلا

---

[1] پارٹیر کے لغوی معنی ہموار اور مسطح زمین کے ہیں مگر اصطلاح میں اُس قسم کی چمن بندی کو کہتے ہیں جو طرح بطرح کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں بناکر امتیاز کے لیے اُن کے ادھر اُدھر سبزہ گھاس وغیرہ جمادی جاتی ہے جسکو عرف ہندوستان میں باکس جو ڈوڈنیا کی طرح کی ایک بوٹی ہے لگا کر اور اسکو تراش کر کیاریوں کے اردگرد مختلف شکل کے حاشئے اور بیل بناتے ہیں (م ح)

[2] شہر پیرس کے ایک گرجا کا نام ہے۔ م ح (2) Val de Grace

کی پچی کاری میں جو سنگ مرمر کی ہے زبرجد اور یشب اور عقیق اور اور قسم
کے بیش قیمت اور کمیاب پتھروں اور اس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ
فلارنس میں گرانڈ ڈیوک کے گرجا میں ہیں بے شمار وضع کی اور نہایت خوشنما
اور عجیب نزاکت کی پچی کاری جس سے بڑھکر انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی
کی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی
چوکور سلوں کا ہے یہہ پتھر جڑے ہوئے ہیں اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا
سا حجرہ ہے جسمیں تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایکبار بڑے تکلف سے
کھولا جاتا ہے اور چونکہ اسکے تقدس کی وجہ سے کوئی عیسائی شخص اندر جانے نہیں
پاتا اسلئے میں بھی دیکھ نہیں سکا لیکن سنا ہے کہ اسکی زیب و زینت اور آرایش
و پیرایش بہت ہی اعلیٰ قسم کی ہے! اب آپ سے صرف اس چبوترہ کا ذکر
کرنا باقی ہے جو گنبد سے لیکر باغ کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی بیس قدم چوڑا
اور اس سے کسیقدر زیادہ اونچا ہے۔ اس چبوترہ پر سے دریائے جمنا بھی
بہتا ہوا اور بے شمار سرسبز باغ جو دور تک لگتے چلے گئے ہیں اور شہر آگرہ کا ایک حصہ
اور قلعہ اور امرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارہ پر بنے ہوئے
ہیں تمام نظر آتے ہیں۔ اور جبکہ یہہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اسکا
تصفیہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہہ کہہ رہا ہوں کہ یہہ مقبرہ ایک عجیب
عمارت ہے کیا یہہ سچ نہیں ہے؟ یہہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے
ہندوستانی مذاق پیدا کر لیا ہو۔ لیکن میں یہہ یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہہ مکان
اہرام مصر کی بنسبت جو ان گھڑ پتھروں کے ڈھیر ہیں اور مکرر دیکھنے پر بھی

مجھے کچھ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سی بجز اسکے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھروں کا ڈھیر لگادیا ہے کچھ نہیں ہیں اور جسکے اندر بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو دنیا کی عجائبات میں شمار کیے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے * عہ

---

* یہہ بے نظیر و عجیب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کی ابتدا میں بنی شروع ہوئی تھی اور سترہویں سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۵۲ (ایک ہزار باون) ہجری میں بنکر ختم ہوئی۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ اسپر خرچ ہوا۔ اسکی مرمت اور خدام کی تنخواہ اور بیگم کے ختم و فاتحہ کے خرچ کے لیئے ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اسکے آس پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے ملجلکر یہہ ایک اچھا شہر بس گیا تھا اور جسکا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا بادشاہ نے وقف کردی تھیں۔ س۔م۔ح مقد (جلد دوم تمام ہوئی)

اطلاع عہ اس خط کا سنہ اور تاریخ جو اور خطوں سے پہلے کا ہے اس کو پیچھے لگا ہوا دیکھکر یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مصنف نے فی الحقیقت یہہ خط بعد میں لکھا تھا اور تاریخ اور سنہ غلط چھپا ہے بلکہ اسکی وجہ یہہ ہے کہ یہہ خط انگریزی میں جلد اول کے ساتھ ہے اور فی الحقیقت دوسری جلد کے خطوط سے پہلے لکھا گیا تھا مگر چونکہ سب خطوط ایک جگہہ جمع کر دینے بہتر معلوم ہوئے اور خطوط کے مضامین بھی ایک دوسرے سے متعلق ہیں اسلیئے اس خط کو دوسری جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

تمت بالخیر

تقریظ

ریختۂ کلکِ فصاحت نگار جنابِ مستطاب والا خطاب وزیر الدولہ مدبر الملک

خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر

وزیر اعظم ریاست پٹیالہ دام اجلالہ

انسان جب مرجاتا ہے تو زندہ نہیں کہلاتا! مگر اہل تصنیف کی زندگی عجیب زندگی اور اُنکی موت عجیب موت ہے کہ مرنے پر بھی زندہ کہلاتے اور زندوں کی طرح بولتے چالتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں! چنانچہ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر فرانسس برنیر ہی کو دیکھو کہ باوجودیکہ دوسو برس کے قریب مرے کو ہوئے مگر زندہ ہے! دنیا سے گئے کو ایک زمانہ گزرا مگر موجود ہے! زبان کو بند ہوئے عرصہ ہوا مگر بولتا ہے!! اِسکا کاغذی لباس پہنے ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرنا اور اہل علم کی خلوت کی صحبتوں میں بیٹھنا اور چپ چاپ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرنا اور کبھی اپنی اصل فرانسیسی اور کبھی انگریزی اور کبھی ہندوستانی بولی بولنا! اور بولنا بھی قلم کی زبان سے جسمیں یہہ خوبی ہے کہ آواز نہیں اور سُنائی ہرکسی کو دیتا ہے۔ اِس امر کی دلیل ہے کہ

لنے اُس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ جس کسیکو خوش قسمتی سے اُسکا ایک قطرہ بھی نصیب ہوگیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا۔ یہہ وہ چشمہ نہیں جسکو لوگ **آبِ حیات** کا چشمہ کہتے اور یہہ سمجھتے ہیں کہ اُسکا پانی پی لینے سے انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ ہے نہ اُسکو کبھی کسی نے دیکھا اور نہ اُسکا پانی پیا۔ مگر جس چشمہ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ حقیقی اور سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور اُسکا آبِ حیات سے زیادہ زندگی بخش پانی ہر خوش قسمت شخص کو میسر آسکتا ہے! یہہ چشمہ **دوات** ہے۔ اور اِسکا زندگی بخش پانی اُسکی روشنائی ہے۔ جو اہلِ تصنیف ہمیشہ قلم کے پمپ کے ذریعہ سے اسمیں سے نکالتے اور آبِ حیات کیطرح خود پیتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں بس مبارک ہیں وہ جنہوں نے اِس چشمہ کا پانی پیا ہے اور مبارک ہے اُنکی زندگی جو دنیا کی زندگی کے برخلاف بے خلل و غش اور بے کلفت زندگی ہے مگر مفال ڈاکٹر کو خوش نصیبی سے عمر بڑھانے کا ایک اور نسخہ بھی وہ مجرب اور تیر بہدف ہاتھ آیا ہے۔ اور یہہ اُسکو استعمال بھی اِس خوبی سے کرتا ہے کہ حطا کر ہی نہیں سکتا یعنی جب دیکھتا ہے کہ پہلا قالب کسیقدر دیرینہ اور بوسیدہ ہو چلا ہے تو کسی نہ کسی ڈھب سے اُسکو بدل ڈالتا اور نیا اختیار کر لیتا ہے اور تناسخ کے مسئلہ کو جو اَب تک صرف ایک بات ہی بات تھی اور انسان کا مرکر دوسرے قالب میں چلا جانا دیکھا کسی نے بھی نہ تھا اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتا ہے۔ چنانچہ پہلے پہل **سٹرازونگ براک**

صاحب کی امانت ہوئی ہے [illegible] خطاب کیا [illegible] مرکز اوج

مورخ اور [illegible] کی راہ سے انگلستان اور انگلستان سے پہنچایا اور انکی

تجربہ [illegible] اور [illegible] حیرت خیز [illegible] کا نتیجہ [illegible]

ہمارے نہایت [illegible] صاحب علم و فضل جامع الکمالات دوست جناب کرنل [illegible]

صاحب بہادر سی آئی ای [illegible] جناب کا [illegible] بہادر نے

میرے چھوٹے بھائی شمس العلماء [illegible] خلف رشید محمد حسین صاحب

سپرنٹنڈنٹ ریاست پٹیالہ کی امداد سے ہندوستانی روپ میں لیا [illegible]

میں جو اردو ہونا سیکھ یا [illegible] معلوم نہیں ہو سکتا کہ [illegible] کا رہنے والا ہے یا دلی کا!

پس میرے عزیز ہم وطنو! تمکو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح تم بھی اس

دانا [illegible] کار حکیم کی تصنیف تمہاری خاطر تمہاری روپ میں لایا ہے اور تمہاری

ہی بولی میں بولی ہے جان و دل سے خاطر اور مدارات کرو اور اپنے ملک

کے اگلے بادشاہوں، راجاؤں اور امیروں اور ہر ایک درجہ کے لوگوں

کی باتیں جو اسکی آنکھوں نے دیکھی ہوئی ہیں ایک کی زبان سے سنو! [illegible]

کہ سچ بتائیگا کہ اب سے دو سو برس پہلے تمہارے ملک کی کیا حالت تھی

سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا! زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا

حال تھا! ملک کی دولتمندی کی کیا کیفیت تھی: راستے پر امن [illegible]

اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے! سلطنت یا خود رعایا کی طرف سے

تعلیم عام کا کچھ انتظام تھا یا نہیں! عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی

اور اسکے لیے کچھ قوانین اور قواعد مقرر تھے یا نہیں! اور انکی تعمیل

قطعہ تاریخ [illegible] جناب [illegible]

[illegible] جناب سید صاحب [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] ترجمہ چوں [illegible]	[illegible] تاریخ [illegible]
[illegible] حسین یافت سال [illegible]	[illegible] بر [illegible]

قطعہ تاریخ طبع از [illegible] محمد حسین مرادآبادی کاتب کتاب [illegible]

[illegible] ترجمہ [illegible] ہوا مکمل	جو [illegible] الحق [illegible]
[illegible] راغب [illegible]	[illegible] سال ہجری کیا [illegible]

الحمد [illegible]

[illegible] کتاب لاجواب وقایع سیر و سیاحت [illegible]

[illegible] حضرت وزیر الدولہ [illegible]

[illegible] خان بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ [illegible]

[illegible] خلیفہ سید محمد حسین صاحب [illegible]

[illegible] مصنف [illegible]

محمد حسین مرادآبادی [illegible]

[illegible] پٹیالہ

ختم ہوئی

کیسی ہوتی تھی؟ آزادی رائے جسمیں مذہب کی آزادی بھی شامل تھی رعایا کو
حاصل تھی یا نہیں! اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق وعادات کا
کیا حال تھا! ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں خرچ ہوتی تھی یا
بادشاہ کے ذاتی اور عیش وآرام کے کاموں میں! فوج کی کیا حالت تھی
اور اسکا نظم ونسق کیسا اور کس ڈھنگ پر تھا! اور صف آرائی اور جنگ آزمائی
کے کیا طریقے تھے۔ بادشاہ دربار کسطرح کرتا تھا! اور اسکی شان اور جلوس
کیسا اور کس طور کا تھا! اور یہہ باتیں تمکو یہہ ایسی تشریح اور تفصیل سے سنائیگا
کہ گویا انکا مرقع تمہارے سامنے کردیگا جس سے تم اسوقت اور اسوقت کی حالت
کا بخوبی موازنہ کرسکوگے۔ اور سمجھ سکوگے کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جنکا
نادیدہ تعریفوں اور خوبیوں کو سنکر غالبا تم اپنے دل میں خیال کرتے ہوگے
کہ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لیئے نہایت ہی عمدہ اور خیر
برکت کا زمانہ تھا تمہارے ملک اور ملک والوں کی کیا حالت تھی۔ اور اب
کوئین وکٹوریہ بادشاہ انگلستان اور قیصر ہند کے مبارک عہد میں
جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے۔ والسلام

السید محمد حسن عفی عنہ

۲۵- نومبر ۱۸۹۹ء

تنبیہ

چونکہ باوجود بہت سی کوشش کے اس جلد میں کتابت
کی چند غلطیاں جیسا کہ لیتھوگراف میں اکثر ہو جاتا ہے ہوگئی
ہیں۔ اسلئے ناظرین کو چاہیئے کہ قبل اسکے کہ کتاب کو
پڑھیں صحت نامہ مندرجہ صفحہ مقابل سے غلطیوں
کی اصلاح فرمالیں۔

(س م ح)

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	١١	٠	اصیاپل	[illegible]	١٠	٠	[illegible]	[illegible]
[illegible]	٥	[illegible]	[illegible]	دلان	١٣	٢٠٩	[illegible]	[illegible]
[illegible]	٣	٠	سردیت	بردشت	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	کارفروری	فروری	١	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	دکھادیا	دکھانا	١٣	٠	[illegible]	[illegible]
[illegible]	١٤	[illegible]	[illegible]	[illegible]	١٩	٠	[illegible]	[illegible]
[illegible]	١	٢٣٠	[illegible]	نہیں سکتا	١٠	٢٠٠	[illegible]	[illegible]
[illegible]	٣	٠	[illegible]	[illegible]	٢	٢٠٩	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	٢٣٢	[illegible]	[illegible]	[illegible]	٢١٠	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	٢٢٨	[illegible]	[illegible]	[illegible]	٠	[illegible]	[illegible]
[illegible]	٥	٢٣٠	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	٩	٠	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	١٢	٢٣٣	[illegible]	[illegible]	[illegible]	٢٣٢	[illegible]	[illegible]
			[illegible]	[illegible]	[illegible]	٠	[illegible]	[illegible]
			[illegible]	بھی	٨	[illegible]	[illegible]	[illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
						لوگوں	گرا لوگوں	۱۳۱	۱۸	[illegible]	[illegible]
				۳۰	۰	اصطلاح	اصطلاح پر	۱۳۱	۱۹	دیتا ہے	[illegible]
				۳۱	۱	خیبر کے	جب خیبر کے	۱۳۲	۲۰	[illegible]	[illegible]
	۲	پیپے	قصبے	۰	۱۶	نباچڑا	لنبا	۱۳۳	۲۰	[illegible]	[illegible]
	۸	پرستان و حیران	انسان و حیوان	۴۳	۱۰	گزرکرنا	گزرنا	۰	۲۵	[illegible]	[illegible]
	۱۹	نباہ	پناہ	۴۳	۲	ڈالیں ہی	وہیں	۱۳۴	۲	رو سے	[illegible]
	۱۹	اُمیٹس	اُمیسویں	۴۵	۱۳	گزر کرتا ہے	گزرتا ہے	۰	۱۸	[illegible]	[illegible]
	۲۲	چبیتیں	چبیسویں	۴۶	۰	توہ	توے	۱۳۶	۱۶	[illegible]	[illegible]
	۹	کاٹھ کر	کاڑھ کر	۵۵	۱۹	وہ بھی	تو وہ بھی	۰	۱۹	جتین	[illegible]
	۱۴	استعبار	استغفار	۶۱	۳۰	تجلی	بجلی	۱۳۷	۲۰	[illegible]	[illegible]
	۱	[illegible]	تجاوز و عجیب	۶۳	۱۳	سیورے	سیورے	۱۳۸	۲	[illegible]	[illegible]
	۵	عام خاص	عام خاص	۶۷	۱۵	اسیگہ	اسیگہ	۱۴۲	۷	کثرت کی	[illegible]
	۹	فرانس کی	فرانسس کا	۸۰	۱۲	خدوش شکل	مغشوش شکل	۰	۱۲	[illegible]	[illegible]
	۱۰	سلامی کی جاتی	سلامی کی جاتی	۰	۱۶	کسی اطاعت	کسی کی اطاعت	۰	۱۵	[illegible]	[illegible]
	۹	وغیرہ سے	وغیرہ سے	۸۴	۱۳	ہن	تھیں	۱۴۴	۲	[illegible]	[illegible]
	۱۰	طرف سے کہ اگلی	طرف سے اگلی	۸۹	۲	لگ اٹھتی تھی	لگ اٹھتی تھی	۰	۰	[illegible]	[illegible]
	۱۸ / ۱۲	راجے	راجہ	۰	۱۰	چلی آتی ہے	چلی آتی تھی	۱۴۴ / ۱۵	۱۹	[illegible]	[illegible]
	۹	قیام	خیام	۸۸	۳	تسلیم کرنا	تسلیم کرنا	۱۵۴	۹	[illegible]	[illegible]
	۸	شہر نقل	سعد زغلول	۹۰	۹	تنازع	تنازعے	۱۵۵	۱۹	[illegible]	[illegible]
	۱۵	مرتب ہیں	مرتبہ	۱۰۲	۱۰	گزرتا ہے	گزرتا ہے	۱۵۶	۱۳	[illegible]	[illegible]
	۱۰	گشت کرنے	گشت کرنے	۰	۱۵	دلی واپس	دلی ہی واپس	۱۶۰	۱۴	[illegible]	[illegible]
	۵	عصا	عاصے	۱۰۹	۱۱	کے گوشت	کے گوشت کو	۱۶۲	۶	[illegible]	[illegible]
	۳	صاحبہ	صاحب	۱۱۰	۵	انہوں ہی نے	انہیں نے	۰	۹	[illegible]	[illegible]
	۹	[illegible]	اور آ رہی تھی	۱۱۳	۱۰	[illegible]	کھینچ	۱۶۴	۳	[illegible]	[illegible]
	۱۳	اسپیدہ	اسپیدہ	۱۲۲	۱۰	[illegible]	[illegible]	۱۶۶	۳	[illegible]	[illegible]
	۱۴	[illegible]	[illegible]	۱۲۰	۳	لیتی	بھی	۱۶۳	۱۲	[illegible]	[illegible]